مولانا عبدالرشید نعمانیؒ

سید احمد شہید اکیڈمی
دار عرفات، رائے بریلی

# تاریخ
# تدوین حدیث

از حضرت مولانا عبد الرشید نعمانیؒ

---

سید احمد شہید اکیڈمی، دار عرفات، رائے بریلی

| صفحہ | فہرست | نمبر شمار |
|---|---|---|

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# عرض ناشر

سید احمد شہید اکیڈمی کے بنیادی مقاصد میں ان کتابوں کی بھی اشاعت ہے جو اسلامی علوم وفنون سے متعلق کسی موضوع پر لکھی گئی ہوں، جن میں محققین علماء اور صاحب ذوق منتہی طلباء کے لئے خاطر خواہ مواد موجود ہو اور وہ اس کی روشنی میں تحقیق ونظر کا سفر جاری رکھ سکیں۔

پیش نظر کتاب بھی اس سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے، جس میں تدوین حدیث کی تاریخ کو اس انداز سے پیش کیا گیا ہے کہ پڑھنے والے کے اندر حدیث کا ذوق پیدا ہو جاتا ہے، اور بہت سے وہ حقائق سامنے آجاتے ہیں جن کی طرف عام طور پر مطالعہ کرنے والوں کی نگاہ نہیں پہونچتی۔

مصنف کتاب حضرت مولانا عبدالرشید نعمانیؒ صاحبِ نظر محدث اور صاحبِ ذوق عالم ومحقق تھے، اردو میں ان کی سب سے زیادہ معروف کتاب ''ابن ماجہ اور علم حدیث'' ہے، جو پاکستان سے کئی مرتبہ شائع ہو کر دادِ تحقیق حاصل کر چکی ہے، کہنے کو یہ امام ابن ماجہ کی سوانح عمری ہے لیکن حقیقت میں مسلمانوں کی ان

جانفشانیوں اور قربانیوں کا حسین مرقع ہے جو انہوں نے اپنے نبی حضرت محمد ﷺ کے اقوال، افعال اور احوال کو محفوظ کرنے کے لئے پیش کی ہیں، اور اس طرح اس میں تدوین حدیث کی پوری تاریخ قلمبند ہوگئی ہے، اور واقعہ یہ ہے کہ کتاب کا نام اس کتاب کے لئے ایک حجاب بن گیا ہے۔

زمانہ سے اس کی ضرورت محسوس ہورہی تھی کہ کتاب میں تدوین حدیث سے متعلق مواد کو (جو خاصے کی چیز ہے) علیحدہ شائع کیا جائے تاکہ اس سے عمومی فائدہ اٹھایا جاسکے، اس عاجز کو مولانا سے شرف تلمذ حاصل ہے اور مولانا کی محبت وشفقت کا حظ اس نے اٹھایا ہے، یہ اس کے لئے سعادت کی بات ہے کہ اپنے محبوب ومحسن استاد کی تصنیف ہندوستان میں شائع کرنے کا شرف اس کو حاصل ہورہا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو مولاناؒ کے لئے صدقۂ جاریہ بنائے، اور ناکارہ کے لئے مغفرت ونجات کا ذریعہ فرمائے، اور جن دوستوں نے اس کی اشاعت میں مدد کی ان سب کو اجر عطا فرمائے۔

وصلّى الله تعالىٰ علىٰ خير خلقه محمد وآله وصحبه أجمعين

بلال عبدالحی حسنی ندوی
چہارشنبہ ۳ر صفر ۱۴۲۳ھ

# مصنف کتاب

## (ایک تعارف)

محدث جلیل حضرت مولانا عبدالرشید نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کا شماران بلند پایہ صاحب نظر محدثین میں ہوتا ہے جوملت اسلامیہ کے لئے باعث فخر تھے، علم کی پختگی اور گہرائی کے ساتھ زہد وتقوی میں نمایاں امتیاز ان کی وہ صفت تھی جس نے ان کونمونہ سلف بنادیا تھا، طبقات کتب اور طبقات رجال پر ان کی دوررس نگاہ نے ان کوابنائے زمانہ میں ایک نمایاں مقام عطا کیا تھا، درس وتدریس اور تصنیف وتالیف کے ذریعہ انہوں نے امت کو بڑا فائدہ پہونچایا، ان کی صحبت میں بڑی تاثیر تھی، ان کے درس میں شریک ہونے والوں اوران کی مجلس کے حاضر باشوں نے اس باب میں بھی ان سے فیض اٹھایا، نصف صدی سے زائدان کے فیوض علمی وروحانی کاسلسلہ جاری رہا۔

مولانا کا آبائی وطن جے پور ہے، ۱۹۱۴ء مطابق ۱۳۳۴ھ کو غالباً اکتوبر کے مہینہ میں ولادت ہوئی، ابتدائی تعلیم متوسطات تک اپنے وطن ہی میں حاصل کی،

تکمیل کے لئے دارالعلوم ندوۃ العلماء کا انتخاب کیا جہاں مولانا ہی کے ہم وطن حضرت مولانا حیدر حسن خاںؒ منصب اہتمام پر فائز تھے اور حدیث کی منتہی کتابوں کا درس بھی ان ہی سے متعلق تھا۔

مولانا مرحوم مسلسل چار سال دارالعلوم میں تکمیل کے لئے مقیم رہے، عربی ادب کے کئی اساتذہ سے استفادہ کیا، مگر مولانا کی توجہ کا اصل محور مولانا حیدر حسن خاںؒ صاحب کی ذات گرامی تھی جو اس وقت دارالعلوم کے شیخ الحدیث اور امام المحد ثین علامہ حسین بن محسن انصاری یمنی کے خاص تلامذہ و مستفیدین میں تھے۔

مولانا نعمانی نے مولانا حیدر حسن خاں صاحبؒ سے بھر پور استفادہ کیا اور شب و روز حاضر باش رہے، انہوں نے مولانا کو خلوت وجلوت، مشغولیت و راحت اور رات و دن کے مختلف حصوں میں بے تکلف دیکھا، مولانا کی صفات و کمالات اور پھر زاہدانہ زندگی کھلی کتاب کی طرح ان کے سامنے تھی جس کو انہوں نے اپنی زندگی میں اس طرح جذب کرلیا کہ گویا وہ مولانا کے مثنیٰ بن گئے، یہیں سے ان کے اندر حدیث کا وہ ذوق پیدا ہوا جس نے ان کو متقدمین محد ثین کی صف میں لا کر کھڑا کر دیا اور یہیں ان کو زہد کا وہ ذائقہ ملا جو اسلاف کی میراث ہے۔

مولانا کے اسی شوق وطلب کو دیکھتے ہوئے (جس میں ہم وطنی کا ایک رشتہ بھی شامل ہو گیا تھا) مولانا حیدر حسن خاں صاحبؒ نے خصوصی شفقت و توجہ فرمائی اور تعلیم کے ساتھ تربیت کا بھی پورا خیال رکھا جس نے مولانا نعمانی کے ذاتی جوہر کو جلا بخشی، اختصاص فی الحدیث اور تعمق فی العلم کے ساتھ ان کی عملی زندگی میں بھی ایک امتیازی شان پیدا ہوگئی، مولانا حیدر حسن خاں صاحبؒ خود حضرت حاجی

امداد اللہ صاحب کے اجازت یافتہ اور صاحب سلسلہ تھے، ان کی جوہر شناس نگاہ نے مولانا کے اس امتیازی وصف کو بھانپ لیا اور سندِ فضیلت کے ساتھ ہی اجازتِ بیعت وارشاد سے بھی سرفراز فرمایا۔

ندوہ میں تکمیل کے بعد ایک عرصہ تک مولانا اپنے وطن ہی میں مقیم رہے اور اس دوران بھی مولانا حیدر خاں صاحبؒ سے استفادہ کا سلسلہ جاری رہا، اس کے بعد ندوۃ المصنفین کے ذمہ داروں کی خواہش پر دہلی تشریف لے گئے اور اس ادارہ سے باقاعدہ وابستہ ہوئے، اسی زمانہ میں امام حاکم نیشاپوری کی اصولِ حدیث پر مشہور کتاب "المدخل" پر ایک طویل تبصرہ اردو میں تحریر فرمایا جو شاید مولانا کا باقاعدہ پہلا مضمون تھا جو ان کے ذوق تحقیق ونظر کا شاہکار ہے، یہ تبصرہ "المدخل" کے ساتھ ہی طبع ہوا، ایک مرتبہ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کسی تقریب سے ندوۃ المصنفین تشریف لائے، یہ تبصرہ مولانا عثمانی کی نظر سے گذر چکا تھا، جب مولانا کا تعارف کرایا گیا تو مولانا عثمانی نے مسرت کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا کہ "اچھا آپ ہی صاحب المدخل ہیں" اور دادِ تحقیق دی، وہیں قیام کے دوران ذمہ داروں کی خواہش پر "لغات القرآن" چار جلدوں میں مرتب فرمائی، لیکن اس کی تکمیل نہ ہوسکی اور بعض اسباب کی بنا پر پاکستان ہجرت فرمائی، بعد میں مولانا عبدالدائم جلالی صاحب نے مزید دو جلدوں میں اس کی تکمیل فرمائی اور کتاب ندوۃ المصنفین سے ہی شائع کی گئی، مولانا ندوۃ المصنفین کے رفیق بھی تھے، اور "**مجلس احیاء المعارف النعمانیة**" حیدرآباد دکن کے رکن رکین بھی، مولانا ابوالوفاء افغانی سے ہم مسلک وہم مشرب ہونے کی بنا پر بڑی مناسبت تھی، پاکستان جانے کے بعد دارالعلوم اشرف آباد

ٹنڈوالایار سے وابستہ ہو کر تدریسی خدمات انجام دیں، پھر ایک عرصہ تک جامعہ اسلامیہ بھاولپور کے شعبۂ اسلامیات کے صدر رہے، اخیر میں مولانا یوسف بنوریؒ کے قائم کردہ ادارہ جامعۃ العلوم الاسلامیہ مولانا ہی کی خواہش پر تشریف لے آئے، اور معذوری کے اخیر چند سالوں کو مستثنیٰ کر کے کہا جاسکتا ہے بقیہ زندگی وہیں درس وتدریس اور تصنیف وتحقیق میں گذاردی،

مولانا کا چونکہ اصل ذوق تصنیف وتالیف کا تھا اس لئے اسفار سے مناسبت کم تھی تاہم حج کے لئے متعدد مرتبہ تشریف لے گئے۔ ترکی کے سفر کی مولانا کو بڑی تمنا تھی، اس کی بڑی وجہ یہ تھی کہ وہاں قدیم اسلامی مخطوطات کا جو ذخیرہ کتب خانوں میں موجود ہے شاید وہ کسی دوسرے ملک میں نہ ہو، ان میں بڑی تعداد علمائے احناف کی تصنیفات کی ہے، یہ مولانا کے سفر کا بڑا محرک تھا، اللہ تعالیٰ نے مولانا کی یہ خواہش پوری فرمادی اور مولانا اپنے صاحبزادہ مولانا عبدالشہید صاحب نعمانی کے ہمراہ تشریف لے گئے اور مختصر مدت قیام فرما کر مراجعت فرمائی، اپنے ساتھ متعدد مخطوطات کے عکوس بھی لائے۔

سفر ہجرت کے بعد تین مرتبہ مولانا ہندوستان تشریف لائے، پہلی تشریف آوری ۱۴۰۲ھ میں ہوئی، اور مولانا نے پورا رمضان دائرہ شاہ علم اللہ میں گذارا، اس مدتِ قیام میں دارالعلوم کے بعض اساتذہ اور درجات عالیہ کے طلبہ مستفید ہوتے رہے، اصول حدیث کی مشہور کتاب ''علوم الحدیث'' (جو علامہ ابن الصلاح کی تصنیف کردہ اور مقدمہ ابن صلاح کے نام سے مشہور ہے) زیرِ درس رہی، حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی خواہش پر متعدد مرتبہ مسجد

میں وعظ بھی فرمایا، مولانا کا وعظ ایسا دلنشین اور مؤثر ہوتا تھا، کہ ''از دل خیزد بردل ریزد'' کا مصداق ہوتا، مولانا کے سفر کا اصل مقصد حضرت مولاناؒ سے اصلاح وارشاد کا تعلق قائم کرنا تھا، یہ مولانا کی سادگی، بے نفسی اور اصلاح حال کی انتہائی فکر کا نتیجہ تھا، ورنہ مولانا خود صاحبِ نسبت اور صاحبِ مقام بزرگ تھے، حضرتؒ نے اس تعلق کے کچھ ہی عرصہ بعد اجازتِ بیعت مرحمت فرمائی اور پاکستان میں بیعت ہونے والے متعدد حضرات کو مولانا کے سپرد کیا۔

حضرت والاؒ مولانا کے فضل وکمال کے بڑے معترف وقدرداں تھے، حضرت مولانا حیدر حسن خاں صاحبؒ کے تذکرہ کے ذیل میں مولانا کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں

''لیکن مولانا کے تلمیذ ارشد اور ان کے فن وذوق کے وارث ہمارے فاضل دوست مولانا عبدالرشید صاحب نعمانی جے پوری، حال شیخ الحدیث دینیات یونیورسٹی بھاولپور ہیں، ان کے علمی کام تعارف کے محتاج نہیں، ان میں لغات القرآن کی تین جلدیں اور ان کا اصل علمی وتحقیقی کام ''ماتمس إلیہ الحاجة'' جو ان کی وسعت مطالعہ اور دقت نظر کی شاہد ہے، خاص امتیاز رکھتا ہے انھوں نے کئی سال سفر وحضر میں مولانا کے ساتھ رہ کر دارالعلوم ندوۃ العلماء میں بھی اور ٹونک کے زمانہ قیام میں بھی کسبِ فیض کیا اور مولانا کی تحقیقات سے پورا فائدہ اٹھایا، مولانا کو بھی ان سے بڑا گہرا تعلق اور ان پر بڑا اعتماد تھا''

۱۴۰۹ھ میں دارالعلوم کے شیخ الحدیث مولانا ضیاء الحسن صاحب کی اچانک وفات سے بڑا خلا پیدا ہوا اور بڑی شدت سے یہ ضرورت محسوس کی گئی کہ اس موقع سے مولانا کچھ عرصہ کے لئے تشریف لے آئیں تو طلبہ کو استفادہ کا موقع ملے اور یہ خلا بھی پُر ہو سکے، مولانا سے جب اس کی خواہش کا اظہار کیا گیا تو معذرت نہ فرما سکے اور تشریف آوری ہوگئی، کچھ عرصہ کے لئے باقاعدہ، بخاری شریف مولانا کے ذمہ کردی گئی یہ آخری سال کا وہ درجہ تھا جس میں شرکت کی سعادت راقم کو بھی حاصل تھی، اس طرح باقاعدہ مولانا سے براہ راست استفادہ کا شرف حاصل ہوا، مولانا کے طرزِ تدریس پر کچھ لکھنے کے بجائے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولانا حیدرحسن خاں صاحب کے طرزِ تدریس پر حضرت مولانا نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کو نقل کردیا جائے کہ وہ مولانا کے طریقۂ تدریس پر بھی حرف بہ حرف صادق آتا ہے معمولی حذف واضافہ کے ساتھ یہاں اس کو پیش کیا جارہا ہے۔

”مولانا کا درس عملی تھا اور طلباء اس میں صرف سامع یا مجلس وعظ کے حاضرین کی حیثیت نہیں رکھتے تھے، فن حدیث کی بنیادی کتابیں ساتھ ہوتیں اور طلباء کو حکم ہوتا فلاں جگہ سے کھولو اور پڑھو، بعض مرتبہ کئی کئی کتابیں ایک ساتھ کھل جاتیں اور ان پر آزادانہ بحث ہوتی طلبہ آزادی اور بے تکلفی کے ساتھ اس بحث و مذاکرہ میں حصہ لیتے، مولانا کو وہی طالب علم زیادہ عزیز تھا جو آزادی سے بحث کرے اور مسئلہ کو سمجھنے کی کوشش کرے اس لئے بعض اوقات متصلب حنفی ہونے کے باوجود ان اہل حدیث طلباء پر زیادہ شفقت والتفات ہوتا جو تیاری

کر کے آتے اور بات سمجھنے کی کوشش کرتے، تدریس حدیث کا طرز محدثانہ تھا، یمنی علماء کی کتابوں سے استفادہ بھی پورا تھا، خاص طور پر الامیر محمد بن اسماعیل صنعانی، شیخ محمد بن ابراہیم بن انوریر، علامہ مقبلی اور علامہ شوکانی کی کتابیں مطالعہ میں رہتیں اوران کا حوالہ دیتے، علمائے احناف میں سے بھی ان کتابوں کا حوالہ زیادہ دیتے جن کا پایہ حدیث میں مسلّم ہے مثلاً متقدمین میں امام طحاوی اور متوسطین ومتاخرین میں علامہ زیلعی، ابن کمال، قاسم بن قطلو بغا اور علامہ ابن ہمام، مولانا کے درس کی ایک برکت یہ تھی کہ فن حدیث سے مناسبت اوران کی بنیادی کتابوں سے ذاتی واقفیت، ان کے درجات اور طبقات سے پوری آگاہی اور اسماء الرجال اور اصول حدیث کی کتابوں سے فائدہ اٹھانے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی تھی۔''(۱)

مولانا کے اس طویل قیام سے طلبہ کو بڑا علمی ودینی فائدہ پہونچا، مولانا کے درس میں بھی برکت تھی اور صحبت میں بھی تاثیر، اس طرح طلبہ میں حدیث کا ذوق بھی پیدا ہوا، اور اصلاح نفس کا خیال بھی، درس میں دارالعلوم کے بعض اساتذہ بھی شریک ہوتے، مولانا ان کا احترام ملحوظ رکھتے، مولانا تین مہینہ قیام کے بعد تشریف لے گئے، لیکن اپنی یادوں کے نقوش ثبت کر گئے متعدد اساتذہ اور طلبہ نے مراسلت کے ذریعہ سے استفادہ جاری رکھا۔

۱۴۱۲ھ میں تیسری بار مولانا ہندوستان تشریف لائے چند روزہ قیام میں

(۱) پرانے چراغ ج۱ص۱۹۲۔

بھوپال بھی تشریف لے گئے اور رابطہ ادب اسلامی کے ایک جلسہ کی صدارت بھی فرمائی، دورانِ سفر افادات کا سلسلہ جاری رہا، دارالعلوم میں قیام کے دوران شرح نخبہ کا درس بھی ہوتا رہا جو بڑا عالمانہ اور محققانہ ہوتا تھا، یہ مولانا کا آخری سفر ثابت ہوا اور بالآخر سفرآخرت پیش آگیا۔

مولانا بسیار نویس نہیں تھے لیکن جو لکھتے پوری تحقیق وامانت کے ساتھ لکھتے تھے، زبان بھی صاف اور شستہ ہوتی، عربی اردو پر تقریباً یکساں قدرت تھی، ذوق تحقیق اور دقت نظر میں اپنے معاصرین سے فائق تھے، علمی نکات پر گرفت بڑی مضبوط تھی، مولانا کی تصنیفات مولانا کے امتیاز کا منہ بولا ثبوت ہیں۔

مولانا کے قلم سے جو سب سے پہلا مضمون نکلا وہ امام حاکم نیشاپوریؒ کے مشہور رسالہ "المدخل في أصول الحديث" پر ایک علمی وتحقیقی تبصرہ تھا، جس میں اس کے مباحث پر تنقیدی نگاہ ڈالی گئی ہے، یہ تبصرہ ندوۃ المصنفین سے شائع ہونے والا موقر ماہنامہ ''برہان'' میں چھ قسطوں میں شائع ہوا اور علماء نے اس کو تحسین کی نظر سے دیکھا، اس وقت مولانا کی عمر صرف پچیس سال تھی۔

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی رائے اس کے بارے میں گذر چکی ہے، مشہور عالم ومصنف حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ نے اس مقالہ کا مطالعہ کرنے کے بعد مولانا سعید احمد اکبرآبادی کو جو مکتوب تحریر فرمایا اس کی حسب ذیل عبارت خاص طور پر پڑھنے کے لائق ہے جس سے مقالہ کی علمی گہرائی کا اندازہ ہوتا ہے۔

''بھئی یہ مولانا عبدالرشید صاحب نعمانی تو بڑے چھپے رستم نکلے، اللہ تعالیٰ ان کے علم وافاضہ میں برکت دے، اس قسم کے علمی

وتحقیقی مضامین کو دیکھ کر گونہ اطمینان ہوتا ہے کہ بزرگوں کے
جانے کے بعد ان کی خصوصیات کے وارث انشاء اللہ رہیں گے،
اس لئے اس قسم کے مضامین سے بڑی خوشی ہوتی ہے۔"

یہ مقالہ مولانا کے برادر عزیز ڈاکٹر عبدالرحمٰن غضنفر صاحب نے المدخل کے عربی متن کے ساتھ کتابی شکل میں افادۂ عام کی غرض سے کراچی سے شائع کردیا ہے۔

مولانا کی سب سے اہم اور مشہور تصنیف "**ماتمسّ إليه الحاجة لمن يطالع سنن ابن ماجة**" ہے، جو مولانا کی دقّتِ نظر اور وسعتِ مطالعہ کی دلیل ہے، اور مولانا کے علمی وتحقیقی کاموں میں ایک امتیاز رکھتی ہے، یہ کتاب بھی مولانا نے اپنے زمانہ شباب ہی میں تصنیف فرمائی ہے، اس کو علمی حلقوں میں بڑی مقبولیت حاصل ہوئی، اور اس وقت کے کبار محدثین وعلماء نے اس سے استفادہ کیا، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ نے بھی اپنی بعض تصانیف میں اس کتاب کے حوالے دیئے ہیں، حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی صاحبؒ نے "**أماني الأحبار في شرح معاني الآثار**" میں اس سے استفادہ کیا ہے، ابھی چند سال قبل محدثِ جلیل علامہ عبدالفتاح ابوغدہؒ نے اپنی تحقیق ومراجعت کے ساتھ بڑے اہتمام سے یہ کتاب شائع کی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ دمشق کے بعض مدارس وکلیات میں یہ کتاب داخل نصاب کی گئی۔

اسی کتاب کے اردو ترجمہ کا جب مولانا مرحوم سے تقاضہ کیا گیا تو مولانا نے اس کتاب کو سامنے رکھ کر بڑے مفید اور قیمتی اضافوں کے ساتھ اس کو مرتب فرمایا جو "ابن ماجہ اور علم حدیث" کے نام سے شائع ہوا، اس کتاب کے بارے میں خود مولانا

کے الفاظ یہ ہیں "کہنے کو یہ ابن ماجہ کی ایک سوانح عمری ہے لیکن درحقیقت یہ تدوین حدیث کی مفصل تاریخ ہے اور مسلمانوں کی ان جانفشانیوں کا مرقع ہے جو انہوں نے خدا کے آخری پیغمبر جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کے ایک ایک حرف کو محفوظ کرنے کے لئے اٹھائی ہیں، تاکہ امانت وحی کی ذمہ داری میں جو اس امت کے سپرد کی گئی تھی کسی قسم کا رخنہ نہ آنے پائے اور اللہ تعالیٰ کی حجت اہل ملل وادیان پر تمام ہو جائے۔"

واقعہ یہ ہے کہ یہ کتاب "دریا بکوزہ" کا مصداق ہے اور علم کا ایک سمندر ہے، اس میں علم حدیث کا تعارف بھی ہے، اس کی تدوین کی تاریخ بھی، صحاح ستہ پر جچا تلا تبصرہ بھی ہے اور طبقات کتب کی تعیین بھی، اور حقیقت یہ ہے کہ کتاب کے نام سے اصل کتاب کے مضامین اور مندرجات پر ایک پردہ سا پڑ گیا ہے۔

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوریؒ صاحب معارف السنن کا معمول تھا کہ ابتدائے سال میں درس شروع کرتے وقت پہلے اس کتاب کا ایک حصہ خود سناتے یا کسی طالب علم سے پڑھواتے اس کے بعد درس کی ابتداء فرماتے، اس کتاب کے متعدد ایڈیشن پاکستان سے شائع ہوئے اور علمی ومدرسی حلقوں میں مقبول ہوئے۔

سندھی ادبی بورڈ کراچی (حال حیدرآباد) نے متعدد سندھی علماء کی تصانیف مولانا کی تصحیح وتحقیق، مبسوط مقدمہ وتعارف اور قیمتی تعلیقات وحواشی کے ساتھ شائع کی ہیں، جو مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) "دراسات اللّبیب فی الأسوة الحسنة بالحبیب" یہ مخدوم مُلّا محمد معین سندھی کی تصنیف ہے، جس میں انہوں نے اہل سنت والجماعت کے عقیدہ ومسلک سے ہٹ کر بعض نظریات پیش کئے ہیں، مولانا نے ان کا تعاقب کیا ہے، اور

مولانا کے ان ہی تعقبات کے ساتھ یہ کتاب شائع ہوئی، مولانا سید احمد رضا بجنوریؒ نے ''انوارالباری'' کے مقدمہ میں ان حواشی وتعلیقات کو ''التعقبات علی الدراسات'' کے نام سے مولانا کی تصنیفات میں شمار کیا ہے۔

(۲)''ذبّ ذباب الدراسات عن المذهب الأربعة المتناسبات'' یہ مخدوم ملا عبداللطیف سندھی کی تصنیف ہے جو دراسات اللبیب کے رد میں لکھی گئی ہے، اور مولانا کے قیمتی حواشی اور مقدمہ کے ساتھ دو جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔

(۳)''مقدمة كتاب التعليم'' یہ علامہ مسعود بن شیبہ سندھی کی تصنیف ہے جس پر مولانا کا مبسوط مقدمہ اور علمی حواشی ہیں، یہ کتاب بھی سندھی بورڈ سے شائع ہوئی ہے۔

مولانا اپنے استاذ وشیخ حضرت مولانا حیدر حسن خاں صاحبؒ کی طرح امام ابوحنیفہؒ کی محبت وعقیدت سے سرشار تھے، کبھی کبھی تذکرہ کرتے ہوئے رقت طاری ہوجاتی، مولانا کی تصانیف میں بھی یہ رنگ نمایاں تھا، مگر یہ حمایت بلکہ حمیت پوری امانت ودیانت کے ساتھ تھی، احناف کی طرف سے مولانا نے بہت کچھ دفاع بھی کیا اور بڑی خدمت کی، مولانا ہی کی فکر ومساعی سے امام صاحب کی بعض مسانید شائع ہوئیں اور ائمہ احناف کی بعض شائع شدہ مشہور کتابیں مولانا کے مبسوط اور محققانہ مقدموں کے ساتھ منظر عام پر آئیں، یہ مقدمات خود اپنی جگہ بلند پایہ علمی وتحقیقی مضامین پر مشتمل ہیں، ان میں مؤطا امام محمد، کتاب الآثار، اور جامع المسانید سرفہرست ہیں، ان کے مقدمات میں مولانا نے ان کتابوں کی اہمیت، احادیث کی صحت اور ان کے مختلف نسخوں کی نشاندہی فرمائی ہے، کتاب الآثار پر مولانا کی بعض تعلیقات بھی ہیں۔

اخیر میں "مكانة أبي حنيفة في علم الحديث" کے نام سے ایک کتاب مرتب فرمائی، جس میں فن حدیث میں امام صاحب کے مرتبہ سے بحث کی گئی ہے اور اس سلسلہ میں ائمہ فن کے اعتراضات کا تذکرہ کیا گیا ہے، اس سے پہلے بھی امام صاحب کے فضائل ومناقب پر ائمہ نے قلم اٹھایا، جن میں امام ابن عبدالبر مالکیؒ، امام ذہبیؒ، امام سیوطیؒ اور امام ابن حجر مکیؒ کے نام خاص طور سے قابل ذکر ہیں، یہ بھی ملحوظ رہے کہ مؤخر الذکر تینوں شافعی عالم ہیں، مولانا کی یہ کتاب اختصاص فی الفن اور جامعیت کے لحاظ سے فائق ہے، علامہ عبدالفتاح ابوغدہؒ نے یہ کتاب بھی اپنی تحقیق ومقدمہ کے ساتھ شائع کی ہے، اور مقدمہ میں مولانا کے فضل وکمال کا اعتراف کیا ہے۔

طبقات کتب اور طبقات رجال پر مولانا کی جو نظر تھی شاید ہی کوئی دوسرا معاصر اس میں ان کا شریک ہو، اس کے ساتھ اصول پر بھی اچھی نگاہ تھی، حافظ ابن حجر کی مشہور ومقبول کتاب شرح نخبہ کا درس بڑا محققانہ ہوتا، کراچی سے مفتی محمد عبداللہ صاحب ٹونکی کے حواشی کے ساتھ جو شرح نخبہ شائع ہوئی اس پر مولانا کی بھی بعض مفید اور اہم تعلیقات ہیں۔

جس طرح ایک طرف عالم اسلام کے مختلف حصوں میں رفض وشیعیت کا زور ہوا اور علماء حق نے اس کی سرکوبی کے لئے کوششیں کیں، اسی طرح بعض علاقوں میں نواصب نے سر اٹھایا، خاص طور پر پاکستان کے بعض علاقے اس کی زد میں آئے، اس لئے ضرورت محسوس ہوئی کہ ردِ ناصبیت پر بھی اہل حق کی طرف سے قلم اٹھایا جائے۔

مولانا اگرچہ خالص حدیث کا ذوق رکھنے والے ایک متبحر عالم تھے مگر اسی

احساس کے پیش نظر مولانا نے اس موضوع پر بھی متعدد رسالے تصنیف کئے جو ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

**(۱) یزید کی شخصیت اہل سنت کی نظر میں (۲) شہداء کربلا پر افتراء (۳) اکابر صحابہ پر بہتان (۴) ناصبیت تحقیق کے بھیس میں۔**

اخیر میں ''حضرت علی رضی اللہ عنہ اور قصاص حضرت عثمان رضی اللہ عنہ'' کے موضوع پر ایک مفصل مضمون سپردِ قلم فرمایا جو کتابی شکل میں شائع کیا گیا۔

یہ جملے کہتے ہوئے بعض مرتبہ مولانا کی آواز بھرّا گئی اور آنکھیں نم ہوگئیں کہ ''میں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور امام ابوحنیفہؒ کی طرف سے بہت کچھ دفاع کیا، ان حضرات سے مجھے امید ہے کہ بروز قیامت یہ میری سفارش کریں گے''

مولانا کے ان فضائل وکمالات اور خاص طور سے فنِ حدیث پر عبور اور اس میں گہرائی کا نتیجہ تھا کہ معاصر علماء نے کھل کر اعتراف کیا اور دادِ تحسین دی، اس کا جا بجا ذکر مضمون میں آچکا ہے، مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی، صاحبِ ''ترجمان السنة'' نے مولانا کے بارے میں لکھا ہے:

> ''مولانا محمد عبدالرشید صاحب تاریخ وحدیث ورجال اور بعض دیگر فنون حدیث میں غیر معمولی قابلیت کے مالک ہیں اور اس موضوع کی کتب مخطوطہ ومطبوعہ پر عالمانہ نگاہ رکھتے ہیں، محنتی سادہ مزاج اور مستعد عالم ہیں۔''

مولانا سید احمد رضا بجنوری (خویش وتلمیذ علامہ انور شاہ کشمیریؒ) مقدمہ

انوارالباری شرح صحیح البخاری میں تذکرہ محدثین کے عنوان سے مولانا کے بارے میں تحریر کرتے ہیں، ''علامہ محدث، ادیب، فاضل، مولانا محمد عبدالرشید نعمانیؒ مشہور مصنف، محقق محدث، جامع معقول منقول ہیں، آپ نے نہایت مفید علمی تصانیف فرمائی ہیں اورآپ کی تمام کتابیں گہری ریسرچ کا نتیجہ اوراعلیٰ تحقیق کی حامل ہیں۔''

محدث کبیر علامہ عبدالفتاح ابوغدہؒ نے مولانا کی کتاب ''مكانة أبي حنيفة في الحديث'' کے مقدمہ میں مولانا کی صفات، علمی ذہن، دقت نظر اور محنت شاقہ کا اعتراف کیا ہے۔

مولانا ان علمی فضائل وکمالات کے ساتھ عملی زندگی میں بھی ایک امتیاز رکھتے تھے، سادگی وتواضع، بلند اخلاقی، صبر ورضا، زہد وقناعت جیسی صفات سے آراستہ اور سلف کا نمونہ تھے، خودنمائی سے بڑی نفرت تھی، مجالس میں صدر نشین ہونا پسند نہ تھا، سنتوں کا خود بھی اہتمام کرتے اور دوسروں کو بھی تاکید فرماتے، رسمیات سے بڑا توحش تھا، یہاں تک کہ اپنی بعض کتابوں کے رسم اجراء کی خبر ملی تو پسند نہ ہوا، مزاج میں علم کی متانت کے ساتھ ظرافت بھی تھی، جس کا بڑا فائدہ یہ ہوتا تھا کہ طلبہ کی جھجک ختم ہوجاتی، حجاب دور ہوجاتا اور استفادہ آسان ہوتا۔

آخری سفرِ ہندوستان میں جب کانپور تشریف لے گئے تو شہر کی ایک چھوٹی سی مسجد کے حجرے میں قیام پسند فرمایا، جو اتنا تنگ تھا کہ پاؤں دراز کرنا بھی دشوار تھا، پھر بعض اہل تعلق کے بہت زیادہ اصرار کرنے پر ان کی قیام گاہ پر تشریف لے گئے، راقم سطور اپنے ایک رفیق درس کے ساتھ جو مولانا کے شاگرد بھی ہیں، کانپور تک مولانا کے ساتھ ہوگیا تھا، اس سفر میں بھی مولانا کی وہی سادگی، بے تکلفی دیکھنے میں آئی، کسی

موقع پر بھی امتیاز و ترفع گوارہ نہ تھا۔

مولانا کی حیات ہی میں چھوٹی صاحبزادی نے جو حافظہ قرآن بھی تھیں اور چند سال قبل مولانا نے ان کی شادی کی تھی، خورد سال بچوں کو چھوڑ کر داغ مفارقت دیا، پھر اہلیہ محترمہ نے بھی ایک طویل علالت کے بعد داعی اجل کو لبیک کہا، لیکن مولانا ہر موقع پر صابر و شاکر رہے اور کبھی لفظ شکایت زبان پر نہیں آیا۔

مولانا کی تصنیفات کا معاملہ بھی عجیب رہا، بغیر ان کی اجازت کے مختلف مکتبوں سے متعدد ایڈیشن شائع ہوئے، خود مولانا کو بھی ضرورت ہوتی تو خریدنے کی نوبت آتی، مولانا کو ان سے کوئی مادی منفعت حاصل نہ ہو سکی، کبھی تذکرہ بھی آیا تو فرمایا کہ اصل مقصد تو اشاعت ہی ہے۔

تربیت اولاد کا بھی پورا خیال رہا، صاحبزادہ گرامی قدر مولانا عبدالشہید نعمانی مولانا کے ذوق تحقیق کے وارث ہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو مولانا کا پورا جانشین بنائے۔

خالص علمی انہماک و مشغولیت کے باوجود عالم اسلام کے حالات سے باخبر رہتے، کہیں بھی اگر مسلمانوں پر کوئی مصیبت آپڑتی تو مولانا اس کی چوٹ اپنے دل پر محسوس کرتے۔

ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ ”آج کل عالم اسلام پر جو بیت رہی ہے اس سے دل داغ داغ ہے“ ایک جگہ مسلمانوں کے زوال و ادبار سے دل برداشتہ ہو کے لکھتے ہیں، ”حالات ناگفتہ بہ ہیں ہر شخص کو دنیا کی پڑی ہے جیسے کل مرنا نہیں، ارباب اقتدار دولت سمیٹنے میں لگے ہیں، رشوت عام، قتل عام ہے، اللہ رحم فرمائے،

**اللّٰھم ارحم أمة محمد صلی اللہ علیه وسلم."**

دہلی میں خانقاہ مظہریہ مجددیہ حاضری کے بعد ایک مکتوب میں اپنے تاثر کا اظہار ان الفاظ میں فرماتے ہیں ''خانقاہ میں بڑا سکون محسوس کیا، لیکن کوئی ذاکر نہ دیکھا، اولاد بھی انگریزی تعلیم میں ہے، اللہ رحم فرمائے''۔ مہندیان میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ اور ان کے صاحبزادوں کے مزارات پر حاضری ہوئی تو ان الفاظ میں تاثر ظاہر ہوا۔

''اب دنیا بدل گئی، سب مزارات پختہ ہوگئے، دیوبندیوں،
بریلویوں کا فرق مٹ گیا۔''

مولانا کے آخری تین چار سال مسلسل ضعف وعلالت میں گذرے، اس کا سلسلہ ۱۴۱۶ھ کے اخیر سے شروع ہوچکا تھا، جامعہ بنوری ٹاون سے کئی سال قبل سبکدوشی اختیار فرمائی تھی، کراچی کے ایک مدرسۃ البنات میں اصرار پر بخاری اور طحاوی زیر درس رہیں، لیکن پھر اس کا سلسلہ بھی منقطع ہوگیا، صاحبزادہ گرامی مولانا عبدالشہید نعمانی صاحب کے مکان پر ہی قیام رہا، ابتداء میں تو کچھ مطالعہ وتحقیق اور افادہ کا سلسلہ جاری رہا، بعد میں ضعف اتنا بڑھ گیا کہ اس سے بھی معذوری ہوگئی، بالآخر ۲۹ ربیع الثانی ۱۴۲۰ھ کی شب کو یہ آفتاب غروب ہوگیا اور مسند علم حدیث سونی ہوگئی۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

(بلال عبدالحی حسنی ندوی)

# حدیث کیا ہے؟

قرآن کریم، دین الٰہی کی آخری اور مکمل کتاب ہے، جو حضرت خاتم النبین ﷺ پر نازل کی گئی اور آپ ﷺ کو اس کا مبلّغ اور معلّم بنا کر دنیا میں مبعوث کیا گیا، چنانچہ آپ ﷺ نے اس کتابِ مقدس کو اوّل سے آخر تک لوگوں کو سنایا، لکھوایا، یاد کرایا اور بخوبی سمجھایا اور خود اس کے جملہ احکام و تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر امت کو دکھایا، آنحضرت ﷺ کی حیاتِ طیّبہ حقیقت میں قرآن مجید کی قولی اور عملی تفسیر ہے اور آپ ﷺ کے ان ہی اقوال، اعمال اور احوال کا نام حدیث ہے۔

لفظ "حدیث" عربی زبان میں وہی مفہوم رکھتا ہے، جو ہم اردو میں گفتگو، کلام یا بات سے مراد لیتے ہیں، چونکہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام گفتگو اور بات کے ذریعہ پیامِ الٰہی کو لوگوں تک پہنچاتے، اپنی تقریر اور بیان سے کتاب اللہ کی شرح کرتے اور خود اس پر عمل کر کے اس کو دکھلاتے تھے، اسی طرح جو چیزیں آپ ﷺ کے سامنے ہوتیں اور آپ ﷺ ان کو دیکھ کر یا سُن کر خاموش رہتے تو اسے بھی جزءِ دین سمجھا جاتا تھا کیونکہ اگر وہ امور منشاءِ دین کے منافی ہوتے تو آپ ﷺ یقیناً ان کی اصلاح کرتے یا منع فرما دیتے، لہذا ان سب کے مجموعہ کا نام "احادیث" قرار پایا۔

نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے اقوال، اعمال اور احوال کو حدیث سے تعبیر کرنا خود ساختہ اصطلاح نہیں، بلکہ خود قرآن کریم ہی سے مستنبط ہے، قرآن کریم

میں دین کو نعمت فرمایا ہے اور اس نعمت کی نشر و اشاعت کو " تحدیث " سے تعبیر کیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

**واذكروا نعمة اللّٰه عليكم وما أنزل عليكم من الكتٰب والحكمة يعظكم به** (البقرة: ۲۳۱)

"اور یاد کرو اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو اور جو تم پر کتاب اور حکمت کو نازل فرمایا کہ تم کو اس کے ذریعہ نصیحت فرمائے۔"

اور تکمیل دین کے سلسلہ میں فرمایا ہے:

**اليوم أكملت لكم دينكم و أتممت عليكم نعمتي.** (المائدة: ۳)

"آج کے دن تمہارے لئے تمہارے دین کو میں نے کامل کر دیا اور میں نے تم پر اپنی نعمت تمام کر دی۔"

دیکھئے ان دونوں آیتوں میں قرآن حکیم نے دین کو "نعمت" کہا ہے اور سورہ "الضحیٰ" میں آنحضرت ﷺ کو اسی نعمت کے بیان کرنے کا ان الفاظ میں حکم دیا ہے:

"**وأما بنعمة ربک فحدث**"(الضحیٰ: ۱۱)

"اور اپنے رب کی نعمت کو بیان کیجئے۔"

پس آنحضرت ﷺ کی اسی تحدیث نعمت کو "حدیث" کہتے ہیں۔

یہی نہیں، انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے اقوال، اعمال اور احوال کے لئے خود قرآن مجید میں بھی متعدد مقامات پر "حدیث" ہی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، چنانچہ سورہ "الذاریات" میں حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کا

تذکرہ اس طرح شروع ہوتا ہے هل أتک حدیث ضیف إبراهیم المکرمین (الذاریات: ۲۴) اور حضرت موسیٰ علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے حالات میں ایک جگہ نہیں دو جگہ فرمایا ہے هل أتک حدیث موسی (طه: ۹، النازعات: ۱۵) خود آنحضرت ﷺ کے قول مبارک کے لئے بھی قرآن مجید میں "حدیث" کا لفظ موجود ہے۔

وإذ أسرّ النبي إلى بعض أزواجه حدیثاً (التحریم: ۳)

''اور جب چھپا کر کہی نبی نے اپنی کسی بی بی سے ایک بات۔''

**حدیث کی دینی حیثیت:** حدیث شریف کا دین میں کیا درجہ ہے اس کو ذہن نشین کرنے کے لئے آنحضرت ﷺ کی حسب ذیل حیثیات کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے، جن کو قرآن پاک نے نہایت صراحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے.

## آپ ﷺ مبلغ تھے

یاأیها الرسول بلّغ ما أنزل إلیک من ربک (المائدة: ٦٧)

''اے رسول! پہنچا دیجئے جو کچھ اتارا گیا ہے آپ کی طرف آپ کے پروردگار کی جانب سے۔''

## آپ ﷺ مراد الٰہی کے مبیّن یعنی بیان کرنے والے ہیں

وأنزلنا إلیک الذکر لتبیّن للناس ما نزّل إلیهم (النحل: ۴۴)

''اور آپ پر بھی ہم نے یہ یادداشت نازل کی تاکہ جو کچھ ان کی

طرف اتارا گیا ہے آپ اس کو کھول کر لوگوں سے بیان کر دیں۔"

## آپ ﷺ معلّم کتاب وحکمت ہیں

**لقد منّ اللّٰہ علی المؤمنین إذ بعث فیھم رسولاً من أنفسھم یتلوا علیھم اٰیتہ و یزکّیھم ویعلّمھم الکتٰب والحکمۃ.**

(آل عمران: ۱۶۴)

"بے شک اللہ نے احسان کیا ایمان والوں پر کہ بھیجا ان میں
رسول انہیں میں سے جو پڑھتا ہے ان پر اس کی آیتیں اور ان کو
سنوارتا ہے اور ان کو کتاب اللہ اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔"

## تحلیل وتحریم یعنی اشیاء کو حلال وحرام کرنا آپ ﷺ کے منصب میں داخل تھا

**ویحلّ لھم الطیبٰت ویحرّم علیھم الخبائث** (الاعراف: ۱۵۷)

"اور وہ ان کے لئے پاک چیزوں کو حلال کرتے ہیں اور گندی
چیزوں کو ان پر حرام فرماتے ہیں۔"

**قاتلوا الذین لا یؤمنون باللّٰہ ولا بالیوم الاٰخر ولا یحرّمون ما حرّم اللّٰہ ورسولہ** (التوبۃ: ۲۹)

"لڑو! ان لوگوں سے جو یقین نہیں رکھتے اللہ پر، پچھلے دن
پر، اور نہیں حرام سمجھتے ان چیزوں کو جن کو حرام کیا اللہ اور اس

کے رسول نے۔"

## آپ ﷺ امت کے تمام معاملات اور فیصلوں میں قاضی ہیں

**وما كان لمؤمن ولا مؤمنة إذا قضى الله ورسوله أمراً أن يكون لهم الخِيرة من أمرهم، ومن يعص الله ورسوله فقد ضلّ ضلالاً مبيناً.** (الاحزاب: ۳۶)

"اور گنجائش نہیں کسی ایماندار مرد کے لئے اور نہ کسی ایماندار عورت کے لئے جبکہ فیصلہ کردے اللہ اور اس کا رسول کسی معاملہ کا کہ ان کو اپنے اس معاملہ میں کوئی اختیار رہے اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو بیشک وہ صریح طور پر گمراہ ہوگیا۔"

## آپ ﷺ امت کے تمام جھگڑوں اور قضیوں میں حَکَم ہیں

**فلا وربک لا یؤمنون حتیٰ یحکّموک فیما شجر بینهم، ثم لا یجدوا في أنفسهم حرجاً ممّاقضیت، ویسلموا تسلیماً.**

(النساء: ۶۵)

"سو قسم ہے تیرے رب کی یہ مومن نہیں ہوں گے جب تک کہ تمہیں ہی حکم نہ بنائیں اس جھگڑے میں کہ جو ان کے باہم ہو پھر جو تم فیصلہ کرو اس سے یہ اپنے جی میں خفگی بھی نہ محسوس کریں اور تسلیم کر کے مان لیں۔"

**إنا أنزلنا إلیک الکتٰب بالحق لتحکم بین الناس بما أرٰک**

اللّٰهَ (النساء: ١٠٥)

''بیشک ہم نے یہ کتاب تمہاری طرف حق کے ساتھ نازل کی ہے تاکہ تم لوگوں کے باہم جو کچھ اللہ تمہیں سجھائے اس سے فیصلہ کیا کرو۔''

## آپ ﷺ کی ذات قدسی صفات میں ہر مومن کے لئے اسوۂ حسنہ ہے

لقد كان لكم في رسول اللّٰه أسوة حسنة لمن كان يرجوا اللّٰه واليوم الأخر وذكر اللّٰه كثيراً (الاحزاب: ٢١)

''بیشک تمہارے لئے رسول اللہ کی ذات میں عمدہ نمونۂ عمل ہے، اس شخص کے لئے کہ جو اللہ اور روز آخرت سے آس لگائے ہوئے ہو اور اللہ کو بہت یاد کرتا ہو۔''

## آپ ﷺ کی اتباع سب پر فرض ہے

فاٰمنوا باللّٰه ورسوله النبي الأمي الذى يؤمن باللّٰه وكلمته واتبعوه (الاعراف: ١٥٨)

''سو ایمان لے آؤ اللہ پر اور اس کے نبی امی پر کہ جو اللہ اور اس کی باتوں پر ایمان رکھتا ہے اور اس کے تابع ہو۔''

قل إن كنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم الله ويغفرلكم ذنوبكم (آل عمران: ٣١)

''آپ کہہ دیجئے اگر تم محبت رکھتے ہو اللہ کی تو میری اتباع کرو کہ

اللہ تم سے محبت رکھے اور تمہارے گناہ بخش دے۔"

## جو کچھ آپ ﷺ دیں اس کو لینا اور جس چیز سے منع فرمائیں اس سے باز رہنا ضروری ہے

**وما اٰتکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنه فانتھوا** (حشر: ۷)

"اور جو دے تم کو رسول سو لے لو اور جس سے منع کرے سو چھوڑ دو۔"

## آپ ﷺ کی اطاعت تمام مسلمانوں پر فرض ہے

**یأیھا الذین اٰمنوا أطیعوا اللّٰہ وأطیعوا الرسول** (النساء: ۵۹)

"اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی"

## ہدایت آپ ﷺ کی اطاعت سے وابستہ ہے

**وإن تطیعوہ تھتدوا** (النور: ۵۴)

"اور اگر تم نے ان کی اطاعت کی تو ہدایت پر آجاؤ گے"

ان آیات سے معلوم ہوا کہ آنحضرت ﷺ نے جس قدر امت کو ہدایتیں دیں، جو جو چیزیں ان سے بیان فرمائیں اور کتاب وحکمت کی تعلیم کے ذیل میں جو کچھ ارشاد فرمایا، جن چیزوں کو حلال اور جن کو حرام ٹھرایا، باہمی معاملات وقضایا میں جو کچھ فیصلہ فرمایا، منازعات وخصومات کو جس طرح چکایا، ان سب کی حیثیت دینی اور تشریعی ہے، یہی نہیں بلکہ آپ ﷺ کی پوری زندگی امت کے لئے بہترین نمونۂ عمل ہے جس کی اتباع اور پیروی کا ہم کو حکم دیا گیا ہے، آپ

ﷺ کی اطاعت ہر امتی پر فرض ہے جو آپ ﷺ حکم دیں، اس کو بجالانا اور جس سے منع کریں اس سے رک جانا ہر مومن کے لئے لازم اور ضروری ہے، مختصر یہ کہ آپ ﷺ کی اطاعت ہی حقیقت میں حق تعالی کی اطاعت ہے، چنانچہ قرآن کریم میں صاف تصریح ہے۔

**ومن يطع الرسول فقد أطاع الله**(النساء: ۸۰)

''جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے بلاشبہ اللہ ہی کی اطاعت کی''

ظاہر ہے کہ وضو، غسل، نماز، روزہ، زکوۃ، حج، درود، دعا، جہاد، ذکر الٰہی، اسی طرح نکاح، طلاق، بیع وشرا، فصل قضایا وخصومات، اخلاق ومعاشرت، سیاسیات ملت، غرض جملہ احکام دین کے متعلق کلی احکام قرآن مجید میں موجود ہیں لیکن ان احکام کی تشریح، ان کے جزئیات کی تفصیل اور ان کی عملی تشکیل آنحضرت ﷺ کے اقوال واعمال اور آپ ﷺ کے احوال کے جانے بغیر بالکل نہیں ہوسکتی، اس لئے اللہ کی اطاعت بغیر رسول اللہ ﷺ کی اتباع اور اطاعت کے ناممکن اور محال ہے۔

## کتابتِ حدیث

عرب کی قوم عام طور پر امی یعنی بے پڑھی لکھی تھی اور ان میں کسی قسم کی مکتوبی یا زبانی تعلیم کا رواج نہ تھا، چنانچہ قرآن کریم نے ان کو امیین ہی فرمایا ہے، خود آنحضرت ﷺ کے متعلق بھی قرآن پاک میں ''النبي الأمي'' وارد ہے، ساتھ ہی یہ بھی تاریخ شہادت دیتی ہے کہ اہل عرب کا حافظہ نہایت ہی قوی تھا، وہ اپنے تمام شجرہائے نسب، اہم تاریخی واقعات، جنگی کارنامے، بڑے بڑے خطبے، لمبے لمبے

قصیدے اور نظمیں سب زبانی یاد رکھتے تھے، قرآن پاک نازل ہوا تو عرب کی عام عادت کے مطابق خود آنحضرت ﷺ اور صحابہ نے اس کو برزبان یاد رکھا اور اس سلسلہ کو ہمیشہ کے لئے جاری فرمادیا، اسی لئے ارشاد ہے:

**بل هو اٰيٰت بيّنٰت فى صدور الذين أوتوا العلم** (العنکبوت: ۱۰)

"بلکہ یہ قرآن کھلی کھلی آیتیں ہیں، ان لوگوں کے سینے میں جن کو علم دیا گیا ہے"

تاہم چونکہ قرآن مجید تمامتر معجزہ ہے اور اس کا لفظ لفظ وحی الٰہی ہے، جس میں کسی ایک لفظ کی بجائے دوسرے اس کے ہم معنی اور مترادف لفظ کے لانے کی بھی گنجائش نہیں ہے، اس بنا پر آنحضرت ﷺ نے شروع ہی سے اس کی کتابت کا بھی اہتمام فرمایا، چنانچہ معمول مبارک تھا کہ جس وقت کوئی آیت اترتی آپ ﷺ اسی وقت لوگوں کو یاد کرادیتے اور کسی کاتب کو بلا کر اس کو لکھوادیتے، مگر اصل توجہ اس کے حفظ و تلاوت پر مرکوز تھی اور کتابت مزید برآں تھی۔

برخلاف اس کے حدیث معجزہ نہ تھی، اس کے الفاظ نہیں بلکہ معانی و مطالب آپ ﷺ کے قلب مبارک پر وارد ہوتے تھے اور آپ ﷺ اس کو اپنے لفظوں میں ادا فرماتے تھے اور یہ الفاظ بھی حسب ضرورت مختلف ہوتے تھے، کیونکہ آپ ﷺ کو مختلف طبائع اور مختلف مذاق کے لوگوں کو سمجھانا پڑتا تھا، اسی بنا پر اس کے لفظوں کی بعینہ تلاوت کا حکم نہ تھا۔(۱)

---

(۱) خوب سمجھ لیجئے یہی فرق ہے حدیث قولی اور قرآن میں، کہ قرآن اپنے الفاظ و معنی دونوں کے اعتبار سے معجزہ ہے، حدیث معجزہ نہیں، قرآن میں ایک لفظ بلکہ ایک حرف بلکہ ایک نقطہ کا بھی تغیر و تبدل جائز نہیں، لیکن حدیث میں روایت بالمعنی یعنی اصل مقصود کو جداگانہ الفاظ میں بیان کرنے کی گنجائش ہے، (بقیہ اگلے صفحہ پر)

علاوہ ازیں آپ ﷺ کو اپنی قوم کی قوت حافظہ اور یادداشت پر پورا پورا اعتماد اور وثوق تھا، کیونکہ وہ جو کچھ سنتے تھے ان کے صفحۂ حافظہ پر ثبت ہو جاتا تھا، اس لئے ابتداء اسلام میں کتابت حدیث کی ضرورت نہیں سمجھی گئی، بلکہ صرف زبانی روایت کا حکم دیا گیا اور ساتھ ہی یہ وعید بھی سنا دی گئی کہ آپ ﷺ کے بارے میں عمداً کسی قسم کی غلط بیانی یا دروغ زنی کا مطلب دوزخ میں اپنا ٹھکانا بنانا ہے، اتنا ہی نہیں بلکہ صحیح مسلم میں حضرت ابوسعید خدریؓ کی زبانی آنحضرت ﷺ کی یہ ہدایت بھی منقول ہے کہ

﴿لا تكتبوا عني، ومن كتب عني غير القرآن فليمحه، وحدثوا عني ولا حرج، ومن كذب عليّ متعمدا فليتبوأ مقعده من النار﴾ (باب التثبت في الحديث وحكم كتابة العلم)

''مجھ سے کچھ نہ لکھو اور جس نے مجھ سے قرآن کے علاوہ کچھ لکھ لیا ہے تو اسے مٹا دے، اور مجھ سے حدیثیں بیان کرو اس میں کچھ

(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحہ کا) بالفاظ دیگر قرآن وحدیث میں وہی فرق ہے جو نامہ و پیام میں ہوتا ہے، پیام میں اگر آپ کا پیامی آپ کا منشا اور مافی الضمیر صحیح طور سے مرسل الیہ تک پہنچا دیتا ہے، تو پیام رسانی کا مقصد حاصل ہو گیا خواہ پیام رساں اسے آپ کے الفاظ میں نہ پہنچائے، بلکہ اکثر اوقات اس کے لئے الفاظ میں تبدیلی کرنا ضروری ہو جاتا ہے خصوصاً جبکہ آپ کی اور آپ کے مخاطب کی زبان مختلف ہو اور آپ کا پیغام رساں دونوں زبانوں سے واقفیت رکھتا ہو، اس صورت میں آپ اپنا مقصد اس سے اپنی زبان میں کہیں گے اور وہ اسے مرسل الیہ کی زبان میں ادا کرے گا، اگر اس موقعہ پر وہ آپ ہی کے الفاظ نقل کر دے تو پیغام کا مقصد فوت ہو کر رہ جائے گا، اسی طرح اگر آپ کا پیغام رساں ذہین ہے اور مختصر الفاظ میں مطلب سمجھ جاتا ہے لیکن جسے پیام دیا جا رہا ہے وہ نہایت ہی غبی اور کم فہم ہے تو اس صورت میں آپ کے لئے اپنے پیغام رساں سے مختصر لفظوں میں اپنا مطلب کہہ دینا کافی ہے، لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ مرسل الیہ کو اس قدر واضح الفاظ میں اپنا مطلب سمجھائے کہ وہ اس کے لئے اچھی طرح میں سمجھ میں آ جائے۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

حرج نہیں اور جس شخص نے میرے متعلق قصداً جھوٹ بولا،
اسے چاہئے کہ وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنالے۔''

اگرچہ امام بخاری (۱) اور دیگر محدثین کے نزدیک یہ روایت صحیح نہیں بلکہ معلول ہے اور ان کی تحقیق میں یہ الفاظ آنحضرت ﷺ کے نہیں بلکہ خود ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے ہیں، جن کو غلطی سے راوی نے مرفوعاً نقل کردیا ہے، لیکن بالفرض اگر اس روایت کو موقوف نہیں بلکہ مرفوع ہی صحیح تسلیم کرلیا جائے، تب بھی یہ ممانعت وقتی اور عارضی تھی، جو اس زمانے میں کچھ عرصہ کے لئے خاص طور پر حفاظت قرآن کے سلسلہ میں کردی گئی تھی، جس کی وجہ بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ

---

(بقیہ حاشیہ پچھلے صفحہ کا) لیکن ''نامہ'' کی صورت اس سے بالکل مختلف ہے، یہاں ان ہی الفاظ کو مکتوب الیہ تک پہنچانا ضروری ہے، اگر قاصد نے بیچ میں خط کو چاک کرڈالا اور اسی مضمون کا دوسرا خط تحریر کردیا، یا اس کا مطلب ہی بلاکم وکاست زبانی جاکر بیان کردیا تو وہ کسی طرح اپنے فرض سے سبکدوش نہیں ہوا، بلکہ الٹا خیانت مجرمانہ کا مرتکب اور بددیانتی کا ملزم ٹھیرا۔

''حدیث قولی'' بھی حق تعالیٰ کی وحی یا الہام یا ارائت ہے، مگر اس کی نوعیت پہلی قسم کی ہے جس میں الفاظ کی بعینہ ادائیگی ضروری نہیں، اور قرآن پاک کی نوعیت دوسری قسم کی ہے، یہاں اصل الفاظ ہیں جو روح القدس کے ذریعہ حق تعالیٰ کی طرف سے آنحضرت ﷺ کے قلب اقدس پر نازل ہوئے اور آپ ﷺ کے ذریعے امت تک پہنچے، ان میں نہ روایت بالمعنیٰ کی اجازت ہے نہ کسی قسم کے تغیر وتبدل کا اختیار، ہاں ترجمہ اور تفسیر کی اجازت ہے لیکن اس کو کلامِ الٰہی نہیں کہا جائے گا۔

(۱) چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی فتح الباری بشرح صحیح البخاری میں لکھتے ہیں:

ومنهم من أعل حديث أبي سعيد، و قال الصواب وقفه على أبي سعيد، قاله البخاري وغيره.
(باب کتابۃ العلم)

''اور بعض محدثین نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت کو معلول بتایا ہے اور کہا کہ صحیح یہ ہے کہ یہ روایت حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے، چنانچہ امام بخاری وغیرہ نے یہی بیان کیا ہے۔

چونکہ حق تعالیٰ نے آپ ﷺ کو قرآن کریم کے علاوہ ''جوامع الکلم'' بھی عطا فرمائے تھے جو اپنے ایجاز لفظی و معنوی کے اعتبار سے اپنی نظیر آپ تھے، اس لئے اندیشہ تھا کہ یہ امی لوگ جو نئے نئے قرآن سے آشنا ہوئے ہیں، کہیں دونوں کو خلط ملط نہ کر دیں، اس بنا پر غایت احتیاط کے مدنظر آپ ﷺ نے قرآن مجید کے سوا ہر چیز کے لکھنے کی ممانعت کر دی اور عام حکم دیدیا کہ اگر آپ ﷺ سے قرآن مجید کے علاوہ اور کچھ لکھ لیا گیا ہے، تو اس کو مٹادیا جائے۔

## احادیثِ فعلیہ

احادیث فعلیہ میں تمام احکام وعبادات کا عملی نقشہ اور ان کی تشکیل تھی، عملی چیزیں لکھوانے کی بہ نسبت عملی طور پر کر کے دکھلانے اور پھر لوگوں سے اس کے مطابق عمل کروانے سے زیادہ ذہن نشین ہوتی ہیں، اس لئے آپ ﷺ نے ان کے بارے میں یہی طریقہ اختیار فرمایا اور ہدایت کردی کہ صلوا کما رأیتمونِي أصلي. (صحيحين)

''جس طرح تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا اسی طرح تم بھی نماز پڑھا کرو۔''

اور حجۃ الوداع میں رمی جمار کرتے ہوئے فرمایا:

خذوا عني مناسككم فإني لا أدري لعلي لا أحج بعد حجتي هذه (صحيح مسلم)

''مجھ سے تم اپنے حج کے طریقے سیکھ لو کیونکہ پتا نہیں شاید میں اس حج کے بعد دوسرا حج نہ کرسکوں۔''

بہت سی چیزیں جن میں آپ ﷺ نے کسی قسم کی اصلاح وترمیم کی ضرورت نہ سمجھی اوران کو ہوتے دیکھ کر آپ ﷺ نے خاموشی اختیار فرمائی اوراس طرح اپنے اس طرز عمل سے آپ ﷺ نے ان کی تقریر یعنی اثبات فرمایا کہ باوجود ان چیزوں کے آپ ﷺ کے علم میں آجانے کے آپ ﷺ نے ان پر کسی قسم کا انکارنہیں کیا، ایسی حدیثیں تقریری کہلاتی ہیں، اب ظاہر ہے کہ اس قسم کی روزمرہ کی باتیں اگر آپ ﷺ قلمبند کرنے کا حکم دیتے، تو ایک طول طویل اور اونٹوں پر لادنے والی ضخیم کتاب بنتی، جس کی تکلیف اس وقت کے امیوں کے لئے تکلیف مالایطاق سے کم نہ تھی، خصوصاً جبکہ اس وقت پوری قوم میں لکھنا جاننے والوں کی تعداد اتنی تھوڑی تھی کہ انگلیوں پر گنے جاسکتے تھے اور کاغذ کی قلت کا یہ عالم تھا کہ لوگ قرآن پاک کو بھی کھجور کی شاخوں، درختوں کے پتوں، اونٹ اور بکری کے شانوں کی ہڈیوں، جانوروں کے چمڑوں اور کھالوں، پالان کی لکڑیوں اور چوڑے چکلے اور پتلے پتلے پتھروں پر لکھا کرتے تھے۔

غرض اس وقت حفاظتِ دین کے سلسلہ میں وہی آسان اور سادہ طریقہ اختیار کیا گیا، جو اس عہد میں اہل عرب کا فطری اور مروّج طریقہ تھا، قرآن مجید جو دین کی تمام بنیادی اور اساسی تعلیمات پر مشتمل اور جملہ عقائد واحکام کے متعلق کلی ہدایات کا حامل ہے، اس کا لفظ لفظ لوگوں نے زبانی یاد کیا، مزید احتیاط کے لئے معتبر کاتبوں سے خود آنحضرت ﷺ نے اس کو لکھوالیا، ''حدیث شریف'' جو شرع اسلامی کی تمام اعتقادی اور عملی تفصیلات پر حاوی ہے، اس کا قولی حصہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اپنی قومی عادت اور رواج کے مطابق اس سے

بھی زیادہ اہتمام کے ساتھ اپنے حافظہ میں محفوظ رکھا کہ جس اہتمام کے ساتھ وہ اس سے پہلے اپنے خطیبوں کے خطبے، شاعروں کے قصیدے اور حکماء کے مقولے یاد رکھا کرتے تھے اور اس کے عملی حصے پر فوراً تعامل اور عملدرآمد شروع کر دیا گیا، ظاہر ہے اس وقت میں اس سے زیادہ اور کیا کیا جا سکتا تھا۔

لیکن بعد کو جبکہ قرآن مجید کا کافی حصہ نازل ہو چکا اور عام طور پر لوگ قرآن کے ذوق آشنا ہو گئے اور اس بات کا اندیشہ بالکل جاتا رہا کہ "کلام الٰہی" کے ساتھ حدیث کے الفاظ مل جائیں گے، ادھر غزوۂ بدر کے بعد مدینہ میں بہت سے لوگوں نے لکھنا بھی سیکھ لیا، تو پھر کتابتِ حدیث کی اجازت دیدی گئی۔ چنانچہ جامع ترمذی میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ

**كان رجل من الأنصار يجلس إلى رسول الله ﷺ فيسمع من النبي ﷺ الحديث فيعجبه ولا يحفظه، فشكا ذلك إلى رسول الله ﷺ فقال: يا رسول الله إني لأسمع منك الحديث فيعجبني ولا أحفظه، فقال رسول الله ﷺ استعن بيمينك وأومأ بيده للخط. (۱)**

"ایک انصاری صحابی آنحضرت ﷺ کی خدمت مبارک میں بیٹھتے، آپ ﷺ کی باتیں سنتے اور بہت پسند کرتے، مگر یاد نہ رکھ پاتے، آخر انہوں نے اپنی یادداشت کی خرابی کی شکایت آنحضرت ﷺ سے کی کہ یا رسول اللہ ﷺ میں آپ

(۱) جامع ترمذی، باب ماجاء فی الرخصۃ فی کتابۃ العلم۔

ﷺ سے حدیث سنتا ہوں وہ مجھے اچھی لگتی ہے مگر میں اسے یاد نہیں رکھ سکتا، اس پر آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرماتے ہوئے کہ ''اپنے داہنے ہاتھ سے مدد لو'' اپنے دست مبارک سے ان کو لکھنے کی طرف اشارہ کیا۔

اور حضرت رافع بن خدیج ؓ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے خدمت نبوی میں گذارش کی کہ یا رسول اللہ إنا نسمع منک أشياء فنكتبها

''یارسول اللہ ﷺ ہم آپ ﷺ کی فرمودہ باتیں سن کر لکھ لیتے ہیں''

تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اكتبوا ولا حرج.(۱)

''لکھ لیا کرو کچھ حرج نہیں''

اور سنن ابی داؤد اور مسند دارمی میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ سے روایت ہے۔

كنت أكتب كل شيء أسمعه من رسول الله ﷺ أريد حفظه، فنهتني قريش، وقالوا: تكتب كل شيء تسمعه ورسول الله ﷺ بشر يتكلم في الغضب والرضا، فأمسكت عن الكتابة فذكرت ذلک إلى رسول الله ﷺ فأومأ باصبعه إلى فيه، فقال اكتب فوالذي نفسي بيده ما

---

(۱) منتخب کنز العمال ج ۴ ص ۵۸ بحوالہ حکیم ترمذی، طبرانی، سمویہ، تقیید العلم للخطیب، یہ کتاب مصر میں امام احمد بن حنبل کی مسند کے حاشیہ پر طبع ہوئی ہے۔

یخرج منه الا حق. (۱)

''میں رسول اللہ ﷺ سے جو کچھ سنتا تھا حفظ کرنے لئے اس کو لکھ لیتا تھا، پھر قریش نے مجھ کو منع کیا اور کہنے لگے کہ تم جو بات سنتے ہو لکھ لیتے ہو حالانکہ رسول اللہ ﷺ بشر ہیں، غصہ میں بھی کلام فرماتے ہیں اور خوشی میں بھی، یہ سن کر میں نے لکھنا چھوڑ دیا اور آنحضرت ﷺ سے اس کا ذکر کیا، تو آپ ﷺ نے اپنی انگشت سے اپنے دہن مبارک کی طرف اشارہ کیا اور فرمانے لگے کہ تم لکھو، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، اس سے بجز حق کے کچھ نہیں نکلتا۔''

بلکہ حکیم ترمذی اور سمویہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اور طبرانی نے معجم کبیر میں اور حاکم نے مستدرک میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد بھی نقل کیا ہے کہ

قیّدوا العلم بالکتاب. (۲)

''علم کو قید کتابت میں لے آو۔''

## آنحضرت ﷺ کی طرف سے املا

خود آنحضرت ﷺ نے بھی متعدد مواقع پر ضروری احکام وہدایات کو قلمبند کروایا ہے۔

---

(۱) سنن ابی داؤد، باب کتابۃ العلم، مسند دارمی، باب من رخص فی کتابۃ العلم۔

(۲) منتخب کنز العمال ج۴ص ۶۹۔

(۱) چنانچہ صحیح بخاری اور سنن ترمذی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ فتح مکہ کے سال قبیلہ خزاعہ کے لوگوں نے بنی لیث کے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا، جب اس واقعہ کی اطلاع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سوری پر سوار ہو کر خطبہ دیا، جس میں حرم محترم کی عظمت وحرمت اور اس کے آداب کی تفصیل اور قتل کے سلسلہ میں دیت وقصاص کا بیان تھا، خطبہ سے فراغت ہوئی تو یمن کے ایک صحابی حضرت ابوشاہ رضی اللہ عنہ نے اٹھ کر درخواست کی کہ اکتبوا لی یا رسول اللہ ''یارسول اللہ یہ خطبہ میرے لئے لکھوا دیجئے'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست منظور فرما کر حکم دیا أکتبوا الأبي شاہ ''ابوشاہ کے لئے خطبہ لکھدیا جائے'' (۱)

(۲) اور حافظ ابن عبدالبر ''جامع بیان العلم وفضلہ'' میں لکھتے ہیں کہ

وکتب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتاب الصدقات والدیات والفرائض والسنن لعمرو بن حزم وغیرہ (۲)

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو بن حزم وغیرہ کے لئے صدقات، دیات، فرائض اور سنن کے متعلق ایک کتاب تحریر کروائی تھی۔''

حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنہ ۱۰ ہجری میں اہل نجران پر عامل بنا کر بھیجا تھا، اس وقت ان کی عمر سترہ سال کی تھی، (۳) یہ نوشتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم

---

(۱) صحیح بخاری، باب کتابۃ العلم، اور باب کیف تعرف لقطۃ اہل مکہ، جامع ترمذی، باب ماجاء فی الرخصۃ فی کتابۃ العلم۔

(۲) جامع بیان العلم، باب ذکر الرخصۃ فی کتاب العلم۔

(۳) الاستیعاب اور تہذیب التہذیب میں ان کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔

نے ان کو جب یہ یمن جانے لگے تو حوالہ کیا تھا، سنن نسائی میں ہے:

**إن رسول الله ﷺ كتب إلى أهل اليمن كتاباً فيه الفرائض والسنن والديات وبعث به مع عمرو بن حزم فقرأ على أهل اليمن** (ذكر حديث عمرو بن حزم في العقول)

''رسول اللہ ﷺ نے اہل یمن کی طرف ایک نوشتہ تحریر کیا تھا جس میں فرائض، سنن، اور خونبہا کے احکام تھے اور آپ ﷺ نے یہ نوشتہ حضرت عمرو بن حزم ؓ کے ساتھ روانہ کیا تھا، چنانچہ وہ اہل یمن کے سامنے پڑھا گیا''

اس کتاب کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

**﴿من محمد النبي(ﷺ) إلى شُرحبيل بن عبد كُلال و نعيم بن عبد كلال والحارث بن عبد كلال، قيل ذي رُعَين ومعافر وهمدان، أما بعد﴾** (سنن نسائي)

اور ''**كتاب الجراح**'' کی ابتداء میں یہ تحریر تھا:

**هذا بيان من الله ورسوله "يأيها الذين امنوا أوفوا بالعقود"** (المائدة: ۱) پھر یہاں سے لیکر إن الله سريع الحساب (المائدة: ۴) تک مسلسل آیات درج تھیں، اس کے بعد لکھا تھا **هذا كتاب الجراح، في النفس مائة من الإبل الخ** (سنن نسائي)

امام ابن شہاب زہری کا بیان ہے کہ یہ کتاب چمڑے پر تحریر تھی اور عمرو بن حزم ؓ کے پوتے ابوبکر بن حزم کے پاس موجود تھی وہ یہ کتاب میرے پاس بھی

لے کر آئے تھے اور میں نے اس کو پڑھا تھا۔ (سنن نسائي)

حافظ ابن کثیرؒ اس کتاب کے بارے میں ارقام فرماتے ہیں:

**فهذا الكتاب متداول بين أئمة الإسلام قديماً و حديثاً، يعتمدون عليه، ويفزعون في مهمات هذا الباب إليه، كما قال يعقوب بن سفيان لا أعلم في جميع الكتب كتاباً أصح من كتاب عمرو بن حزم، كان أصحاب رسول الله ﷺ يرجعون إليه ويدعون آرائهم.**

"یہ کتاب عہد قدیم و عہد جدید دونوں میں ائمہ اسلام کے مابین متداول رہی ہے جس پر وہ اعتماد کرتے اور اس باب کے مہم مسائل میں رجوع کرتے رہے ہیں، چنانچہ یعقوب بن سفیانؒ کا بیان ہے کہ میرے علم میں تمام کتابوں میں کوئی کتاب عمرو بن حزمؓ کی کتاب سے زیادہ صحیح نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحاب اس کی طرف رجوع کرتے اور اپنی رایوں کو چھوڑ دیتے تھے۔"

چنانچہ حسب تصریح حافظ ابن کثیرؒ، سعید بن مسیّبؒ سے بہ صحت منقول ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انگلیوں کی دِیَت کے بارے میں اسی کتاب کی طرف رجوع کیا تھا۔(۱) اور دار قطنیؒ نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ جب خلیفہ ہوئے تو انھوں نے زکوۃ کے متعلق آنحضرت ﷺ کی تحریر کو معلوم کرنے کی

(۱) تنقیح الانظار فی علوم الآثار، از محمد بن ابراہیم المعروف بابن الوزیر الیمانی، ج ۲ ص ۳۵۱، طبع السعادہ مصر ۱۳۶۶ھ، یہ کتاب توضیح الافکار کے ساتھ طبع ہوئی ہے جو اس کی حامل المتن شرح ہے۔

غرض سے مدینہ منورہ میں اپنا آدمی روانہ کیا تھا، جس کو ایک تحریر تو آل عمرو بن حزمؓ کے پاس ملی جو رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرو بن حزمؓ کو صدقات کے بارے میں لکھوائی تھی اور دوسری آل عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس دستیاب ہوئی، جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سلسلہ میں اپنے تمام عمال کے نام لکھی تھی، ان دونوں نوشتوں کا مضمون واحد تھا، پھر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے تمام عمال اور ولاۃ کے نام فرمان جاری کر دیا کہ جو کچھ ان دونوں کتابوں میں تحریر ہے، اسی کے مطابق عملدرآمد کیا جائے۔(۱)

اور حافظ جمال الدینؒ زیلعی "نصب الرایہؒ" میں بعض حفاظ حدیث سے ناقل ہیں کہ

نسخة كتاب عمرو بن حزم تلقاها الأئمة الأربعة بالقبول وهي متوارثة كنسخة عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده.(۲)

"عمرو بن حزم (رضی اللہ عنہ) کی کتاب کے نسخہ کو چاروں ائمہ نے قبول کیا ہے اور یہ نسخہ بھی "نسخہ عمرو بن شعیب عن أبیه عن جده" کی طرح سے متوارث ہے۔"

حدیث کی بیشتر کتابوں میں اس نسخہ کی جستہ جستہ حدیثیں منقول ہیں، حافظ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ

"اس کو مسنداً بھی روایت کیا گیا ہے اور مرسلاً بھی، چنانچہ جن حفاظ و ائمہ حدیث نے اس کو مسنداً روایت کیا ہے وہ حسب

(۱) سنن دارقطنی، باب زکوۃ الابل والغنم۔

(۲) نصب الرایہ لتخریج احادیث الہدایہ ج ۳ ص ۳۴۲ طبع مصر ۱۳۵۷ھ۔

ذیل ہیں، امام نسائی نے اپنی سنن میں، امام احمد نے اپنی مسند
میں، امام ابوداؤد نے کتاب المراسیل میں، ابومحمد عبداللہ
ابن عبدالرحمٰن دارمی، ابویعلی موصلی، اور یعقوب بن سفیان
نے اپنی اپنی مسندوں میں، نیز حسن بن سفیان فسوی، عثمان بن
سعید دارمی، عبداللہ بن عبدالعزیز بغوی، ابوزرعہ دمشقی، احمد
بن الحسن بن عبدالجبار الصوفی الکبیر، حامد بن محمد بن شعیب بلخی
اور حافظ طبرانی نے اور ابوحاتم بن حبان بستی نے اپنی صحیح میں
روایت کیا ہے اور بیہقی لکھتے ہیں کہ "ھو حدیث موصول
الإسناد حسن."

رہی مرسلاً روایت سووہ تو بہت سے طریقوں سے منقول ہے۔(۱)

موطا امام مالک میں بھی اس نسخہ سے حدیثیں مروی ہیں اور حاکم نے "المستدرک علی الصحیحین" کی صرف "کتاب الزکوٰۃ" میں اس نسخہ سے تربسٹھ حدیثیں نقل کی ہیں، اسی طرح سنن دارقطنی اور سنن بیہقی وغیرہ میں بھی مختلف ابواب میں اس کی حدیثیں منقول ہیں۔

(۳) سنن دارقطنی میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل یمن کی طرف حارث بن عبد کلال اور ان کے ساتھ معافر و ہمدان کے دیگر یمنیوں کے نام ایک تحریر لکھی تھی جس میں زرعی پیداوار کی بابت زکوۃ کے احکام درج تھے۔(۲)

---

(۱) تنقیح الانظار ج۲ ص ۱۵۰ و ۱۵۱۔ (۲) سنن دارقطنی، باب فی قدر الصدقۃ فیما اخرجت الارض۔

(۴) اہل یمن کے نام احکام زکوۃ کے متعلق آنحضرت ﷺ کی ایک تحریر کا ذکر امام شعبیؒ نے بھی کیا ہے، چنانچہ مصنف ابی بکر بن ابی شیبہؒ کی کتاب الزکوۃ میں اس نوشتہ کی متعدد حدیثیں امام شعبیؒ کی روایت سے منقول ہیں۔(۱)

(۵) ابوداؤدؒ اور ترمذیؒ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے "کتاب الصدقة" تحریر فرمائی اور اس کو آپ ﷺ نے ابھی اپنے عاملوں کی طرف روانہ نہ کیا تھا کہ رحلت فرما گئے، یہ کتاب آپ ﷺ کی تلوار کے ساتھ رکھی تھی، پھر حضرت ابوبکرؓ نے اس پر عمل کیا، جب وہ بھی وفات پا گئے تو حضرت عمرؓ نے اس کے متعلق عمل درآمد کیا یہانتک کہ ان کی بھی وفات ہوگئی۔(۲) ابوداؤدؒ اور ترمذیؒ نے اس نوشتہ کی حدیثیں بھی نقل کی ہیں اور امام ترمذیؒ نے تو اس کو روایت کر کے یہ بھی تصریح کردی ہے کہ

والعمل على هذا الحديث عند عامة أهل العلم .

"عامہ علماء کا عمل اسی حدیث پر ہے۔"

آنحضرت ﷺ کا یہ نوشتہ ان دونوں کتابوں کے علاوہ مصنف ابن اُبی شیبہؒ، سنن دارمیؒ اور سنن دارقطنیؒ وغیرہ دیگر کتب حدیث میں بھی مروی ہے، (۳) حضرت عمرؓ کی وفات پر یہ تحریر آپ کے خاندان میں محفوظ رہی، چنانچہ امام زہریؒ کا بیان ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے اس کو حضرت ابن عمرؓ کے ہر دو

---

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ ج ۴ ص ۱۰ او ۱۲ طبع ملتان۔

(۲) سنن ابی داؤد، باب فی زکوۃ السائمۃ، جامع ترمذی، باب ماجاء فی زکوۃ الابل والغنم۔

(۳) ملاحظہ ہو، مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۱، سنن دارمی، باب زکوۃ الابل، سنن دارقطنی، باب زکوۃ الابل والغنم۔

صاحبزادگان عبداللہ اور سالم سے لیکر نقل کر لیا تھا، امام زہری کہتے ہیں "میں نے اس نسخہ کو زبانی یاد کر لیا تھا"۔(۱)

(۶) سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی، اور سنن ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن حکیم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے ایک ماہ قبل قبیلہ جہینہ کی طرف یہ لکھ کر بھیجا تھا کہ مردار کی کھال اور پٹھوں کو کام میں نہ لایا جائے، امام ترمذی کی روایت میں زمانۂ تحریر وفات نبوی سے دو ماہ قبل مذکور ہے۔(۲)

(۷) حافظ ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم میں امام ابوجعفر محمد بن علی (باقر) سے بسند نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کے دستہ میں ایک صحیفہ رکھا ہوا ملا، جس میں حدیثیں لکھی ہوئی تھیں، چنانچہ جامع بیان العلم میں ان میں سے بعض احادیث منقول بھی ہیں۔(۳)

یہ تو معدودے چند تحریروں اور بعض نوشتوں کا ذکر تھا لیکن ان کے علاوہ مختلف قبائل کو تحریری ہدایات، خطوط کے جوابات، مدینہ منورہ کی مردم شماری کے کاغذات، سلاطین وقت اور مشہور فرمانرواؤں کے نام اسلام کے دعوت نامے، عمال اور ولاۃ کے نام احکام، معاہدات، صلحنامے، امان نامے اور اسی قسم کی بہت سی مختلف تحریرات تھیں، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وقتاً فوقتاً قلمبند کروائیں، محدثین نے آپ

---

(۱) سنن ابی داؤد. (۲) امام نسائی نے اس حدیث کو کتاب الفرع والغیرہ میں (زیر عنوان "ما یدلغ بہ جلود المیۃ) نقل کیا ہے اور بقیہ حضرات نے کتاب اللباس میں، ملاحظہ ہو سنن ابی داؤد، باب من روی ان لا یستنفع باہاب المیتۃ، جامع ترمذی، باب ماجاء فی جلود المیتۃ اذ دبغت، سنن ابن ماجہ، باب من کان لا ینفع من المیتۃ باہاب ولاعصب۔
(۳) جامع بیان العلم، باب الرخصۃ فی کتاب العلم۔

ﷺ کے نامے اور معاہدات ووثائق کو مستقل تصانیف میں علیحدہ جمع کیا ہے، چنانچہ اسی موضوع پر حافظ شمس الدین محمد بن علی بن احمد بن طولون دمشقی حنفی متوفی ۹۵۳ھ کی مشہور تصنیف **"أعلام السائلين عن كتب سيد المرسلين"** چند سال ہوئے طبع ہو کر شائع ہوچکی ہے۔

## عہد رسالت میں صحابہ کے بعض نوشتے

سابق میں سنن ابی داؤد اور سنن دارمی کے حوالہ سے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی یہ تصریح گزرچکی ہے کہ "میں آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے جو کچھ سنتا تھا حفظ کرنے کے ارادہ سے قلمبند کرلیا کرتا تھا۔" اسی حدیث میں یہ بھی آپ پڑھ چکے ہیں کہ یہ سب کچھ آنحضرت ﷺ کی اجازت اور آپ ﷺ کے حکم سے تھا، صحیح بخاری اور جامع ترمذی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ صحابہ میں مجھ سے زیادہ آنحضرت ﷺ سے حدیثیں روایت کرنے والا کوئی نہیں، مگر ہاں عبداللہ بن عمرو ہوسکتے ہیں، کیونکہ وہ حدیثیں لکھا کرتے تھے اور میں نہیں لکھتا تھا، (۱) امام احمد نے اپنی مسند میں اور بیہقی نے مدخل میں مجاہد اور مغیرہ بن حکیم سے نقل کیا ہے کہ ہم دونوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے سنا تھا کہ مجھ سے زیادہ حدیث رسول اللہ ﷺ کا کوئی عالم نہیں، مگر عبداللہ بن عمرو (رضی اللہ عنہما) کا معاملہ مستثنیٰ ہے کیونکہ وہ اپنے ہاتھ سے

---

(۱) صحیح بخاری "باب كتابة العلم"، جامع ترمذی "باب ماجاء في الرخصة فيه"۔

لکھتے اور دل سے یاد رکھتے تھے اور میں صرف یاد رکھتا تھا، لکھتا نہ تھا، انھوں نے آنحضرت ﷺ سے لکھنے کی اجازت مانگی تھی اور آپ ﷺ نے ان کو اجازت دیدی تھی۔(۱)

(۱) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے حدیث نبوی کی کتابت کا جو سلسلہ شروع کیا تھا، اس سے ایک اچھی خاصی ضخیم کتاب تیار ہوگئی تھی جس کا نام انہوں نے "صادقة" رکھا تھا، یہ کتاب انہیں اس قدر عزیز تھی کہ اکثر فرمایا کرتے تھے۔

**ما يرغبني في الحيوة إلا الصادقة و الوهط**

"مجھے زندگی کی یہی دو چیزیں خواہش دلاتی ہیں، صادقہ اور وہط"۔

پھر خود ہی ان دونوں چیزوں کا تعارف ان الفاظ میں کراتے ہیں:

**فأما الصادقة فصحيحة كتبتها من رسول الله ﷺ وأما الوهط فأرض تصدق بها عمرو بن العاص كان يقوم عليها.(۲)**

"صادقہ وہ صحیفہ ہے جس کو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سن کر لکھا ہے اور وہط وہ زمین ہے جس کو (والد بزرگوار) حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے راہ خدا میں وقف کیا تھا اور وہ اس کی دیکھ بھال رکھا کرتے تھے۔"

یہ صحیفہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی وفات پر ان کے پوتے شعیب بن محمد بن عبداللہ کو ملا تھا (۳) اور شعیب سے اس نسخہ کو ان کے صاحبزادے عمرو روایت

---

(۱) فتح الباری، "باب کتابۃ العلم"۔ (۲) سنن دارمی "باب من رخص فی کتابۃ العلم"، جامع بیان العلم "باب ذکر الرخصۃ فی کتاب العلم۔ (۳) تہذیب التہذیب، ترجمہ عمرو بن شعیب۔

کرتے ہیں۔(۱) چنانچہ حدیث کی کتابوں میں "عمرو بن شعیب عن أبیه عن جده" کے سلسلہ سے جتنی روایتیں منقول ہیں، وہ سب صحیفہ "صادقه" ہی کی حدیثیں ہیں، سابق میں بعض حفاظ حدیث کی تصریح آپ پڑھ چکے ہیں کہ یہ نسخہ متوارث ہے، شعیب کے والد محمد کا انتقال اپنے باپ کی زندگی ہی میں ہوگیا تھا، اس لئے پوتے کی تمامتر تربیت دادا ہی کے ظل عاطفت میں ہوئی تھی، البتہ محدثین کا اس میں اختلاف ہے کہ شعیب نے صادقہ کا نسخہ دادا سے پڑھا تھا یا نہیں، بعض سخت گیر محدثین نے اسی بنا پر ان روایات کے اتصال پر بھی کلام کیا ہے چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی "تهذیب التهذیب" میں عمرو بن شعیب کے ترجمہ میں یحیی بن معین سے ناقل ہیں کہ

هو ثقةفي نفسه، وما روى عن أبيه عن جده لا حجة فيه، وليس بمتصل، وهو ضعيف من قبيل أنه مرسل، وجد شعيب كتب عبدالله بن عمرو فكان يرويها عن جده إرسالاً وهي صحاح عن عبد الله بن عمرو غير أنه لم يسمعها.

"یہ خود تو ثقہ ہیں اور جو روایت یہ اپنے باپ شعیب سے اور وہ اپنے دادا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے کرتے ہیں وہ حجت نہیں، غیر متصل ہے اور بسبب مرسل ہونے کے ضعیف ہے، شعیب کو عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی کتابیں ملی تھیں چنانچہ وہ ان کو اپنے دادا

(۱) جامع ترمذی "باب ماجاء فی کراهیة البیع والشراء وانشاد الضالة والشعر فی المسجد" اور "باب ماجاء فی زکوة مال الیتیم"

سے مرسلاً روایت کرتے ہیں، یہ روایتیں اگر چہ عبداللہ بن عمرو
ؓ سے صحیح ہیں، لیکن ان کو شعیبؒ نے سنا نہیں تھا۔"

حافظ ابنؒ حجر اس عبارت کو نقل کر کے فرماتے ہیں:

**قلت فإذا شهد له ابن معين أن أحاديثه صحاح غير أنه لم يسمعها وصح سماعه لبعضها فغاية الباقي أن يكون وجادة صحيحة وهو أحد وجوه التحمل.**

"میں کہتا ہوں جب کہ ابن معینؒ اس امر کی شہادت دے رہے ہیں کہ اس کی حدیثیں تو صحیح ہیں مگر ان کو شعیبؒ نے سنا نہیں ہے اور بعض حدیثوں کا سماع صحت کو پہنچ چکا ہے (۱) تو بقیہ احادیث کی روایت زیادہ سے زیادہ "وجادہ صحیحہ" (۲) سے ہو گی اور یہ بھی اخذ علم کا ایک طریقہ ہے۔"

اور امام ترمذیؒ اپنی جامعؒ میں فرماتے ہیں:

**ومن تكلّم في حديث عمرو بن شعيب إنما ضعّفه لأنه يحدث عن صحيفة جده كأنهم رأوا أنه لم يسمع هذه**

---

(۱) چنانچہ یہ روایتیں سنن ابی داؤد، سنن نسائی، جامع ترمذی اور سنن ابن ماجہ میں موجود ہیں اور حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں ان کا ذکر کیا ہے اور بہت سے ائمہ حدیث سے شعیب کے متعلق دادا سے سماع کی تصریح بھی نقل کی ہے۔ (۲) "وجادہ" وَجَدَ یَجِدُ کا مصدر ہے جس کے معنی پانے کے ہیں یہ مصدر پہلے مستعمل نہ تھا محدثین نے اس کو استعمال کرنا شروع کیا، ان کی اصطلاح میں کسی کتاب یا نوشتہ میں مصنف یا اصل راوی کی تحریر پا کر خود اس سے سنے بغیر اس کی حدیثوں کو روایت کرنا "وجادہ" کہلاتا ہے۔

**الأحاديث من جده. (۱)**

''اور جس نے بھی عمرو بن شعیب کی حدیث میں کلام کیا ہے سو محض اس بنا پر اس کی تضعیف کی ہے کہ وہ اپنے دادا کے صحیفہ سے حدیثیں بیان کیا کرتے تھے، گویا ان لوگوں کی یہ رائے ہے کہ انھوں نے ان حدیثوں کو اپنے دادا سے نہیں سنا تھا۔''

لیکن اکثر محدثین عمرو بن شعیب کی ان حدیثوں کو حجت مانتے اور صحیح سمجھتے ہیں، چنانچہ امام ترمذی اسی عبارت سے ذرا پہلے امام بخاری سے ناقل ہیں کہ

**رأيت أحمد وإسحٰق وذكر غيرهما يحتجون بحديث عمرو بن شعيب.**

''میں نے احمد بن حنبل، اسحٰق بن راہویہ، اور ان دونوں کے علاوہ اور محدثین کا ذکر کیا کہ ان سب کو دیکھا کہ وہ عمرو بن شعیب کی حدیث کو حجت مانتے تھے۔''

اور "باب ماجاء في زكوة مال اليتيم" میں لکھتے ہیں:

**وأما أكثر أهل الحديث فيحتجون بحديث عمرو بن شعيب ويثبتونه.**

''اور اکثر محدثین عمرو بن شعیب کی حدیث کو حجت سمجھتے اور ثابت مانتے ہیں۔''

امام بخاری اور امام ترمذی نے اس کی بھی تصریح کی ہے کہ شعیب نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے حدیثیں سنی ہیں، (۲) شعیب کو تو یہ پورا نسخہ وراثت

(۱) باب ماجاء فی کراہیۃ البیع والشراء وانشاد الضالۃ والشعر فی المسجد۔ (۲) جامع ترمذی کے دونوں ابواب ملاحظہ ہوں۔

میں ملا ہی تھا، لیکن حضرت عبداللہ بن عمرو ﷺ سے ان کے دوسرے تلامذہ نے جتنی حدیثیں روایت کی ہیں وہ بھی اسی صحیفۂ صادقہ کی ہیں۔

(۲) عہد رسالت کے تحریری نوشتوں میں سے ایک حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا صحیفہ بھی تھا، جس کے متعلق خود ان کا بیان ہے کہ

**ماكتبنا عن النبي ﷺ إلاّ القران ومافي هذه الصحيفة (۱)**

''ہم نے رسول اللہ ﷺ سے بجز قرآن کے اور جو کچھ اس صحیفہ میں درج ہے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں لکھا''

یہ صحیفہ چمڑے کے ایک تھیلہ میں تھا، جس میں حضرت علی ﷺ کی تلوار مع نیام کے رکھی رہتی تھی، (۲) یہ وہی صحیفہ ہے جس کے متعلق صحیح بخاری میں آپ کے صاحبزادے محمد بن الحنفیہ سے مذکور ہے کہ

**أرسلني أبي، خذ هذا الكتاب فاذهب به إلى عثمان فإن فيه أمر النبي ﷺ في الصدقة.(۳)**

''مجھ کو میرے والد نے بھیجا کہ اس کتاب کو لے کر حضرت عثمان ﷺ کے پاس جاؤ کیونکہ اس میں زکوۃ کے متعلق آنحضرت ﷺ کے احکام درج ہیں۔''

اس صحیفہ میں زکوۃ کے علاوہ خون بہا، اسیروں کی رہائی، کافر کے بدلہ میں مسلمان کو قتل نہ کرنا، حرم مدینہ کے حدود اور اس کی حرمت، غیر کی طرف انتساب کی

(۱) صحیح بخاری ''باب اثم من عاہد ثم غدر''۔ (۲) صحیح مسلم ''باب تحریم الذبح لغیر اللہ''۔

(۳) صحیح بخاری ''باب ماذکر من درع النبی ﷺ ومن شعرہ ونعلہ وآنیۃ مما شرک فیہ اصحابہ وغیرہم بعد وفاتہ ﷺ''۔

ممانعت، نقض عہد کی برائی، غیر کے لئے ذبح کرنے پر وعید اور زمین کے نشانات مٹانے کی مذمت وغیرہ بہت سے احکام و مسائل درج تھے، حدیث کی اکثر کتابوں میں اس صحیفہ کی روایتیں موجود ہیں، خود امام بخاریؒ نے بھی حسب ذیل ابواب میں اس صحیفہ کی مذکورہ بالا روایات کو نقل کیا ہے(۱) بابة کتاب العلم (۲) باب حرم المدینة (۳) باب فکاک الأسیر (۴) باب ذمة المسلمین وجوارهم واحدة یسعی بها أدناهم (۵) باب إثم من عاهد ثم غدر (۶) باب إثم من تبرأ من موالیه (۷) باب العاقلة (۸) باب لا یقتل المسلم بالکافر (۹) باب ما یکره من التعمق والتنازع في العلم والغلو في الدین۔

صحیح بخاریؒ میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت علیؓ نے ایک مرتبہ منبر پر خطبہ دیا تو آپ کی تلوار کے ساتھ یہ صحیفہ آویزاں تھا، پھر آپ نے فرمایا کہ بخدا ہمارے پاس بجز کتاب اللہ کے اور جو کچھ اس صحیفے میں مرقوم ہے، اس کے علاوہ کوئی نوشتہ نہیں کہ جو پڑھا جا سکے، اس کے بعد آپ نے اس صحیفہ کو کھولا اور لوگوں کو اس کے مسائل پر اطلاع ہوئی۔(۱)

(۳) حضرت رافع بن خدیجؓ کے متعلق سابق میں گزر چکا ہے کہ وہ عہد رسالت میں بھی حدیثیں لکھا کرتے تھے جس کی اجازت ان کو خود آنحضرت ﷺ نے دی تھی، چنانچہ ان کے پاس بھی آنحضرت ﷺ کی بہت سی حدیثیں تحریری شکل میں موجود تھیں، مسند امام احمد بن حنبل میں مذکور ہے کہ ایک دفعہ مروانؔ نے خطبہ دیا، جس میں مکہ معظمہ اور اس کے حرمت کا ذکر تھا، تو حضرت رافع بن خدیجؓ نے پکار کر کہا ''اگر مکہ حرم ہے، تو مدینہ بھی حرم ہے جس کو رسول اللہ ﷺ نے حرم قرار دیا ہے

(۱) صحیح بخاری ''کتاب الاعتصام'' باب ما یکرہ من التعمق والتنازع فی العلم والغلو فی الدین۔

اور یہ حکم ہمارے پاس چمڑے پر لکھا ہوا ہے، اگر تم چاہو تو تمہیں پڑھ کر سنادیں'' مروان نے جواب دیاہاں! ہمیں بھی آپ ﷺ کا یہ حکم پہنچا ہے۔ (۱)

## صحابہ کرام کے بعض اور نوشتے

(۱) صحیح بخاریؒ، سنن ابی داوٗدؒ (باب في زكوة السائمة) سنن نسائیؒ (باب زكوة الإبل) میں مذکور ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے جب حضرت انس ؓ کو بحرینؒ پر عامل بنا کر روانہ کیا تو زکوۃ کے مسائل واحکام کے متعلق ایک مفصل تحریر لکھکر ان کے حوالہ کی، جو ان لفظوں سے شروع ہوتی ہے:

**بسم اللّٰه الرحمٰن الرحيم، هذه فريضة الصدقة التي فرض رسول اللّٰه ﷺ على المسلمين و التي أمر اللّٰه بهارسوله الخ**

(صحيح بخاري "باب زكوة الغنم")

امام بخاریؒ نے اس نوشتہ کی روایات کو "كتاب الزكوة" کے تین مختلف ابواب میں متفرق طور پر درج کیا ہے، اور اپنی صحیح میں گیارہ جگہ اس کو روایت کیا ہے، چھ جگہ "كتاب الزكوة" میں، دو جگہ "كتاب اللباس" میں اور ایک ایک جگہ "كتاب الشركة" "أبواب الخمس" اور "كتاب الحيل" میں، یہ نوشتہ حضرت انس ؓ کے خاندان میں برابر محفوظ چلا آتا تھا، چنانچہ امام بخاریؒ نے اس کو محمدؒ بن عبداللہ بن المثنیٰ بن عبداللہ بن انس سے جو حضرت انس ؓ کے پوتے کے پوتے ہیں، روایت کیا ہے، محمدؒ اس کو اپنے والد عبداللہؒ سے اور عبداللہؒ اپنے چچا ثمامہؒ بن

(۱) مسند احمد ج ۴ ص ۱۴۱ طبع میمنیہ مصر ۱۳۱۳ھ۔

عبداللہ بن انس اور وہ خود حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اس کے راوی ہیں، اور امام ابوداؤد اس کو حدیث کے مشہور راوی حماد بن سلمہ سے روایت کرتے ہیں، جن میں حماد کی تصریح بھی موجود ہے کہ ''میں نے خود ثمامہ سے اس نوشتہ کو اخذ کیا ہے'' اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر مبارک بھی ثبت تھی۔

(۲) جامع ترمذی میں سلیمان تیمی سے منقول ہے کہ حسن بصری اور قتادہ، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے صحیفہ سے حدیثیں روایت کیا کرتے تھے، (۱) حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے اس صحیفہ کا ذکر بہت سے محدثین کے تذکرہ میں آیا ہے، حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں قتادہ کے ترجمہ میں امام احمد سے نقل کیا ہے کہ

**کان قتادہ أحفظ أهل البصرة لا یسمع شیئاً إلا حفظهٔ قرأت علیه صحیفة جابر مرة فحفظها.**

''قتادہ اہل بصرہ میں سب سے بڑے حافظ تھے جو سنتے یاد ہوجاتا، حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا صحیفہ صرف ایک بار ان کے سامنے پڑھا گیا تھا، بس انہیں یاد ہوگیا۔''

حافظ ابن حجر عسقلانی نے تہذیب التہذیب میں اسمٰعیل بن عبدالکریم صنعانی المتوفی ۲۱۰ھ کے ترجمہ میں بھی اس صحیفہ کا ذکر کیا ہے کہ یہ اس کو وہب بن منبہ سے اور وہ اس کو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے تھے اور سلیمان بن قیس یشکری کے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ

**قال أبو حاتم جالس جابراً و کتب عنه صحیفة و توفي، وروی**

(۱) جامع ترمذی ''باب ماجاء فی ارض المشترک یرید بعضہم بیع نصیبہ۔''

**أبو الزبير وأبو سفيان والشعبي عن جابر وهم قد سمعوا من جابر وأكثره من الصحيفة وكذلک قتادة.**

''ابو حاتم کا بیان ہے کہ سلیمان نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی ہم نشینی اختیار کی اور ان سے صحیفہ لکھا اور وفات پا گئے اور ابوالزبیر، ابو سفیان اور شعبی نے بھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایتیں کی ہیں اور ان لوگوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے حدیثیں بھی سنی ہیں جو اکثر اسی صحیفہ کی ہیں اور اسی طرح قتادہ نے بھی۔''

اور طلحہ بن نافع ابو سفیان واسطی کے ترجمہ میں سفیان بن عیینہ اور شعبہ دونوں کا متفقہ بیان نقل کیا ہے کہ

**حديث أبي سفيان عن جابر إنما هي صحيفة.**

''ابوسفیان، جابر سے جو حدیث روایت کرتے ہیں وہ صحیفہ سے ہوتی ہے۔''

(۳) حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں امام حسن بصریؒ کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ انھوں نے حضرت سمرة بن جندب رضی اللہ عنہ سے حدیث کا ایک بہت بڑا نسخہ روایت کیا ہے، جس کی بیشتر حدیثیں سنن اربعہ میں منقول ہیں، علی بن المدینی اور امام بخاری دونوں نے تصریح کی ہے کہ اس نسخہ کی سب حدیثیں ان کی مسموعہ تھیں، لیکن یحیی ابن سعید القطان اور دیگر علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ سب نوشتہ سے روایت ہیں، اس نسخہ کو امام حسن بصری کے علاوہ خود حضرت سمرة بن جندب رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے سلیمان بن سمرة بھی ان سے روایت کرتے ہیں، چنانچہ تہذیب التہذیب میں سلیمان کے ترجمہ میں مذکور ہے ''روى عن أبيه نسخة كبيرة.''

(۴) حضرت ابو ہریرہ ﷺ اگر چہ عہد رسالت میں حدیثیں لکھتے نہ تھے، لیکن بعد کو انھوں نے بھی اپنی تمام مرویات کو تحریری شکل میں محفوظ کرلیا تھا، چنانچہ ابن وہبؒ نے حسن بن عمرو بن امیہ ضمریؒ کا بیان نقل کیا ہے کہ میں نے حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے ایک حدیث بیان کی، تو وہ میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اپنے گھر پر لے گئے اور حدیث نبوی کی کتابیں دکھلا کر کہنے لگے ''دیکھو یہ حدیث میرے پاس بھی لکھی ہوئی ہے''۔ (۱)

(۵) امام ترمذیؒ نے اپنی جامع میں کتاب العللؒ کے اندر عکرمہؒ سے روایت کی ہے کہ ایک مرتبہ طائف کے کچھ لوگ حضرت ابن عباسؓ ﷺ کی خدمت میں ان کی کتابوں میں سے ایک کتاب لے کر آئے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ ﷺ نے اس کتاب کو لے کر پڑھنا شروع کیا، مگر الفاظ میں تقدیم وتاخیر ہونے لگی، تو آپ نے ان سے فرمایا کہ ''میں تو اس مصیبت (ضعف بصر) کے سبب عاجز ہو چکا ہوں تم خود اس کو میرے سامنے پڑھو کیونکہ (جواز روایت میں) تمہارا میرے سامنے پڑھ کر سنانا اور میرا اقرار کر لینا ایسا ہی ہے جیسا کہ میرا خود تمہارے سامنے پڑھنا''۔

(۶) حافظ ابن عبد البرؒ نے جامع بیانؒ العلم میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ﷺ کے نبیرہ معن بن عبدؒ الرحمٰن کی زبانی نقل کیا ہے کہ

**أخرج إليّ عبدالرحمن بن عبد الله بن مسعود كتاباً و حلف لي أنه من خط أبيه بيده. (۲)**

---

(۱) فتح الباری، ''باب کتابۃ العلم''۔ (۲) جامع بیان العلم ''باب ذکر الرخصۃ فی کتاب العلم'' یہ روایت سنن دارمی میں بھی ''باب من هاب الفتیا وکرہ التنطع والتبدع'' میں مذکور ہے۔

"(والد محترم) عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن مسعودؓ ایک کتاب میرے سامنے نکال کر لائے اور قسم کھا کر مجھ سے کہنے لگے کہ یہ اباجان کے اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے۔"

ہم نے صحابہ کے صرف ان چند مشہور نوشتوں کے ذکر پر اکتفا کی ہے کہ جو بہت سی احادیث پر مشتمل تھے یا جو مستقل صحیفہ اور کتاب کی حیثیت رکھتے تھے، ورنہ اگر صحابہ کی ان تمام تحریرات کو یکجا جمع کیا جائے کہ جس میں انھوں نے کسی حدیث کا ذکر کیا ہے، تو اس کے لئے ایک مستقل کتاب چاہئے، جس کے لئے کافی فرصت اور وسیع مطالعہ اور تتبع و تلاش کی ضرورت ہے۔

## عہد صحابہ میں تابعین کے نوشتے

(۱) سنن دارمیؒ میں بشیر بن نہیک سدوسیؒ سے جو مشہور تابعی ہیں منقول ہے کہ

كنت أكتب ما أسمع من أبي هريرةؓ فلمّا أردت أن أفارقه أتيته بكتابه فقرأته عليه وقلت له هذا ما سمعت منک قال نعم.

(باب من رخص في كتابة العلم)

"میں حضرت ابو ہریرہؓ سے جو حدیثیں سنتا، لکھ لیتا تھا، پھر جب میں نے ان سے رخصت ہونے کا ارادہ کیا تو اس کتاب کو لیکر ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس کو ان کے سامنے پڑھ کر سنایا اور پھر ان سے عرض کیا کہ یہ سب وہی حدیثیں ہیں جو میں نے آپ سے سنی ہیں؟ فرمانے لگے ہاں!

امام ترمذیؒ نے بھی کتاب العللؒ میں اس واقعہ کو بالاختصار نقل کیا ہے۔

(۲) حضرت ابوہریرہ ﷺ کی مرویات سے ایک صحیفہ ہمام بن منبہ یمانیؒ نے بھی مرتب کیا تھا، اس میں ایک سو چالیس کے قریب احادیث مذکور ہیں، (۱) یہ پورا صحیفہ امام احمد بن حنبلؒ نے اپنی مسند میں یکجا روایت کیا ہے، (۲) صحیحین میں بھی اس صحیفہ کی روایتیں متفرق طور پر موجود ہیں، حافظ ابن حجرؒ نے اس صحیفہ کے متعلق ابن خزیمہؒ کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں کہ "صحيفة همام عن أبي هريرة مشهورة" (۳) یہ صحیفہ آج بھی برلن کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

(۳) سنن دارمی (باب من رخص في كتابة العلم) میں سعید بن جبیرؒ سے جو مشہور ائمہ تابعین میں سے ہیں مروی ہے کہ

كنت أكتب عند ابن عباس في صحيفة.

"میں ابن عباسؓ (رضی اللہ عنہما) کے پاس بیٹھا ہوا صحیفہ میں لکھتا رہتا تھا۔

دارمیؒ ہی نے ان سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ میں رات کو مکہ معظمہ کی راہ میں حضرت ابن عباسؓ ﷺ کا ہمرکاب ہوتا وہ مجھ سے کوئی حدیث بیان کرتے تو پالان کی لکڑی پر لکھ لیتا تا کہ صبح کو پھر اسے نقل کر سکوں، سنن دارمیؒ ہی میں ان کا یہ بیان بھی مذکور ہے کہ میں حضرت عبداللہؓ بن عمر ﷺ اور حضرت عبداللہ بنؓ عباس ﷺ سے رات کو حدیث سنتا تو پالان کی لکڑی پر لکھ لیتا تھا۔

---

(۱) تہذیب التہذیب، ترجمہ "ہمام بن منبہ"۔

(۲) مسند احمد ج ۲ ص ۳۱۲ لغایت ۳۱۸ طبع میمنیہ مصر ۱۳۱۳ھ۔

(۳) تہذیب التہذیب، ترجمہ اسمعیل بن عبدالکریم صنعانی۔

(۴) سنن دارمی میں مسلم بن قیس کا بیان مذکور ہے کہ میں نے ابان کو دیکھا کہ وہ حضرت انس ﷺ کے پاس بیٹھے تختیوں پر لکھتے رہتے تھے۔ (باب مذکور)

(۵) حضرت زید بن ثابت ﷺ ایک زمانے تک کتابت حدیث کے قائل نہ تھے، مروان نے اپنی امارت مدینہ کے زمانہ میں ان سے خواہش ظاہر کی کہ وہ کچھ حدیثیں لکھ دیں، مگر آپ نے منظور نہ فرمایا، آخر اس نے یہ تدبیر نکالی کہ پردہ کے پیچھے کاتب بیٹھایا اور خود حضرت زید ﷺ کو اپنے یہاں بلانے لگا، یہاں مختلف لوگ آپ سے مسائل و احکام دریافت کرتے اور آپ جو کچھ فرماتے کاتب لکھتا جاتا۔ (۱)

## حفظ حدیث

یہ معدودے چند وہ واقعات ہیں، جن میں خود صحابہ یا صحابہ کے سامنے حدیث کے صحیفے اور نوشتے لکھے جانے کا ذکر ہے، دور تابعین میں اگر چہ احادیث کے قلمبند کرنے کا سلسلہ پہلے سے بہت زیادہ ہوگیا تھا، تاہم اب تک عام طور پر لوگ لکھنے کے عادی نہ تھے اور جو کچھ لکھتے تھے، اس سے مقصود صرف اس کو ازبر کرنا ہوتا تھا، اس زمانہ میں حدیثوں کو سن کر انہیں زبانی یاد کرنے کا اسی طرح رواج تھا، جس طرح مسلمان قرآن پاک کو یاد کرتے ہیں، امام مالکؒ فرماتے ہیں:

لم يكن القوم يكتبون إنما كانوا يحفظون، فمن كتب منهم الشيء فإنما يكتبه ليحفظه فإذا حفظه محاه (۲)

"اگلے لوگ لکھتے نہ تھے، بس حفظ کرتے تھے اور جو کوئی ان میں

(۱) سنن دارمی، باب من لم یر کتابۃ الحدیث (۲) جامع بیان العلم "باب ذکر کراھیۃ کتابۃ العلم وتخلیدہ فی الصحف"۔

سے کچھ لکھ بھی لیتا، تو حفظ کرنے ہی کے لئے لکھتا اور جب حفظ
کر لیتا، تو اسے مٹاڈالتا۔"

تقریباً پہلی صدی ہجری تک عربؔ علماء عام طور پر کتابت کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے تھے، جس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ عربوں کا حافظہ فطرۃً نہایت قوی تھا، وہ جو کچھ سنتے فوراً یاد کر لیتے تھے، ایسی صورت میں کسی چیز کو لکھنا تو درکنار اس کا دوبارہ پوچھنا بھی نظرِ استعجاب سے دیکھا جاتا تھا، چنانچہ سنن دارمیؔ میں، ابن شبرمہؔ کی زبانی منقول ہے کہ شعبیؔ کہا کرتے تھے، اے شِبَاکؔ (شعبی کے شاگرد کا نام) میں تم سے دوبارہ حدیث بیان کر رہا ہوں، حالانکہ میں نے کبھی کسی سے حدیث کے دوبارہ اعادہ کی درخواست نہیں کی، اسی کتاب میں شعبیؔ کا یہ بیان بھی موجود ہے کہ

**ما كتبت سواداً في بياض ولا استعدت حديثاً من إنسان.**

"میں نے نہ کبھی سپیدی پر سیاہی سے لکھا اور نہ کبھی کسی انسان
سے ایک مرتبہ حدیث سن کر دوبارہ اس سے اعادہ کروایا"

سنن دارمیؔ ہی میں امام مالکؔ سے یہ بھی مروی ہے کہ امام زہریؔ نے ایک بار ایک حدیث بیان کی، پھر کسی راستہ میں میری اور زہریؔ کی ملاقات ہوئی تو میں نے ان کی لگام تھام کر عرض کیا کہ اے ابوبکرؔ (یہ امام زہری کی کنیت ہے) جو حدیث آپ نے ہم سے بیان کی تھی، اسے ذرا مجھے دوبارہ بتا دیجئے، جواب دیا تم حدیث کو دوبارہ پوچھتے ہو، میں نے کہا! کیا آپ دوبارہ نہیں پوچھتے تھے، کہنے لگے، نہیں، میں نے کہا، لکھتے بھی نہ تھے، کہنے لگے، نہیں۔(۱)

(۱) سنن دارمی، باب من لم یر کتابۃ الحدیث۔

حافظ ابن عبد البر، جامع بیان العلم میں ان تمام علماء کے اقوال نقل کرنے کے بعد کہ جو کتابت علم کو پسندیدہ نظر سے نہیں دیکھتے تھے، فرماتے ہیں۔

من ذكرنا قوله في هذاالباب، فإنما ذهب في ذلک مذهب العرب، لأنهم كانوا مطبوعين على الحفظ، مخصوصين بذلک، والذين كرهواالكتاب كابن عباس والشعبی وابن شهاب والنخعي وقتادة، ومن ذهب مذهبهم، وجبل جبلّتهم، كانوا قد طبعوا على الحفظ، فكان أحدهم يجتزئ بالسمعة، ألاترى ما جاء عن ابن شهاب أنه كان يقول إني لأمُرُّ بالبقيع فاسُدُّ اذاني مخافة أن يدخل فيها شيئ من الخنا،فوالله ما دخل اُذني شيئ قط فنسيته، وجاء عن الشعبي نحوه، وهولاء كلهم عرب، وقال النبي ﷺ "نحن أمة أمية لا نكتب ولانحسب" وهذا مشهورأن العرب قد خَصَّتُ بالحفظ، كان أحدهم يحفظ أشعاربعض في سمعة واحدة، وقد جاء أن ابن عباس رضی اللہ عنہ حفظ قصيدة عمر بن أبي ربيعة ع

أمن ال نعم أنت غاد فمبكر

في سمعة واحدة على ما ذكروا،وليس أحد اليوم على هذا ولو لا الكتاب لضاع كثير من العلم، وقد رخص رسول الله ﷺ في كتاب العلم، ورخص فيه جماعة من العلماء وحمد واذلک. (۱)

(۱) جامع بیان العلم، باب کراھیۃ کتابۃ العلم وتخلیدہ فی الصحف۔

''جس کا قول بھی ہم نے اس باب میں ذکر کیا ہے، وہ اس بارے میں عربؔ ہی کی روش پر گیا ہے، کیونکہ وہ فطری طور پر قوت حافظہ رکھتے تھے اور اس سلسلہ میں ممتاز تھے، اور جن حضرات نے بھی کتابت کو ناپسند فرمایا ہے، جیسے حضرت ابن عباسؓ ، امام شعبیؒ ، امام ابن شہابؒ زہری، امام ابراہیم نخعیؒ اور قتادہؒ اور وہ حضرات کہ جو ان ہی کے طریقے پر چلے اور ان ہی کی فطرت پر پیدا ہوئے، یہ سب کے سب وہ ہیں، جو طبعی طور پر قوت حافظہ رکھتے تھے، چنانچہ ان میں کا ایک ایک شخص صرف ایک بار کے سن لینے پر اکتفا کیا کرتا تھا، دیکھتے نہیں کہ ابن شہابؒ سے مروی ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے، میں جب بقیع سے گذرتا ہوں تو اپنے کان اس ڈر سے بند کر لیتا ہوں کہ کہیں کوئی فحش بات اس میں نہ پڑ جائے، کیونکہ خدا کی قسم کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کوئی بات میرے کان میں پڑی اور میں اس کو بھول گیا ہوں''

اور شعبیؒ سے بھی اسی قسم کا بیان منقول ہے، یہ سب لوگ عربؔ تھے، اور آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''ہم امی لوگ ہیں، نہ لکھنا جانیں نہ حساب کرنا'' اور یہ چیز تو مشہور ہے کہ عربؔ کو زبانی یاد رکھنے میں خصوصیت حاصل ہے، چنانچہ ان میں کا ایک ایک شخص بعض لوگوں کے اشعار کو ایک دفعہ کے سننے میں حفظ کر لیا کرتا تھا، حضرت ابن عباسؓ کے متعلق آتا ہے کہ انھوں

نے عمر بن ابی ربیعہ کے قصیدے ع امن ال نعم أنت غاد فمبکر .(۱) کوصرف ایک دفعہ سن کر یاد کرلیا تھا، چنانچہ علماء نے اس واقعہ کا ذکر کیا ہے اور آج کوئی ایک شخص بھی اس طرح کی قوت حافظہ نہیں رکھتا، بلکہ اگر تحریر نہ ہوتو علم کا بڑا حصہ ضائع ہو جائے، حالانکہ آنحضرت ﷺ بھی کتابت علم کی اجازت مرحمت فرما چکے ہیں اور علماء کی ایک جماعت نے بھی اس کی رخصت دی ہے اور اس کو فعل محمود قرار دیا ہے۔''

اور یہ ان علماء ہی کی برکت ہے کہ جس کی بدولت ہم کو ایک ہزار سال تک ہر دور میں حدیث شریف کے حافظ بکثرت نظر آتے ہیں اور قرآن کریم کے حفاظ تو الحمد اللہ آج بھی اسلامی دنیا کے چپہ چپہ پر پھیلے ہوئے ہیں، پچھلی چند صدیوں میں اگر چہ حفظ حدیث کا سلسلہ بہت ہی کم ہو گیا، تاہم مطابع کے وجود میں آنے سے پہلے پہلے علماء اسلام کا یہ عام دستور تھا کہ وہ ہر فن میں ایک مختصر متن طالب علم کو حفظ یاد کرادیا کرتے تھے، موجودہ صدی کو چھوڑ کر کسی صدی کے علماء کا تذکرہ اٹھا لیجئے اور ان کے حالات پڑھئے، تو آپ کو معلوم ہوگا کہ وہ مختلف علوم وفنون کی کتنی کتابیں زبانی یاد کیا کرتے تھے۔

## حفّاظ حدیث کے تذکرے

علماء محدثین نے حفاظ حدیث کے حالات پر مستقل کتابیں لکھی ہیں، جن

(۱) دوسرا مصرع ہے .ع غداة غدام رائح فمهجر ، یہ پورا قصیدہ بحر طویل میں ہے اور ستر اشعار کے قریب قریب ہے۔

میں صرف ان لوگوں کا تذکرہ ہے، جو اپنے وقت میں حافظ حدیث کہلاتے تھے، ہمیں اب تک اس موضوع پر جن کتابوں کا پتہ چل سکا ہے، حسب ذیل ہیں۔

(۱) **أسماء الحفاظ** از حافظ ابو الولید یوسفؒ بن عبد العزیز الاندلسی محدث مریۃ المشھور بابن الدبّاغؒ المتوفی ۵۴۶ھ، حافظ ذہبیؒ تذکرۃ الحفاظ میں ان کے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ "وله جزء لطيف في أسماء الحفاظ" اس کتاب میں حفاظ کا سلسلہ امام زہریؒ سے شروع ہو کر حافظ ابو طاہرؒ سلفی پر ختم ہوتا ہے۔

(۲) **أخبار الحفاظ** از علامہ ابن الجوزیؒ المتوفی ۵۹۷ھ اس کتاب کا قلمی نسخہ کتب خانہ ظاہریہؒ دمشق میں موجود ہے، اس کتاب میں سو کے قریب ان لوگوں کا تذکرہ ہے جو حفظ کے اعتبار سے اپنے وقت میں یکتا شمار کئے جاتے تھے، لیکن یہ صرف حفاظ حدیث ہی کا تذکرہ نہیں بلکہ بعض دوسرے علوم وفنون کے حفاظ بھی اس میں آگئے ہیں۔

(۳) **کتاب أربعين الطبقات** از حافظ شرف الدین ابو الحسن علی بن المفضلؒ المتوفی ۶۱۱ھ صاحب کشف الظنونؒ نے "طبقات الحفاظ" کے سلسلہ میں ابن المفضلؒ کی جس تصنیف کا ذکر کیا ہے، وہ یہی ہے، یہ حفاظ حدیث کے حالات میں نہایت جامع اور مفصل کتاب ہے، جو چالیس طبقات پر مرتب ہے، حافظ ذہبیؒ نے تذکرۃ الحفاظؒ میں جابجا اس کتاب کے حوالے دیئے ہیں۔(۱)

---

(۱) تذکرۃ الحفاظ میں حمزہ بن محمد کنانی المتوفی ۳۵۷ھ، ابن مندہ المتوفی ۳۹۵ھ اور ابونعیم اصفہانی المتوفی ۴۳۰ھ کے تراجم ملاحظہ ہوں۔

(۴) **طبقات الحفاظ** از شیخ الاسلام تقی الدین بن دقیق العید المتوفی ۷۰۲ھ، حافظ سخاوی نے الإعلان بالتوبیخ میں اس کتاب کا ذکر کیا ہے، یہ صرف حفاظ حدیث کا تذکرہ ہے اور اس میں صرف ان ہی لوگوں کو لیا ہے کہ جب اسانید میں ان کا نام آتا ہے، تو حافظ کے لقب کے ساتھ آتا ہے۔

(۵) **تذکرۃ الحفاظ** از حافظ شمس الدین ذہبی المتوفی ۷۴۸ھ یہ کتاب چار ضخیم جلدوں میں ہے اور دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن سے مکرر طبع ہوکر شائع ہوچکی ہے، یہ صحابہ سے لیکر اپنے دور تک کے حفاظ حدیث کا تذکرہ ہے، دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ

> ''یہ حاملانِ علم نبوی کی عدالت بیان کرنے والوں کا تذکرہ ہے، جن کے اجتہاد پر توثیق وتضعیف اور تصحیح اور تزییف (۱) میں رجوع کیا جاتا ہے۔''

حافظ موصوف نے تمام کتاب میں اس اصول کو ملحوظ رکھا ہے اور کسی ایسے شخص کا ترجمہ نہیں لکھا کہ جو حدیث کا حافظ نہ شمار کیا جاتا ہو، چنانچہ علامہ ابن قتیبہ کے متعلق جو لغت وعربیت کے مشہور امام ہیں اور علم حدیث میں بھی ان کی بعض تصانیف موجود ہیں، یہ لکھتے ہیں:

**ابن قتيبة من أوعية العلم لكنه قليل العمل با لحديث فلم أذكره.**

''ابن قتیبہ علم کا مخزن ہیں لیکن حدیث میں ان کا کام تھوڑا ہے

(۱) کھوٹ بیان کرنا۔

اس لئے میں نے ان کو ذکر نہیں کیا۔''

اور خارجہ بن زید بن ثابتؓ اگر چہ فقہاء سبعہ میں شمار کئے جاتے ہیں، لیکن ان کے متعلق بھی صاف تصریح کر دی ہے کہ ''چونکہ وہ قلیل الحدیث تھے اس لئے میں نے ان کو حفاظ حدیث میں شمار نہیں کیا۔''

اسی طرح ان لوگوں کا تذکرہ بھی اس کتاب میں نہیں لکھا ہے کہ جو اگر چہ حدیث کے حافظ تھے، مگر محدثین کے نزدیک متروک الروایہ خیال کئے جاتے تھے، چنانچہ ہشام بن محمد کلبی کے متعلق کہ جو بہت بڑا اخباری اور علامہ تھا لکھتے ہیں:

**هشام بن كلبي الحافظ أحد المتروكين ليس بثقة فلهذا لم أدخله بين حفاظ الحديث.**

''ہشام بن الکلبی حافظ حدیث متروک ہے ثقہ نہیں اسی لئے میں نے اس کو حفاظ حدیث میں داخل نہیں کیا''

اس کلبی کا حافظہ اس بلا کا تھا کہ تین دن میں پورا قرآن پاک حفظ کر لیا تھا۔

اور واقدی کے بارے میں لکھتے ہیں:

**الحافظ البحر لم أسق ترجمته هنا لاتفاقهم على ترك حديثه، وهو من أوعية العلم لكنه لا يتقن الحديث، وهو رأس في المغازي و السير، ويروي عن كل ضرب.**

''حدیث کے حافظ اور سمندر تھے، میں ان کا ترجمہ یہاں اس لئے نہیں لایا کہ محدثین ان کی حدیث کو ترک کرنے پر متفق ہیں، یہ علم کا مخزن تھے، لیکن حدیث میں پختگی نہیں رکھتے تھے اور

مغازی وسیر کے تو یہ سر آمد علماء میں سے ہیں، مگر ہر قسم کے لوگوں
سے روایت لے لیتے ہیں۔"

(۶) **ذیل تذکرۃ الحفاظ** از حافظ ابوالمحاسن حسینیؒ دمشقی المتوفی ۷۶۵ھ، یہ حافظ ذہبیؒ کی مذکورہ کتاب کا ذیل ہے اور اس میں ان حفاظ حدیث کا تذکرہ ہے، جن کا ذکر ذہبیؒ سے رہ گیا ہے، یہ کتاب دمشق میں طبع ہوکر شائع ہو چکی ہے۔

(۷) **نظم تذکرۃ الحفاظ** از حافظ اسمعیل بن محمدؒ المعروف بابن بروسؒ المتوفی ۷۸۶ھ، اس کتاب کا ذکر حافظ ابن فہدؒ نے علامہ ذہبیؒ کی تذکرۃ الحفاظ پر جو ذیلؒ لکھا ہے، اس میں کیا ہے، ابن بروسؒ نے اس کتاب میں حافظ ذہبیؒ کی مذکورہ کتاب کو نظم کر دیا ہے۔

(۸) **بدیعۃ البیان فی وفیات الأعیان** از حافظ شام بن ناصر الدینؒ المتوفی ۸۴۲ھ یہ کتاب نظم میں ہے، جس میں تمام حفاظ حدیث کو نام بنام گنایا ہے۔

(۹) **التبیان لبدیعۃ البیان** از حافظ ابن ناصر الدینؒ مذکور، اس میں مصنف نے اپنے منظومہ بدیعۃ البیانؒ کی شرح لکھی ہے، حافظ سخاویؒ نے "**الإعلان بالتوبیخ**" میں لکھا ہے کہ اس کتاب میں ذہبیؒ کی تذکرۃ الحفاظؒ پر چھبیس شخصوں کا اضافہ ہے۔

(۱۰) **ذیل التبیان** از حافظ ابن حجر عسقلانیؒ المتوفی ۸۵۲ھ، یہ کتاب مذکور پر ذیلؒ ہے اور اس میں ان حفاظ حدیث کا تذکرہ ہے کہ جو تبیانؒ میں مذکور نہیں، سخاوی لکھتے ہیں کہ

"ہمارے شیخ (ابن حجر) نے تبیانؒ پر ایک ذیل لکھا ہے، جو ایک

کرّاسہ میں ہے اوراس میں اٹھائیس اشخاص کا ذکر ہے"

(۱۱) **طبقات الحفاظ** ازحافظ ابن حجؔر مذکور، اس میں صرف ان حفاظ حدیث کو لیا ہے کہ جن کا ذکر حافظ جمال الدینؔ مزی کی تہذیب الکمالؔ میں نہیں ہے، اچھی خاصی ضخیم کتاب ہے، جوحسب تصریح صاحب کشف الظنونؔ دوجلدوں میں ہے۔

(۱۲) **لحظ الألحاظ بذيل طبقات الحفاظ** ازحافظ تقی الدین بن فہؔد المتوفی ۸۷۱ھ، یہ بھی حافظ ذہبیؔ کی تذکرۃ الحفاظؔ پر ذیل ہے اور دمشق میں طبع ہوکر شائع ہوگیا ہے۔

(۱۳) **تذکرۃالحفاظ** ازحافظ نجم الدین عمر بن فہؔد المتوفی ۸۸۵ھ، یہ حافظ تقی الدین بن فہؔد مذکور کے صاحبزادے ہیں، اس کتاب میں انھوں نے "تذکرۃ الحفاظؔ" اور "لحظ الالحاظؔ" دونوں کے اشخاص کو بجائے طبقاتؔ کے حروف تہجی پر مرتب کرکے ایک نئی کتاب بنادی ہے، حافظ سخاویؔ نے "الإعلان بالتوبيخؔ" میں اس کتاب کا ذکر کیا ہے۔

(۱۴) **زیادات** ازحافظ شمس الدین سخاویؔ المتوفی ۹۰۲ھ یہ غالباً چھوٹا سا رسالہ ہے، جس میں ان حفاظ حدیث کو جمع کیا ہے کہ جن کا ذکر ذہبیؔ کی "تذكرة الحفاظؔ" ابن ناصر الدینؔ کی "بديعة البيانؔ" اور ابن حجر کے "ذيل على التبيانؔ" میں نہیں ہے، افسوس ہے کہ سخاویؔ نے الاعلان بالتوبیخؔ میں اس رسالہ کا نام نہیں لکھا صرف اتنا کہہ کر چھوڑ دیا ہے کہ "ولي زيادات"۔

(۱۵) **تذكرة الحفاظ و تبصرة الإيقاظ** ازعلامہ یوسف بن

حسن ابن عبدالہادی حنبلی المتوفی ۹۰۹ھ اس کتاب میں مصنف نے حفاظ حدیث کے نام بیان کر کے ہر ایک کے ساتھ اس کے حافظ حدیث ہونے کی تصریح بھی نقل کی ہے، جو بیشتر ذہبی کی تاریخ کبیر اور کاشف سے منقول ہے، اس کتاب کا قلمی نسخہ خود مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا کتب خانہ ظاہریہ دمشق میں موجود ہے، یہ نسخہ ساٹھ ورق میں ہے اور اس پر خود مصنف کے قلم سے تعلیقات اور اضافے بھی ہیں، مصنف نے اس کو ۸۸۷ھ میں اپنے گھر پر جو صالحیہ دمشق میں واقع تھا، تحریر کیا ہے، دیباچہ میں لکھتے ہیں:

> ''اس کے اندر اس امت میں جو حفاظ حدیث گزرے ہیں، ان کے اسماء کا ذکر کروں گا ۔۔۔۔۔۔۔۔ اور اس کتاب کو میں نے حروف معجم پر مرتب کیا ہے ۔۔۔/۔۔۔ لوگوں نے اس فن میں تصانیف کی ہیں، ابن الجوزی نے بھی کتاب الحفاظ لکھی ہے، میں نے اس کو دیکھا تو اکثر حفاظ کا ذکر ان سے رہ گیا ہے، کیونکہ انہوں نے صرف سو کے قریب حفاظ کا تذکرہ لکھا ہے اور پھر محدثین کی اصطلاح میں جس کو حافظ کہتے ہیں، اس کا بھی لحاظ نہیں رکھا ہے، چنانچہ اذکیا اور نحو و لغت کے ماہرین کی بھی ایک جماعت کا ذکر کر گئے ہیں، ذہبی نے بھی طبقات الحفاظ تصنیف کی ہے، لیکن وہ میری نظر سے نہیں گزری۔''

حلب کے تکیہ اخلاصیہ کے کتب خانہ میں بھی اس کتاب کا قلمی نسخہ موجود ہے۔

(۱۶) **طبقات الحفاظ** از حافظ جلال الدین سیوطی المتوفی ۹۱۱ھ، یہ

ذہبی کے تذکرۃ الحفاظ کی تلخیص ہے، لیکن کہیں کہیں تراجم میں مفید اضافے بھی ہیں، میں نے اس کتاب کا قلمی نسخہ مدرسہ نظامیہ حیدرآباد دکن کے کتب خانہ میں دیکھا ہے، عرصہ ہوا کہ یہ کتاب یورپ میں طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے۔

(۱۷) **ذیل طبقات الحفاظ** از حافظ سیوطی مذکور، یہ حافظ ذہبی کی تذکرۃ الحفاظ کا ذیل ہے جس میں حافظ ذہبی کے معاصرین سے لیکر اپنے زمانے تک کے حفاظ حدیث کو ذکر کیا ہے، یہ کتاب دمشق میں طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے۔(۱)

حافظ سیوطی کے بعد بھی اگرچہ حفظ حدیث کا سلسلہ ختم نہیں ہوا، لیکن ان کے حالات پر پھر کوئی مستقل کتاب ہمارے علم میں نہیں، اس لئے اگر حفاظِ مابعد کے حالات معلوم کرنا ہوں تو پچھلی صدیوں کے علماء کے تراجم پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں، ان کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔

یہ بھی واضح رہے کہ کتب تاریخ و تراجم میں جب کسی شخص کے ساتھ حافظ کا لقب مذکور ہوتا ہے، تو اس سے مراد حافظ قرآن نہیں بلکہ حافظ حدیث ہی ہوتا ہے، چنانچہ ہماری اس کتاب میں بھی جن علماء کے متعلق یہ لفظ آیا ہے اس سے یہی مراد ہے، تیسری صدی ہجری میں جس کثرت سے حفاظ حدیث گزرے ہیں، ان میں سے بعض کا تذکرہ آپ امام ابن ماجہ کے شیوخ کے سلسلہ میں پڑھ چکے ہیں۔

نظر کو بلند تر کیجئے جس امت نے حفاظ حدیث کے حالات کو اس طرح محفوظ کیا ہو، اس نے خود حدیث کے حفظ اور اس کی یادداشت میں کیا کچھ نہ اہتمام

(۱) حسینی، ابن فہد اور سیوطی تینوں کے ذیول مجموعہ تذکرۃ الحفاظ کے نام سے محدث کوثری مرحوم کی تصحیح و تعلیق کے ساتھ دمشق کے مطبع التوفیق میں ۱۳۴۷ھ میں ایک ضخیم جلد کے اندر شائع ہوئے ہیں۔

کیا ہو گا۔ آج جب کہ موجودہ نسل نے اپنی قوت حافظہ کو معطل کر کے اسے بالکل بیکار اور مضمحل بنا دیا ہے اور مطابع کے عالم وجود میں آجانے کے باعث جو علم کہ اگلے علماء کے دماغوں میں تھا وہ ہمارے کتب خانوں میں منتقل ہو چکا ہے، حفظ حدیث کے واقعات کو کتنے ہی تعجب اور حیرت کی نظر سے کیوں نہ دیکھا جائے مگر حقیقت بہر حال حقیقت ہے، سلف کا ایک دور تھا کہ جب کتاب کا مسلمانوں میں بالکل رواج نہ تھا اور لوگ اپنے نوشتوں کو عیب کی طرح چھپایا کرتے تھے کہ مبادا ہم پر سوء حفظ کی تہمت نہ لگ جائے، اس دور میں کاغذ وقلم کی مدد کو عار سمجھا جاتا تھا اور جو کچھ اساتذہ سے سنتے اسے صفحۂ حافظہ پر ثبت کرنا پڑتا تھا، یہی وہ زمانہ ہے، جب ''علم سینہ بہ از علم سفینہ'' پر صحیح معنوں میں عملدرآمد تھا، حقیقت یہ ہے کہ جس شان کے ائمہ اس دور میں پیدا ہوئے بعد کو نہ ہو سکے، آج جتنے بھی اسلامی علوم کتابوں میں مدون ہیں ان سب کے اکابر علماء اسی عہد کی پیداوار ہیں، جب کہ حفظ کا دور دورہ تھا اور طریقۂ تعلیم زبانی املاء تھا بعد کو جیسے جیسے علوم سینوں سے سفینوں میں آتے گئے کتابوں پر اعتماد بڑھتا گیا نتیجہ یہ کہ کتابوں میں سب کچھ رہا مگر دماغوں میں کچھ نہ رہا۔

## تدوین حدیث

بہر حال یہ ایک واقعہ ہے کہ پہلی صدی ہجری میں ایک زمانے تک کتابت علم کا مسئلہ بڑا مختلف فیہ اور معرکۃ الآراء بنا رہا، لیکن یہ اسی وقت تک رہا جب تک کہ علم عرب سے نکل کر عجم میں نہ پہنچا تھا، اہل عرب جو ہر چیز کو زبانی یاد رکھنے کے عادی تھے، انہیں لکھنا بڑا گراں گزرتا تھا، لیکن عجمی قومیں جن میں تحریر کا عام رواج تھا اور جو کتاب

خوانی کی پہلے سے عادی ہو چکی تھیں وہ عربوں کا سا خداداد حافظہ کہاں سے لاتیں کہ ایک بار کے سننے سے سب یاد رہ جاتا۔

سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) روز بروز اس دنیا سے رخصت ہو رہے تھے اور ابھی صدی ختم نہ ہونے پائی تھی کہ بزمِ عالم ان کے مبارک وجود سے تقریباً خالی ہو چکی تھی، دوسری طرف شیعہ خوارج اور قدریہ نئے نئے فرقے اسلام میں سر اٹھاتے جاتے تھے، جو اپنے اپنے عقائد و خیالات کی ترویج میں پوری قوت سے کوشاں تھے، صحابہ کی موجودگی میں اہل بدعت کا زور نہ چلتا تھا، جب کسی چیز میں اختلاف ہوتا، لوگ ان کی طرف رجوع کرتے اور فتنہ دب کر رہ جاتا، امام بخاری نے تاریخ کبیر میں قتادہ سے نقل کیا ہے کہ جب حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو مورق کہنے لگے "ذهب اليوم نصف العلم" (آج نصف علم اٹھ گیا) جب ان سے پوچھا گیا کہ یہ کیونکر؟ تو کہنے لگے کہ

**كان الرجل من أهل الأهواء إذا خالفنا في الحديث قلنا تعال إلى من سمعه من النبي صلی اللہ علیہ وسلم.** (۱)

"جب اہل بدعت میں سے کوئی شخص کسی حدیث کے بارے میں ہماری مخالفت کرتا، تو ہم اس سے کہا کرتے تھے کہ لو آؤ ان کے پاس چلو جنھوں نے اس کو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔"

بصرہ کے صحابہ میں سب سے آخر میں جس نے وفات پائی، وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ ہیں، آپ کا انتقال ۹۳ھ یا ۹۵ھ میں ہوا ہے، یہ وہ وقت تھا کہ دوسرے اسلامی

(۱) تہذیب التہذیب، ترجمہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ۔

شہروں میں بھی دو چار کبیر السن صحابہ کے علاوہ کہ جو جلد ہی فوت ہو گئے، خورشید نبوت سے براہِ راست کسب نور کرنے والے تمام ستارے غروب ہو چکے تھے۔

صفر ۹۹ھ میں خلیفہ صالح عادل بنی مروان حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سریر آرائے خلافت ہوئے، تو آپ نے دیکھا کہ صحابہ کے متبرک نفوس سے دنیا خالی ہو چکی، اکابر تابعین میں کچھ صحابہ کے ساتھ ہی چل بسے، باقی جو ہیں ایک ایک کر کے سارے مقامات سے اٹھتے جا رہے ہیں، اس لئے آپ کو اندیشہ ہوا کہ ان حفاظ اہل علم کے اٹھنے سے کہیں علوم شرعیہ نہ اٹھ جائیں اور حدیث پاک کی جو امانت ان کے سینوں میں محفوظ ہے، وہ ان کے ساتھ ہی قبروں میں نہ چلی جائے، لہٰذا آپ نے فوراً تمام ممالک کے علماء کے نام فرمان بھیجا کہ حدیث نبوی کو تلاش کر کے جمع کر لیا جائے، چنانچہ حافظ ابو نعیم اصفہانیؒ، تاریخِ اصفہانؒ میں روایت کرتے ہیں:

**کتب عمر بن عبد العزیز الی الأفاق انظروا حدیث رسول الله ﷺ فاجمعوه. (۱)**

''حضرت عمر بن عبدالعزیز نے تمام آفاق میں لکھ بھیجا کہ حدیث رسول اللہ ﷺ کو تلاش کر کے جمع کرو۔''

اسی سلسلہ میں مدینہ منورہ کے قاضی ابو بکر حزمیؒ کو جو آپ کی طرف سے وہاں کے امیر بھی تھے، جو فرمان بھیجا گیا اس کو امام محمدؒ نے اپنی موطا میں بایں الفاظ روایت کیا ہے:

**أخبرنا مالک أخبرنا یحیی بن سعیدأن عمر بن عبد العزیز**

---

(۱) فتح الباری، باب کیف یقبض العلم۔

كتب إلى أبي بكر بن عمرو بن حزم أن انظر ما كان من حديث رسول الله ﷺ أو سنته أو حديث عمر أو نحو هذا فاكتبه لي فاني خشيت دروس العلم و ذهاب العلماء

(باب اكتساب العلم).

''حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ابوبکر بن عمرو بن حزم کولکھا کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث اور سنت نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیثیں اور اسی قسم کی جو روایات مل سکیں، ان سب کو تلاش کر کے مجھے لکھو، کیونکہ مجھے علم کے مٹنے اور علماء کے فنا ہو جانے کا خوف ہے۔''

اس روایت میں حدیث (۱) عمر أو نحو هذا کے الفاظ خاص طور پر قابل غور ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے حدیث نبوی کے ساتھ ساتھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر خلفاء کے آثار کی بھی جمع وتدوین کا حکم دیا تھا، سنن دارمی میں یہی روایت عبداللہ بن دینار کی زبانی اس طرح منقول ہے۔

اكتب إليّ بما ثبت عندك من الحديث عن رسول الله ﷺ وبحديث عمر فإني خشيت دروس العلم و ذهاب العلماء

(باب من رخص في كتابة العلم)

''رسول اللہ ﷺ کی جو حدیثیں تمہارے نزدیک ثابت ہوں

(۱) سابق میں حافظ سخاوی کی تصریح نقل کی جا چکی ہے کہ سلف میں صحابہ وتابعین کے اقوال کے لئے بھی حدیث کا لفظ استعمال کیا جاتا تھا۔

وہ نیز حضرت عمرؓ کی حدیثیں مجھے لکھ بھیجو، کیونکہ مجھے علم کے مٹ جانے اور علماء کے فنا ہو جانے کا اندیشہ ہے۔"

امام بخاریؒ نے بھی کتاب العلم میں ترجمۃ البابؒ کے اندر اس فرمان کا ایک حصہ تعلیقاً روایت کیا ہے، چنانچہ "باب کیف یقبض العلم" میں فرماتے ہیں:

وكتب عمر بن عبد العزيز إلى أبي بكر بن حزم انظر ما كان من حديث رسول الله ﷺ فاكتبه لي فإني خشيت دروس العلم وذهاب العلماء.

ولا يقبل إلا حديث النبي ﷺ وليفشوا وليجلسوا حتى يعلم من لا يعلم فإن العلم لا يهلك حتى يكون سرّاً.

"اور عمر بن عبدالعزیز نے ابوبکر بن حزم کو لکھا کہ رسول اللہ ﷺ کی جو حدیثیں ہیں، ان کو تلاش کر کے مجھے لکھو، کیونکہ مجھے علم کے مٹنے اور علماء کے فنا ہو جانے کا خوف ہے۔

اور حدیث نبوی کے سوا اور کچھ نہ قبول کیا جائے اور لوگوں کو چاہئے کہ علم کی اشاعت کریں، اور درس کے لئے بیٹھیں تاکہ جو لوگ نہیں جانتے وہ جان لیں، کیونکہ علم اس وقت تک برباد نہیں ہوتا، جب تک کہ وہ راز نہ بن جائے۔"

بعض لوگوں نے اس پوری عبارت کو فرمان کی عبارت سمجھ لیا ہے، حالانکہ ذهاب العلماء تک جو خط کشیدہ الفاظ ہیں وہ فرمان کے ہیں اور لا يقبل سے امام بخاریؒ کی اپنی عبارت شروع ہوتی ہے، چونکہ امام بخاریؒ آثار صحابہ کو حجت نہیں سمجھتے،

اس لئے ساتھ ہی اپنی رائے کا بھی اس سلسلہ میں اظہار کر گئے ہیں، مگر عبارت مذکورہ کے بعد جب انہوں نے اس تعلیق کی اسناد بیان کی تو تصریح کر دی ہے کہ یہ تعلیق **ذهاب العلماء** پر ختم ہو جاتی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں **حدثنا العلاء بن عبدالجبار حدثنا عبدالعزيز بن مسلم عن عبد الله بن دينار بذلك يعني حديث عمر بن عبدالعزيز إلى قوله ذهاب العلماء.** (۱)

امام مالک فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے قاضی صاحب موصوف کو یہ بھی لکھا تھا کہ عمرہ بنت عبدالرحمٰن اور قاسم بن محمد (*) کے پاس جو علم موجود ہے اس کو لکھ کر ان کے لئے بھیجیں۔ (۲)

اور ابن سعد لکھتے ہیں:

**وكتب عمر بن عبدالعزيز إلى ابن حزم أن يكتب له أحاديث عمرة.**

---

(۱) امام بخاری نے بھی حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے فرمان کے لئے حدیث کا لفظ استعمال کیا ہے۔

(۲) تہذیب التہذیب، ترجمہ ابوبکر حزمی۔ (*) عمرہ اور قاسم کی روایات کے جمع کرنے کا خاص طور پر اس لئے حکم دیا کہ یہ دونوں ام المومنین حضرت عائشہؓ کے برادر زادہ ہیں، امام بخاری نے ان کے متعلق تصریح کی ہے کہ ﴿قتل أبوه فربي يتيماً في حجر عمته عائشة فتفقه بها﴾ (تہذیب التہذیب ترجمہ قاسم) ''ان کے والد قتل کر دیئے گئے تھے اس لئے بحالت یتیمی اپنی عمہ محترمہ کے آغوش میں تربیت پائی اور ان سے تفقہ حاصل کیا''. یہ مدینہ طیبہ میں اپنے وقت کے افضل ترین علماء میں شمار کئے جاتے تھے چنانچہ ابن حبان کی کتاب ''الثقات'' میں آپ کے بارے میں یہ الفاظ ہیں **كان من سادات التابعين من أفضل أهل زمانه علماً وأدباً وفقها.**

عمرہ بنت عبدالرحمٰن قاضی ابوبکر بن حزم کی والدہ کبشہ بنت عبدالرحمٰن کی بہن تھیں اور اس بنا پر قاضی صاحب کی خالہ ہوتی ہیں، یہ بھی بڑی فقیہہ تھیں، چنانچہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں طبقہ ثالث (بقیہ اگلے صفحہ پر)

''عمر بن عبدالعزیز نے ابن حزم کو لکھا تھا کہ وہ انہیں عمرہ کی روایت کردہ حدیثیں لکھ کر بھیجیں۔''

قاضی ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم خزرجی انصاری اپنے وقت میں مدینہ طیبہ کے بہت بڑے فقیہ تھے، امام مالک فرماتے ہیں کہ ''ہمارے یہاں مدینہ میں جس قدر قضا کے بارے میں ان کو علم تھا، اتنا کسی کو نہ تھا، بڑے عابد شب زندہ دار تھے'' ان کی اہلیہ کا بیان ہے' چالیس سال ہونے آئے یہ کبھی شب میں اپنے بستر پر دراز نہیں ہوئے، ان کی وفات بہ اختلاف اقوال ۱۱۰ھ یا ۱۱۷ھ یا ۱۲۰ھ میں ہوئی۔

قاضی صاحب موصوف نے امیر المومنین کے حسب الحکم حدیث میں متعدد کتابیں لکھیں، لیکن افسوس ہے کہ جب قاضی صاحب کا یہ کارنامہ پایہ کو پہنچا تو حضرت عمر بن عبدالعزیز وفات پا چکے تھے، علامہ ابن عبدالبر التمہید میں امام مالک کی زبانی نقل کرتے ہیں کہ

فتوفي عمر وقد كتب ابن حزم كتباً قبل أن يبعث بها إليه. (۱)

(پچھلے صفحہ کا بقیہ) کے ختم پر جہاں اس عہد کے مشاہیر علماء تابعین کے نام گنائے ہیں ان کا تذکرہ اسی لقب سے کیا ہے، ان کی وسعت علم کا یہ عالم تھا کہ امام زہری فرماتے ہیں ''مجھ سے قاسم بن محمد فرمانے لگے ''میں تمہیں علم کا شوقین پاتا ہوں اس لئے تمہیں علم کا مخزن نہ بتادوں'' میں نے کہا کیوں نہیں'' فرمانے لگے عمرہ بنت عبدالرحمٰن کے آستانہ کو پکڑلو کیونکہ وہ حضرت عائشہ صدیقہ ؓ کے آغوش تربیت میں پلی بڑھی ہیں، چنانچہ جب میں ان کی خدمت میں پہنچا تو معلوم ہوا کہ وہ نہ ختم ہونے والا سمندر ہیں، فوجدتها بحراً لا ينزف (تذکرۃ الحفاظ ترجمہ امام زہری) خود حضرت عمر بن عبدالعزیز فرمایا کرتے تھے کہ مابقي أحدٌ أعلم بحديث عائشة من عمرة (حضرت عائشہؓ کی حدیث کا عالم عمرہ سے بڑھ کر کوئی باقی نہیں رہا) عمرہ کی وفات بہ اختلاف اقوال ۹۸ھ یا ۱۰۳ھ یا ۱۰۶ھ میں ہوئی.

(۱) مقدمہ تنویر الحوالک۔

''ابن حزم نے متعدد کتابیں لکھیں، پر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ قبل اس کے کہ ابن حزم یہ کتابیں ان کی خدمت میں بھیجیں وفات پاگئے۔''

تہذیب التہذیبؒ میں امام مالک سے یہ بھی منقول ہے کہ میں نے ان کتابوں کے متعلق قاضی صاحب کے صاحبزادے عبداللہ بن ابی بکرؒ سے پوچھا تھا، تو انہوں نے جواب دیا کہ "ضاعت" (وہ ضائع ہوگئیں) (۱)

بعض اور روایات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے قاضی ابوبکر بن حزم کے علاوہ مدینہ شریفؒ کے اور علماء کو بھی اس سلسلہ میں لکھا تھا، چنانچہ علامہ سیوطیؒ، تاریخ الخلفاءؒ میں امام زہریؒ سے ناقل ہیں کہ

''حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے سالم بن عبداللہؒ کو لکھا تھا کہ صدقات کے بارے میں حضرت عمرؓ ﷺ کا جو معمول رہا ہے، وہ ان کو لکھ کر بھیجیں، چنانچہ سالمؒ نے جو کچھ انہوں نے پوچھا تھا وہ ان کو لکھ کر بھیجا۔'' (۲)

خود امام زہریؒ کو بھی جن کے بارے میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی شہادت ہے کہ

لم يبق أحد أعلم بسنة ماضية من الزهري (۳)

(۱) تہذیب التہذیب ترجمہ ابوبکر حزمی۔

(۲) تاریخ الخلفاء ص ۱۶۱ طبع مجتبائی دہلی۔

(۳) تذکرۃ الحفاظ ترجمہ امام زہری۔

"گذشتہ سنت کا زہری سے بڑھ کر کوئی عالم باقی نہ رہا۔"

خاص طور پر تدوین سنن پر معمور فرمایا، چنانچہ علامہ ابن عبدالبرؒ "جامع بیان العلم" میں امام زہریؒ کا بیان نقل کرتے ہیں:

**أمرنا عمر بن عبدالعزیز بجمع السنن فکتبناها دفتراً دفتراً فبعث إلی کل أرض له علیها سلطان دفتراً. (۱)**

"ہم کو عمر بن عبدالعزیزؒ نے سنن کے جمع کرنے کا حکم دیا تو ہم نے دفتر کے دفتر لکھ ڈالے اور پھر انہوں نے ہر اس سرزمین پر کہ جہاں ان کی حکومت تھی ایک دفتر بھیجدیا۔"

امام زہریؒ کے ان دفاتر کی ضخامت کا اندازہ لگانا ہو تو معمرؒ کا حسب ذیل بیان پڑھئے۔

"پہلے ہم یوں سمجھتے تھے کہ ہم نے زہریؒ سے بہت کچھ حاصل کیا لیکن جب ولید بن یزیدؒ قتل ہوا تو سرکاری خزانے سے زہری کے علمی دفاتر سواریوں پر بار کر کے لائے گئے۔" (۲)

امام زہریؒ کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے قاضی ابوبکرؒ بن حزم سے پہلے اس فن کی تدوین کی ہے، کیونکہ ان کی جمع کردہ کتابوں کی نقل حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے عہد خلافت میں تمام ممالک محروسہ میں بھیجدی تھی، لیکن قاضی ابوبکرؒ بن حزم ابھی اپنی کتابیں مکمل کر کے بارگاہ خلافت تک بھیجنے

(۱) جامع بیان العلم، باب ذکر الرخصة فی کتاب العلم۔
(۲) تذکرۃ الحفاظ ترجمہ امام زہری۔

بھی نہ پائے تھے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی وفات ہوگئی، اس لحاظ سے اس سلسلہ میں اوّلیت کا سہرا امام زہریؒ کے سر ہے، چنانچہ حافظ ابن عبدالبرؒ جامع بیان العلم میں امام مالکؒ کی تصریح نقل کی ہیں:

أول من دوّن العلم ابن شهاب.

''سب سے پہلے جس نے علم مدون کیا، وہ ابن شہابؒ (زہری) ہیں۔''

مدینہؒ کے ایک اور امام عبدالعزیز دراوردیؒ بھی امام موصوف کے معاصر ہیں، یہی فرماتے ہیں کہ "أول من دوّن العلم وكتبه ابن شهاب." (۱)

بلاشبہ جیسا کہ ان دونوں بزرگوں کی تصریح ہے مدینہ طیبہؒ میں اولیت کا شرف اس بارے میں امام زہریؒ ہی کو حاصل ہے، لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے تدوین احادیث کے لئے صرف اہل مدینہ کو نہیں بلکہ تمام علماء آفاق کو لکھا تھا چنانچہ اس کے متعلق حافظ ابونعیم اصفہانیؒ کی روایت سابق میں آپ کی نظر سے گزر چکی، خود دارالخلافہ دمشقؒ میں اس وقت شامؒ کے مشہور امام اور فقیہ مکحول دمشقیؒ موجود تھے، ابن الندیمؒ نے کتاب الفہرستؒ میں ان کی تصنیفات کے سلسلہ میں کتاب السننؒ کا ذکر کیا ہے، اغلب یہ ہے کہ اس کی تدوین بھی امر خلافت کی تعمیل ہی میں ہوئی ہوگی، مکحولؒ کی جلالت علمی کا اندازہ کرنا ہو تو خود امام زہریؒ کا حسب ذیل بیان پڑھئے۔

''علماء چار ہیں: (۱) سعید بن المسیبؒ، مدینہؒ میں. (۲) شعبیؒ، کوفہؒ میں. (۳) حسن بصریؒ، بصرہؒ میں، اور (۴) مکحولؒ، شامؒ میں.'' (۲)

---

(۱) جامع بیان العلم، باب ذکر الرخصۃ فی کتاب العلم۔

(۲) الاکمال فی اسماء الرجال از صاحب مشکوۃ ترجمہ مکحول۔

امام اوزاعیؒ نے فقہ کی تعلیم ان ہی سے حاصل کی تھی، چنانچہ کتب رجال میں ان کے وصف میں "معلّم الأوزاعی" کے الفاظ خصوصیت سے نقل کئے جاتے ہیں۔(۱)

علامہ التابعین امام شعبیؒ کے متعلق بھی علامہ سیوطیؒ، تدریب الراویؒ میں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ سے ناقل ہیں کہ

**أما جمع حديث إلى مثله فقد سبق إليه الشعبي، فإنه روى عنه أنه قال هذا باب من الطلاق جسيم وساق فيه أحاديث.(۲)**

"ایک مضمون کی حدیثوں کے جمع کرنے کا کام سب سے پہلے امام شعبیؒ نے کیا کیونکہ ان سے مروی ہے کہ انھوں نے بیان کیا "هذا باب من الطلاق جسيم" (یہ طلاق کا ایک بڑا باب ہے) اور پھر اس کے متعلق حدیثیں روایت کیں۔"

امام شعبیؒ کتابت علم کے قائل نہ تھے، اس لئے ظاہر ہے کہ احادیث کے جمع کرنے کا یہ کام انہوں نے محض خلیفۂ عادل کے حکم کی تعمیل ہی میں کیا ہوگا، بالخصوص جبکہ امام یحییٰ بن معینؒ نے تصریح کی ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ان کو عہدۂ قضا تفویض کیا تھا (۳) حافظ ذہبیؒ نے تذکرۃ الحفاظؒ میں لکھا ہے کہ یہ کوفہ میں قاضی تھے، (۴) شعبیؒ کے بارے میں امام زہریؒ کی رائے ابھی آپ کی نظر سے گزری، مکحولؒ کا قول ہے

**ما رأيت أعلم من الشعبي.**

"شعبیؒ سے بڑا عالم میری نظر سے نہیں گزرا"

(۱) الاکمال فی اسماء الرجال از صاحب مشکوۃ ترجمہ مکحول۔ (۲) تدریب الراوی ص ۲۴ طبع مصر ۱۳۰۷ھ۔
(۳) تہذیب التہذیب ترجمہ امام شعبی۔ (۴) تذکرۃ الحفاظ، ترجمہ امام شعبی۔

ابومجلز کہتے ہیں:

**ما رأيت أحدا أفقه من الشعبي لا سعيد بن المسيب ولا طاؤس ولا عطاء ولا الحسن ولا ابن سيرين.**

''شعبی سے بڑھ کر کوئی فقیہ میں نے نہ دیکھا، نہ سعید بن المسیب، نہ طاؤس، نہ عطا، نہ حسن بصری اور نہ ابن سیرین۔''

عاصم احول کا بیان ہے:

**مارأيت أحداً أعلم بحديث أهل الكوفة والبصرة والحجاز من الشعبي.**

''میں نے اہل کوفہ، اہل بصرہ اور اہل حجاز کی حدیثوں کا شعبی سے بڑھ کر عالم نہیں دیکھا''

خود شعبی کا بیان ہے کہ میں نے پانچ سو صحابہ کو پایا ہے، ابن شبرمہ نے ایک مرتبہ امام شعبی کو یوں فرماتے سنا کہ ''بیس سال ہوئے کبھی کسی شخص سے کوئی ایسی حدیث نہیں سنی کہ جس کا مجھے اس سے زیادہ علم نہ ہو''(۱) فن حدیث میں یہ امام اعظم کے اکابر شیوخ میں شمار کئے جاتے ہیں، چنانچہ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں جہاں ان کے تلامذۂ فن حدیث میں امام ابوحنیفہ کا نام لیا ہے، ساتھ ہی یہ بھی تصریح کر دی ہے ''وهو أكبر شيخ لأبي حنيفة'' (کہ یہ امام ابوحنیفہ کے بڑے شیخ ہیں)۔

امام زہری، امام مکحول اور امام شعبی ان تینوں میں سب سے پہلے امام شعبی نے قضا کی، کیونکہ ان کی وفات بہ اختلاف اقوال ۱۰۳ھ سے لیکر ۱۱۰ھ کے اندر اندر ہوئی ہے اور امام مکحول نے بہ اختلاف اقوال ۱۱۲ھ سے لیکر ۱۱۸ھ کے اندر انتقال کیا

(۱) یہ سب اقوال تذکرۃ الحفاظ میں امام شعبی کے ترجمہ میں مذکور ہیں۔

ہے، اور امام زہری نے ۱۲۳ھ یا ۱۲۴ھ یا ۱۲۵ھ میں قضا کی ہے۔

چونکہ یہ تینوں ائمہ باہم معاصر ہیں (گو امام شعبیؒ عمر اور علم میں ان دونوں سے بڑے تھے) اس لئے یقین کے ساتھ تو یہ فیصلہ کرنا سخت مشکل ہے کہ سب سے پہلے اس موضوع پر کس نے قلم اٹھایا، تاہم حسب تصریح امام مالکؒ و دراوردیؒ اگر "اس علم کے پہلے مدون امام ابن شہاب زہریؒ ہیں" (بشرطیکہ اس اولیت کو مدینہ کے ساتھ خاص نہ سمجھا جائے بلکہ تمام بلادِ اسلامیہ کے اعتبار سے عام رکھا جائے) تو امام شعبیؒ کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ احادیث نبوی کی تبویب سب سے پہلے انھیں نے کی ہے، اس لئے تدوین حدیث کی اولیت کا سہرا اگر علماء اہل مدینہ کے سر ہے تو اس کی تبویب کی اولیت کا شرف یقیناً علماء اہل کوفہ کو حاصل ہے۔

## دوسری صدی ہجری کی تصنیفات

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ۲۵/رجب ۱۰۱ھ کو انتقال کیا، آپ کی مدتِ خلافت کل دو سال پانچ ماہ ہے، امام شعبیؒ، امام زہریؒ، امام مکحولؒ دمشقی اور قاضی ابوبکر حزمیؒ کی تصانیف اسی عہدِ عمری کی یادگار ہیں اور اغلب یہ ہے کہ ان تصنیفات کا بیشتر حصہ پہلی صدی کے ختم ہونے سے پہلے تیار ہو چکا تھا۔

بہر حال پہلی صدی کے آخر میں خلیفہ راشد کے حکم سے کبار ائمہ تابعین نے جمع و تدوین حدیث کا دروازہ کھولا اور دوسری صدی ہجری میں اس سلسلہ کو اتنی ترقی ہوئی کہ احادیث مرفوعہ ایک طرف صحابہ کے آثار اور تابعین کے فتاوی اور اقوال تک ایک ایک کر کے اس عہد کی تصنیفات میں مرتب و مدون کر دیئے گئے۔

## کتاب الآثار

فقیہ وقت حماد بن ابی سلیمانؒ کی وفات کے بعد ۱۲۰ھ میں امام ابوحنیفہؒ جب جامع کوفہؒ کی اس مشہور علمی درسگاہ میں مسند فقہ وعلم پر جلوہ آرا ہوئے کہ جو عبداللہ بن مسعودؓ (۱) کے زمانہ سے باقاعدہ طور پر چلی آرہی تھی، تو آپ نے جہاں علم کلام کی بنیاد ڈالی، فقہ کا عظیم الشان فن مدون کیا، وہیں علم حدیث کی ایک اہم ترین خدمت یہ انجام دی کہ احادیث احکام میں سے صحیح اور معمول بہ روایات کا انتخاب فرما کر ایک مستقل تصنیف میں ان کو ابواب فقہیہ پر مرتب کیا، جس کا نام کتاب الآثارؒ ہے، اور آج امت کے پاس احادیث صحیحہ کی سب سے قدیم ترین کتاب یہی ہے، جو دوسری

(۱) شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء میں تصریح کی ہے کہ فقہ میں آنحضرت ﷺ کی خلافت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے حصہ میں آئی تھی، چنانچہ فرماتے ہیں:

چوں لوازم خلافت خاصہ مبین شد، الحال باید شناخت کہ جمعے کثیر از صحابہ بفیض صحبت آنحضرت ﷺ قدر متیسر ازیں اوصاف حاصل کردہ بودند بعض ایشاں بخلافت مقیدہ فائز گشتہ مانند عبداللہ بن مسعودؓ در قرأت وفقہ. (ازالۃ الخفاص ۱۸ طبع صدیقی بریلی ۱۲۸۶ھ) ”اور جب خلافت خاصہ کے لوازم بیان کردئے گئے تو اب معلوم کرنا چاہئے کہ صحابہ کی ایک کثیر جماعت نے آنحضرت ﷺ کے فیض صحبت سے ان اوصاف کا ایک معتد بہ حصہ حاصل کیا تھا، اور بعض ان میں سے خلافت مقیدہ پر فائز ہوئے تھے، جیسے کہ قرأت اور فقہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہوئے ہیں۔“

اور اسی چیز کی مزید تشریح شاہ صاحب نے دوسرے مقام پر اس طرح کی ہے:

وازلوازم خلافت خاصہ آنست کہ قول خلیفہ حجت باشد در دین نہ باں معنی کہ تقلید عوام مسلمین اُو را صحیح باشد زیرا کہ ایں معنی از لوازم اجتہاد است و در خلافت عامہ بیان آں گذشت و نہ بہ آں معنی کہ خلیفہ فی نفسہ بے اعتماد بر تنبیہ آنحضرت ﷺ واجب الطاعت باشد زیرا کہ ایں معنی غیر نبی را میسر نیست بلکہ مراد اینجا منزلتے ست بین المنزلتین۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

صدی کے رُبع ثانی کی تالیف ہے، امام ابوحنیفہ سے پہلے حدیث نبوی کے جتنے صحیفے اور مجموعے لکھے گئے، ان کی ترتیب فنی نہ تھی بلکہ ان کے جامعین نے کیف ما اتفق جو حدیثیں ان کو یاد تھیں انھیں قلمبند کر دیا تھا، امام شعبیؒ نے بیشک بعض مضامین کی حدیثیں ایک ہی باب کے تحت لکھی تھیں، لیکن وہ پہلی کوشش تھی جو غالباً چند ابواب سے آگے نہ بڑھ سکی، علاوہ ازیں شعبیؒ کے الفاظ "**هذا باب من الطلاق جسيم**" سے پتہ چلتا ہے کہ انھوں نے باب کو ٹھیک ان معنوں میں استعمال کیا ہے کہ جس معنی میں بعد کے مصنفین لفظ "کتاب" کا استعمال کرتے ہیں، اس لئے احادیث کو کتب وابواب پر پوری طرح مرتب کرنے کا کام ابھی باقی تھا، جس کو امام ابوحنیفہؒ نے کتاب الآثار تصنیف کر کے نہایت ہی خوش اسلوبی کے ساتھ مکمل فرمایا اور بعد کے ائمہ کے

---

(پچھلے صفحہ کا بقیہ) تفصیل ایں صورت آنست کہ آنحضرت ﷺ حوالہ فرمودہ اند بعض امور را بشخصے بخصوص اسم او پس لازم شود متابعت او چنانکہ لازم می شود متابعت امراء جیوش آنحضرت ﷺ بمقتضائے امر آنحضرت ﷺ وایں خصلت در خلفاء راشدین ہماں می ماند کہ قول زید بن ثابت را در فرائض مقدم باید ساخت بر اقوال مجتہدین دیگر وقول عبداللہ بن مسعود در قراٴت وفقہ. (ازالۃ الخفاء، ص ۱۵) "اور خلافت خاصہ کے لوازم میں سے ایک یہ بھی ہے کہ خلیفہ کا قول دین میں حجت ہو بایں معنی نہیں کہ عوام مسلمین کے لئے اس کی تقلید صحیح ہے، کیونکہ یہ چیز تو لوازم اجتہاد میں سے ہے اور خلافت عامہ کے سلسلہ میں اس کا بیان گذر چکا اور بایں معنی بھی نہیں کہ خلیفہ آنحضرت ﷺ کی طرف سے اجازت ہوئے بغیر بھی واجب الطاعت ہے، کیونکہ یہ بات نبی کے علاوہ اور کسی کو میسر نہیں بلکہ اس جگہ ان دونوں کے مابین جو درجہ ہے وہ مراد ہے۔

اس صورت کی تفصیل یہ ہے کہ آں حضرت ﷺ نے بعض امور کو خاص طور پر کسی ایک شخص کا نام لیکر اس کے حوالہ فرمایا ہے اس لئے اس شخص کی اتباع اسی طرح ضروری ہے جس طرح کہ آپ کے لشکر کے امراء کی اتباع خود آپ کے بموجب لازم ہے اور یہ بات خلفاء راشدین کے بارے میں بالکل اسی طرح ہے جس طرح سے کہ زید بن ثابت کے قول کو فرائض (علم میراث) میں اور حضرت عبداللہ بن مسعود کے قول کو قراٴت اور فقہ میں دوسرے مجتہدین کے اقوال پر مقدم رکھنا چاہئے۔

لئے ترتیب وتبویب کا ایک عمدہ نمونہ قائم کردیا۔

ممکن ہے کہ بعض لوگ کتاب الآثار کو احادیث صحیحہ کا اولین مجموعہ بتانے پر چونکیں، اس لئے اس حقیقت کو آشکارا کرنا نہایت ضروری ہے کہ جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ صحیح بخاری سے پہلے کوئی کتاب احادیث صحیحہ کی مدون نہیں کی گئی وہ سخت غلط فہمی میں مبتلا ہیں، حافظ سیوطیؒ، تنویر الحوالکؒ میں لکھتے ہیں:

**وقال الحافظ مغلطائي أول من صنف الصحيح مالک، وقال الحافظ ابن حجر كتاب مالک صحيح عنده و عند من يقلده على ما اقتضاه نظره من الإحتجاج بالمرسل و المنقطع وغيرهما، قلت ما فيه من المراسيل فإنها مع كونها حجة عنده بلا شرط وعند من وافقه من الأئمة على الإحتجاج بالمرسل فهي حجة أيضاً عندنا لأن المرسل عندنا حجة إذا اعتضد وما من مرسل في المؤطا إلا وله عاضد أوعواضد كما سأبيّن ذلک في هذا الشرح فالصواب إطلاق أن المؤطا صحيح كله لا يستثنىٰ منه شيئى. (۱)**

"اور حافظ مغلطائیؒ نے کہا ہے کہ پہلے جس نے صحیح تصنیف کی وہ مالکؒ ہیں، حافظ ابن حجرؒ کا بیان ہے کہ مالکؒ کی کتاب خود ان کے نزدیک اور ان کے مقلدین کے نزدیک صحیح ہے، کیونکہ ان کی نظر مرسل اور منقطع وغیرہ سے احتجاج کی مقتضی ہے (سیوطیؒ کہتے

(۱) تنویر الحوالک ج ۱ ص ۴ طبع مصر ۱۳۴۳ھ

ہیں) میں کہتا ہوں مؤطا میں جو مراسیل ہیں، وہ علاوہ اس امر کے کہ وہ بلا کسی شرط کے مالک اور ان ائمہ کے نزدیک کہ جو مرسل کو ان کی طرح سند مانتے ہیں، حجت ہیں، ہمارے نزدیک بھی حجت ہیں، کیونکہ ہمارے نزدیک جب مرسل کا کوئی مؤید موجود ہو تو وہ حجت ہوتی ہے اور مؤطا میں کوئی مرسل روایت ایسی موجود نہیں کہ جس کا ایک یا ایک سے زائد مؤید موجود نہ ہو، چنانچہ میں اپنی اس شرح میں اس کو بیان کروں گا، اس لئے حق یہی ہے کہ کل مؤطا کو صحیح کہا جائے اور اس سے کسی چیز کو مستثنیٰ نہ کیا جائے۔"

امام سیوطی نے حافظ مغلطائی کے جس بیان کا حوالہ دیا ہے، وہ خود ان کی زبان سے سننا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے، علامہ محمد امیر یمانی، "توضیح الأفکار شرح تنقیح الانظار" میں رقمطراز ہیں کہ

أول من صنف في جمع الصحيح البخاري، هذا كلام ابن الصلاح، قال الحافظ ابن حجر أنه اعترض عليه الشيخ مغلطائي فيما قرأه بخطه فإنّ مالكاً أول من صنف الصحيح، وتلاه أحمد بن حنبل وتلاه الدارمي قال وليس لقائل أن يقول لعله أراد الصحيح المجرد فلا يرد كتاب مالك لأن فيه البلاغ والموقوف والمنقطع والفقه وغير ذلك لوجود ذلك في كتاب البخاري، انتهى. (۱)

(۱) توضیح الافکار ج ا ص ۳۷، ۳۸ طبع مصر ۱۳۶۶ھ۔

''پہلے جس نے جمع صحیح میں تصنیف کی، وہ بخاریؒ ہیں، یہ ابن صلاحؒ کا بیان ہے حافظ ابن حجرؒ نے کہا ہے کہ اس پر شیخ مغلطائیؒ نے اعتراض کیا ہے، چنانچہ انھوں نے خود ان کی تحریر میں پڑھا ہے کہ ''پہلے جس نے صحیح تصنیف کی وہ مالکؒ ہیں، ان کے بعد احمد بن حنبلؒ اور پھر دارمیؒ اور کسی کو یہ اعتراض کا حق نہیں کہ غالباً ابن صلاحؒ کی مراد صحیح سے صحیح مجرد ہے، لہٰذا مالکؒ کی کتاب اس سلسلہ میں پیش نہیں کی جاسکتی، کیونکہ اس میں بلاغ، موقوف، منقطع، اور فقہ وغیرہ بھی موجود ہے، اس لئے کہ یہ سب چیزیں تو بخاریؒ کی کتاب میں بھی پائی جاتی ہیں۔''

بلاشبہ علامہ مغلطائیؒ کے نزدیک اس بارے میں اولیت کا شرف امام مالکؒ کو حاصل ہے، لیکن کتاب الآثار، مؤطا سے پہلے کی تصنیف ہے، جس سے خود مؤطاؒ کی تالیف میں استفادہ کیا گیا ہے چنانچہ حافظ سیوطیؒ تبییض الصحیفۃ فی مناقب الإمام أبي حنیفۃ میں تحریر فرماتے ہیں:

**من مناقب أبي حنیفة التي انفرد بها أنه أول من دوّن علم الشریعة ورتبه أبواباً، ثم تبعه مالک بن أنس في ترتیب المؤطا ولم یسبق أباحنیفة أحد.** (۱)

''امام ابوحنیفہؒ کے ان خصوصی مناقب میں سے کہ جن میں وہ منفرد ہیں ایک یہ بھی ہے وہی پہلے شخص ہیں جنھوں نے علم

(۱) تبیض الصحیفہ ص ۳۶، طبع دائرۃ المعارف حیدرآباد، دکن ۱۳۳۴ھ۔

شریعت کو مدون کیا اور اس کی ابواب پر ترتیب کی، پھر امام مالکؒ
ابن انس نے موطاؒ کی ترتیب میں ان ہی کی پیروی کی اور اس
بارے میں امام ابو حنیفہؒ پر کسی کو سبقت حاصل نہیں۔"

امام ابو حنیفہؒ کی تصانیف سے امام مالکؒ کے استفادہ کا ذکر کتب تاریخ میں صراحت سے مذکور ہے، قاضی ابو العباسؒ احمد بن محمد بن عبداللہ بن ابی العوام، اُخبار اُبی حنیفہؒ میں بسند متصل عبدالعزیز بن محمد دراوردیؒ سے روایت کرتے ہیں کہ امام مالکؒ، امام ابو حنیفہؒ کی کتابوں کا مطالعہ کرتے اور ان سے نفع اندوز ہوتے تھے۔ (۱)

(۱) اقوم المسالک فی بحث روایۃ مالک عن ابی حنیفہ، وروایۃ ابی حنیفہ عن مالک، از محدث کوثری، ص ۶۸، یہ کل چھ صفحات کا رسالہ ہے جو احقاق الحق طبع مصر ۱۳۶۰ھ کے آخر میں ملحق ہے، بعض علماء نے امام مالک سے رواۃ کے سلسلہ میں جہاں ان کے بعض مشائخ مثلاً امام زہری، ربیعۃ الرای، یحیی بن سعید انصاری وغیرہ کا نام لیا ہے امام ابوحنیفہ کے متعلق بھی تصریح کی ہے کہ یہ امام مالک سے حدیث روایت کرتے ہیں اور حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں اشہب کی زبانی نقل کیا ہے کہ رأیت أبا حنیفة بین یدي مالک کالصبي بین یدي أبیه "میں نے امام ابوحنیفہ کو امام مالک کے سامنے اس طرح دیکھا جس طرح بچہ اپنے باپ کے سامنے ہو۔"

علامہ شبلی نعمانی اور مولانا سید سلیمان ندوی نے اسی بنا پر یہ خیال کیا ہے کہ امام ابوحنیفہ کو باقاعدہ امام مالک سے فن حدیث میں تلمذ تھا اور وہ ان کے حلقہ درس میں حاضر ہوتے تھے چنانچہ علامہ شبلی نعمانی، سیرۃ النعمان میں فرماتے ہیں:

"اس عظمت کے ساتھ امام صاحب کو طلب علم میں کسی سے عار نہ تھی، امام مالک عمر میں ان سے تیرہ برس کم تھے، ان کے حلقۂ درس میں بھی اکثر حاضر ہوئے اور حدیثیں سنیں، علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا ہے کہ "امام مالک کے سامنے ابوحنیفہ اس طرح مؤدب بیٹھتے تھے، جس طرح شاگرد استاد کے سامنے بیٹھتا ہے۔" اس کو بعض کوتاہ بینوں نے امام کی کسر شان پر محمول کیا ہے، لیکن ہم اس کو علم کی قدر شناسی اور شرافت کا تمغہ سمجھتے ہیں، امام مالک بھی ان کا نہایت احترام کرتے تھے، عبداللہ بن مبارک کی زبانی (بقیہ اگلے صفحہ پر)

## کتاب الآثار میں جو احادیث ہیں وہ موطا کی روایت سے قوت و صحت میں کم نہیں، ہم نے خود اس کے ایک ایک راوی کو جانچا اور ایک ایک روایت کو پرکھا ہے

(پچھلے صفحہ کا بقیہ) منقول ہے کہ میں امام مالک کی خدمت میں حاضر تھا ایک بزرگ آئے، جن کی انھوں نے نہایت تعظیم کی اور اپنے برابر بیٹھایا اور ان کے جانے کے بعد فرمایا "جانتے ہو یہ کون شخص تھا، یہ ابوحنیفہ عراقی تھے، جو اس ستون کو سونے کا ثابت کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں." ذرا دیر کے بعد ایک اور بزرگ آئے امام مالک نے ان کی بھی تعظیم کی، لیکن نہ اس قدر جتنی ابوحنیفہ کی کی تھی، وہ اٹھ گئے، تو لوگوں سے کہا یہ سفیان ثوری تھے. (ص ۷۴ طبع مفید عام آگرہ ۱۸۹۲ء)

اور مولانا سید سلیمان ندوی، حیات امام مالک میں امام ممدوح کی مجلس کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
"تمام لوگ سرنگوں خاموش بیٹھے تھے یہاں تک کہ امام ابوحنیفہ بھی جب امام کی مجلس درس میں آکر شریک ہوئے تو وہ بھی اسی طرح مؤدب ہوکر بیٹھے." (ص ۳۲) اور پھر امام مالک کے تلامذہ و مستفیدین کے سلسلہ میں امام ابوحنیفہ کا نام لکھ کر حاشیہ میں رقمطراز ہیں:۔

"رواۃ مالک للخطیب البغدادی، ابن عساکر، مسند امام ابوحنیفہ لابن خسرو، دار قطنی کتاب الذبائح، بدرالدین زرکشی فی النکت علی ابن الصلاح، مسند ابوحنیفہ لأبی الضیاء، اکمال الاکمال قلمی کتب خانہ بانکی پور (فن حدیث نمبر ۴۲۷) شرح زرقانی (ج ۱ ص ۳) تزئین الممالک سیوطی، محلی شرح موطا مولانا عبدالسلام حنفی قلمی مقدمہ. ان تمام کتابوں میں امام ابوحنیفہ کے استفادہ کا ذکر ہے۔"

بلاشبہ امام اعظم کے لئے اگرچہ وہ طبقہ میں امام مالک سے بڑے ہیں یہ چیز قطعاً باعث عار نہیں کہ وہ امام مالک کے حلقۂ درس میں بیٹھیں اور ان سے حدیثوں کا سماع کریں، بلکہ محدثین کا یہ قول ہے کہ ایک محدث اس وقت تک کامل نہیں ہوتا جب تک کہ وہ اعلیٰ، ہمسر اور کمتر تینوں طبقوں سے روایت نہ کرے (مقدمہ ابن صلاح ص ۱۱۳ طبع حلب) امام مالک تو بہرحال امام صاحب کے اقران میں سے ہیں امام صاحب نے تو اپنے تلامذہ تک سے حدیثیں روایت کی ہیں، چنانچہ امام خراسان ابراہیم بن طہمان کے ذکر میں اس کی تصریح گزر چکی ہے لیکن اولاً تو روایت اقران کے لئے حلقۂ درس میں حاضر ہونا ضرور نہیں، مذاکرہ کے ضمن میں بھی روایت ہوسکتی ہے، ثانیاً امام ابوحنیفہ کا امام مالک سے حدیث روایت کرنا خود محتاج ثبوت ہے، حافظ ابن حجر عسقلانی النکت علی مقدمة ابن الصلاح میں لکھتے ہیں: (بقیہ اگلے صفحہ پر)

اور جس طرح موطا کے مراسیل کے موید موجود ہیں اسی طرح اس کے مراسیل کا حال ہے، اس لئے صحت کے جس معیار پر حافظ مغلطائی اور حافظ سیوطی کے نزدیک موطا

(پچھلے صفحہ کا بقیہ) إنّ أبا حنيفة لم تثبت روايته عن مالك وإنما أورده الدار قطني ثم الخطيب في الرواة عنه لروايتين وقعتا لهما بإسنادين فيهما مقال وهما لم يلتزما في كتابيهما الصحة. (نکت ابن حجر کا قلمی نسخہ کتب خانہ پیر جھنڈو حیدرآباد سندھ میں ہماری نظر سے گزرا ہے اور یہ عبارت اسی سے نقل کی ہے۔)

"بلاشبہ امام ابوحنیفہ کا امام مالک سے روایت کرنا ثابت نہیں اور دار قطنی اور ان کے بعد خطیب نے رواۃ مالک میں اس کو محض اس لئے بیان کیا کہ ان کو ایسی دو روایتیں ملی تھیں، یہ دونوں روایتیں دو مختلف اسناد سے ہیں ان دونوں کی صحت میں کلام ہے، اور خود دار قطنی اور خطیب نے اپنی ان دونوں کتابوں میں صحت کا التزام نہیں کیا ہے۔"

اور ذہبی نے اشہب سے کچھ نقل کیا ہے وہ بھی صحیح نہیں ہے، محدث محمد زاہد کوثری، اقوام المسالک میں فرماتے ہیں:

فما يرويه الذهبي في ترجمة مالك في طبقات الحفاظ عن أشهب لايصح إلا إذا كان في حق حماد بن أبي حنيفة دون أبيه لان ميلاد أشهب (۱۴۵ھ) كما يقول ابن يونس إن لم يكن لدة الشافعي ومثله لا يمكن أن يرحل من مصر إلى المدينة المنورة ويروي أبا حنيفة عند مالك أصلا (ص ۷)

"طبقات الحفاظ میں امام مالک کے ترجمہ میں جو کچھ ذہبی اشہب سے نقل کرتے ہیں وہ صحیح نہیں، بجز اس کے کہ یہ بیان حماد بن ابی حنیفہ کے متعلق ہو، نہ کہ خود ان کے والد ماجد کے متعلق، کیونکہ اشہب کا سنہ ولادت جس صورت میں کہ ان کو امام شافعی کا ہمسن نہ تسلیم کیا جائے، حسب بیان ابن یونس ۱۴۵ھ ہے اور اس عمر کے بچہ کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ مصر سے سفر کر کے مدینہ منورہ جائے اور امام ابوحنیفہ کو امام مالک کے یہاں دیکھ سکے۔"

اور مولانا سید سلیمان ندوی نے اس سلسلہ میں جن کتابوں کے حوالے دیئے ہیں ان میں بجز موخر الذکر چار کتابوں کے غالباً بقیہ کتب سے مولانا نے براہ راست مراجعت نہیں کی ہے، بلکہ ان ہی کتابوں سے ان کے بھی حوالے نقل کر دیئے ہیں، ابن عساکر، دار قطنی اور مسند ابن خسرو کی سند میں عمران بن عبدالرحیم موجود ہے، جس کے بارے میں حافظ سلیمان نے تصریح کی ہے کہ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

صحیح قرار پائی ہے، ٹھیک اسی معیار پر کتاب الآثار صحیح اترتی ہے، موطا کو کتاب الآثار سے وہی نسبت ہے جو صحیح مسلم کو صحیح بخاری سے ہے۔

(پچھلے صفحہ کا بقیہ) هو الذي وضع حديث أبي حنيفة عن مالك (میزان الاعتدال، امام ذہبی)

''ابوحنیفہ عن مالک والی روایت اسی نے وضع کی ہے۔''

دارقطنی نے یہ روایت ''کتاب الذبائح'' میں نہیں بلکہ کتاب المُدَبَّج میں کی ہے، جو ان کی مشہور تصنیف ہے اور جس کا موضوع روایات اقران کا بیان ہے (تدریب الراوی ص ۴۰) اور تزئین الممالک میں اس مقام پر اس کی بجائے کتاب الذبائح غلط طبع ہو گیا ہے اور محدث ابن خسرو نے اپنی مسند میں جہاں اس کو روایت کیا ہے پہلے ہی تصریح کر دی ہے کہ

''حافظ ابوعبداللہ محمد بن مخلد العطار نے اس روایت کو اپنی کتاب ماروا ہ الاکابر عن مالک میں بواسطہ حماد بن ابی حنیفہ عن مالک نقل کیا ہے اور اس سند میں امام ابوحنیفہ کا ذکر نہیں ہے۔''

(ملاحظہ ہو جامع مسانید الامام الاعظم از خوارزمی ج ۲ ص ۱۱۹ طبع دائرۃ المعارف ۱۳۳۲ھ)

ابن عساکر کا حوالہ محلی میں موجود ہے، مگر صاحب محلی نے ''کتاب النکاح'' میں خود امام سیوطی کے حوالہ سے اس حدیث کے متعلق یہ نقل کر دیا ہے:

قيل انه رواه عنه أبوحنيفة ولم يصح.

''کہا گیا ہے کہ اس روایت کو امام مالک سے امام ابوحنیفہ نے روایت کیا ہے مگر یہ صحیح نہیں ہے۔''

مسند ابوحنیفہ لابن الضیاء کا حوالہ تزئین الممالک میں مذکور ہے مگر صاحب تزئین نے مسند مذکور سے جو حدیث نقل کی ہے وہ کتاب الآثار امام محمد کی ہے اور امام محمد اس کو براہ راست امام مالک سے روایت کرتے ہیں، صاحب مسند نے امام ابوحنیفہ کا نام، اس کی اسناد میں غلطی سے، درج کر دیا ہے، مسند ابوحنیفہ لابن الضیا اصل میں جامع مسانید الامام الاعظم للخوارزمی کا اختصار ہے اور جامع مسانید میں یہ روایت کتاب الآثار ہی کے حوالہ سے درج ہے۔

محلی شرح موطا کے مصنف کا نام عبدالسلام نہیں بلکہ شیخ سلام اللہ ہے انھوں نے بلاشبہ مواہب کے حوالہ سے اس کو نقل کیا ہے لیکن ساتھ ہی حاشیہ پر یہ تنبیہ بھی تحریر فرما دیا ہے کہ

أما نقل المواهب فمستبعد عن العقل ولا يقبل الذهن لأن أباحنيفة كان ابن عشرين سنة، مجتهداً عالماً حين راه مالك ولم يثبت هذا عند أحد غير الدارقطني وإن قال أن مالكا روى عن ابي حنيفة فجائز. (محلی کا قلمی نسخہ میرے پاس موجود ہے) (بقیہ اگلے صفحہ پر)

اسنادو روایت کے اعتبار سے کتاب الآثار کی مرویات کا کیا درجہ ہے اس کا اندازہ آپ اس سے لگا سکتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کی نظرِ انتخاب نے چالیس ہزار (۱) احادیث کے مجموعہ سے چن کران کو روایت کیا ہے، صدرالائمہ موفق بن احمد مکی تحریر فرماتے ہیں۔

وانتخب أبو حنيفة رحمه اللّٰه الأثار من أربعين ألف حديث (مناقب الأمام الاعظم از صدر الأئمہ ج اص ۹۵)

(پچھلے صفحہ کا بقیہ) ''مواہب کی نقل عقل سے بعید ہے اور ذہن اس کو قبول نہیں کرتا، کیونکہ امام مالک نے جس وقت امام ابوحنیفہ کو دیکھا ہے، اس وقت امام ابوحنیفہ کی عمر بیس سال کی تھی اور وہ مجتہد اور عالم ہو چکے تھے، نیز بجز دارقطنی کے یہ کسی کے نزدیک ثابت بھی نہیں ہاں اگر صاحب مواہب یہ کہتا کہ امام مالک نے امام ابوحنیفہ سے روایت کی ہے تو یہ ہوسکتا ہے۔''

محدث ناقد علامہ محمد زاہد کوثری کا رسالہ اقوم المسالک اس بحث میں قابل دید ہے اور نہایت اہم قیمتی معلومات پر مشتمل ہے۔

(۱) یہ چالیس ہزار متون احادیث کا ذکر نہیں اسانید کا ہے اور جیسا کہ سابق میں گزرا، اس تعداد میں صحابہ کرام کے اقوال اور تابعین کے فتاوے بھی داخل ہیں کیونکہ خلف کی اصطلاح میں ان سب کے لئے حدیث اور اثر کا لفظ استعمال ہوتا تھا، امام اعظم کے زمانہ میں احادیث کے طرق و اسانید کی تعداد چالیس ہزار سے متجاوز نہ تھی، بعد کو بخاری و مسلم کے عہد میں یہی تعداد لاکھوں تک جا پہنچی کیونکہ ایک شیخ نے کسی حدیث کو مثلاً دس شاگردوں سے بیان کیا اب وہ محدثین کی اصطلاح میں دس اسانید اور دس طرق ہو گئے، اگر آپ مؤطا اور کتاب الآثار کی احادیث کی تخریج بقیہ کتب حدیث سے کریں تو ایک ایک متن کے دسیوں بیسیوں طریقے اور اسناد مل جائیں گی۔

اب متون احادیث صحیحہ کی اصل تعداد بھی سن لیجئے، امام ابوجعفر محمد بن الحسین بغدادی نے کتاب التمیز میں امام سفیان ثوری، شعبہ، یحیی بن سعید القطان، عبدالرحمٰن بن مہدی اور احمد بن حنبل، ان سب اکابر ائمہ حدیث کا متفقہ بیان اس سلسلہ میں یہ نقل کیا ہے،:

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

''امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے کتاب الآثار کا انتخاب چالیس ہزار احادیث سے کیا ہے۔''

اور امام حافظ ابو یحیی زکریا بن یحیی نیشاپوری المتوفی ۲۹۸ھ جو ارباب صحاح ستہ کے معاصر ہیں، اپنی کتاب مناقب ابی حنیفہ میں خود امام اعظم سے بہ سند نقل کرتے ہیں کہ

عندي صناديق من الحديث ما أخرجت منها إلا اليسير الذي ينتفع به. (مناقب موفق ج ۱ ص ۱۹۵)

''میرے پاس حدیث کے صندوق بھرے ہوئے موجود ہیں، مگر میں نے ان میں سے تھوڑی حدیثیں نکالی ہیں، جن سے لوگ نفع اندوز ہوں۔''

امام اعظم کی اس احتیاط کا بڑے بڑے محدثین نے اقرار کیا ہے، چنانچہ حافظ ابو محمد عبداللہ حارثی بسند متصل وکیع سے جو حدیث کے بہت بڑے امام ہیں (۱)

---

(پچھلے صفحہ کا بقیہ) إن جملة الأحاديث المسندة عن النبي ﷺ يعني الصحيحة لاتكرير أربعة الاف وأربع مائة حديث (توضیح الافکار، از امیر یمانی (ص ۶۳ طبع مصر)۔

''ان تمام حدیث صحیحہ غیر مکررہ کی تعداد کہ جو آنحضرت ﷺ سے مسنداً مروی ہیں، ''چار ہزار چار سو ہے۔''

ان میں احکام حلال وحرام یعنی احادیث فقہیہ کی تعداد یحیی بن سعید القطان اور عبدالرحمن بن مہدی نے آٹھ سو (توضیح الافکار) اور عبد بن المبارک نے نوسو اور امام ابو یوسف نے گیارہ سو بتائی ہے (رسالہ امام ابوداؤد ص ۵ و ۶ طبع مصر ۱۳۶۹ھ) ظاہر ہے کہ امام ابو یوسف چونکہ فقہ اور اجتہاد کے اعتبار سے ان تینوں سے ممتاز ہیں اس لئے اس بارے ان ہی کی تصریح زیادہ قابل قبول ہے۔

(۱) امام احمد بن حنبل کا بیان ہے کہ ''میں نے وکیع سے بڑھ کر علم کا جامع اور حدیث کا حافظ نہیں دیکھا'' یحیی بن معین فرماتے ہیں ''ان سے افضل شخص میری نظر سے نہیں گزرا۔ (تذکرۃ الحفاظ، ترجمہ وکیع)

نقل کرتے ہیں:

**أخبرنا القاسم بن عباد سمعت يوسف الصفار يقول سمعت وكيعاً يقول لقد وجد الورع عن أبي حنيفة في الحديث مالم يوجد عن غيره** (مناقب صدر الائمہ موفق ج۱ص۱۹۷)

''کہ جیسی احتیاط امام ابوحنیفہؒ سے حدیث میں پائی گئی کسی دوسرے سے نہ پائی گئی۔''

اسی طرح علی بن الجعد جوہریؒ سے کہ جو حدیث کے بہت بڑے حافظ (۱) اور امام بخاریؒ اور ابوداؤدؒ کے استاذ ہیں روایت کرتے ہیں:

**قال القاسم بن عباد في حديثه قال علي بن الجعد أبوحنيفة إذا جاء بالحديث جاء به مثل الدر.** (۲)

''امام ابوحنیفہ جب حدیث بیان کرتے ہیں تو موتی کی طرح آبدار ہوتی ہے۔''

اور حافظ خطیبؒ بغدادی اپنی تاریخ میں سید الحفاظ یحییٰ بن معینؒ سے (جن کے متعلق امام احمد بن حنبلؒ فرمایا کرتے تھے کہ جس حدیث کو یحییٰ بن معینؒ نہ جانیں وہ حدیث ہی نہیں) بسند متصل ناقل ہیں کہ

**كان أبوحنيفة ثقة لا يحدث إلا ما يحفظ ولا يحدث بمالا**

(۱) حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کے ترجمہ میں عبدوسؒ نیشا پوری اور موسیٰؒ بن داؤد دونوں کا متفقہ بیان نقل کیا ہے کہ ان سے بڑھ کر حافظ حدیث ہماری نظر سے نہیں گزرا۔

(۲) جامع مسانید الاعظم از محدث خوارزمی ج۲ص۳۰۸ طبع دائرۃ المعارف ۱۳۳۲ھ۔

یحفظ (تاریخ بغداد ج ۱۳ ص ۴۱۹)

''امام ابوحنیفہ ثقہ ہیں جو حدیث ان کو حفظ ہوتی ہے وہی بیان
کرتے ہیں اور جو حفظ نہیں ہوتی بیان نہیں کرتے۔''

اور امام عبداللہ بن المبارک کہ جن کی جلالت شان کا تمام اہل علم کو اعتراف ہے اپنی ایک نظم میں جو انھوں نے امام اعظم کی شان میں لکھی ہے فرماتے ہیں:

روی اثاره فأجاب فیها ☆☆ کطیران الصقور من المنیفة

''انھوں نے آثار کو روایت کیا تو ایسی بلند پروازی دکھائی کہ جیسے
شکاری پرندے بلند مقام پر پرواز کر رہے ہوں''

ولم یک بالعراق له نظیر ☆☆ ولا بالمشرقین ولا بکوفة (۱)

''سو نہ عراق میں ان کی کوئی نظیر تھی، نہ مشرق و مغرب میں اور
نہ کوفہ میں''

اسی طرح امام اہل سمرقند ابومقاتل سمرقندی امام اعظم کی مدح کرتے ہوئے کتاب الآثار کے متعلق فرماتے ہیں:

روی الأثار عن نبل ثقات ☆☆ غزار العلم مشیخة حصیفة (۲)

''معزز ین ثقات سے انھوں نے الآثار کو روایت کیا ہے جو
بڑے وسیع العلم اور عمدہ مشائخ تھے''

---

(۱) مناقب صدر الائمہ ج ۲ ص ۱۹۰۔ (۲) ایضاً ص ۱۹۱۔

حقیقت یہ ہے کہ ان اکابر ائمہ حدیث کی یہ شہادتیں بلاوجہ نہیں ہیں، امام ابوحنیفہ نے کوفہ، بصرہ اور حجاز (۱) کی مشہور درسگاہوں میں علم حدیث کی برسوں تحصیل کی ہے اور جس توجہ اور کوشش سے انھوں نے اس علم کو حاصل کیا ہے، ان کے معاصرین میں سے کم لوگوں نے کیا ہوگا، حافظ ابوسعد سمعانی (۲) کتاب الأنساب میں امام ابوحنیفہ کے تذکرہ میں رقمطراز ہیں:

اشتغل بطلب العلم وبالغ فيه حتى حصل له مالم يحصل لغيره (طبع لیڈن ورق ۱۹٦)

''وہ طلب علم میں مشغول ہوئے تو اس درجہ غایت انہماک کے ساتھ ہوئے کہ جس قدر علم ان کو حاصل ہوا دوسروں کو نہ ہوسکا''

اور حافظ ذہبی، امام مسعر بن کدام سے جو عہد طالب العلمی میں امام اعظم کے رفیق رہ چکے ہیں، ناقل ہیں:

طلبت مع أبي حنيفة الحديث فغلبنا و أخذنا في الزهدفبرع

(۱) علامہ کمال الدین احمد بیاضی، اشارات المرام من عبارات الإمام (ص۲۰ طبع مصر ۱۳٦۸ھ) میں فرماتے ہیں: فهو أخذ عن أصحاب عمرعن عمرو عن أصحاب ابن مسعود عن ابن مسعود وعن أصحاب ابن عباس عن ابن عباس ممن يبلغ العدد المذكور، بالكوفة والبصرة والحجاز في حجه ۹٦ھ ست وتسعين وبعده. یعنی امام ابوحنیفہ نے اصحاب عمر سے حضرت عمرؓ کا علم اور اصحاب ابن مسعود سے حضرت ابن مسعودؓ کا اور اصحاب ابن عباس سے حضرت ابن عباسؓ کا، مشائخ کی اس تعداد سے جو ذکر کی جاچکی ہے، کوفہ، بصرہ اور حجاز میں رہ کر ۹٦ھ میں بزمانہ حج اور اس کے بعد حاصل کیا ہے۔

(۲) حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں تصریح کی ہے کہ سمعانی تاریخ اور علم حدیث میں ابن جوزی اور ان کے شیخ ابن ناصر دونوں سے بڑھے ہوئے ہیں (ملاحظہ ہو تذکرۃ الحفاظ ترجمہ ابن ناصر)۔

**علينا وطلبنا معه الفقه فجاء منه ماترون. (۱)**

''میں نے امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ حدیث کی تحصیل کی تو وہ ہم پر
غالب رہے، اور زہد میں لگے، تو اس میں بھی وہ ہم سے فائق
ہوگئے اور فقہ ان کے ساتھ شروع کی تو تم دیکھتے ہی ہو کہ کیسا
کمال ان سے ظاہر ہوا۔''

یہ مسعرؒ وہی ہیں، جن کو شعبہؒ ان کے اتقان کی بنا پر مصحف کہا کرتے تھے، (۲) حافظ ابومحمد رامہرمزیؒ نے **المحدث الفاصل بين الراوي والواعي** (۳) میں لکھا ہے کہ شعبہؒ اور سفیانؒ ثوری میں جب کسی حدیث کی بابت اختلاف ہوتا تو دونوں کہا کرتے **اذهبا بنا إلى الميزان مسعر** (ہم دونوں کو مسعرؒ کے پاس لے چلو جو اس فن کی میزان ہیں) غور کیجئے شعبہؒ اور سفیانؒ دونوں ''**أمير المؤمنين في حديث**'' کہلاتے ہیں اس لئے ان کی میزان علم جس شخص کے متعلق یہ شہادت دے کہ وہ علم حدیث میں ہم سے آگے ہے، وہ خود اس فن میں کس پایہ کا شخص ہوگا، غالباً یہی وجہ ہے کہ شیخ الاسلام حافظ عبدالرحمٰن مقریؒ (جو فن حدیث میں امام احمد بن حنبلؒ، اسحٰق بن راہویہؒ اور بخاریؒ کے استاذ ہیں) جب امام ابوحنیفہؒ سے کوئی حدیث روایت کرتے تھے تو ان الفاظ کے ساتھ کرتے تھے، **أخبرنا شاهنشاه.** (۴)

اور امام مکی بن ابراھیمؒ فرماتے ہیں:

---

(۱) مناقب ابی حنیفہ از حافظ ذہبی ص ۲۷ طبع مصر۔ (۲) تذکرۃ الحفاظ ترجمہ مسعر۔
(۳) اس کتاب کے قلمی نسخے کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن اور کتب خانہ پیرجھنڈو سندھ میں ہماری نظر سے گزرے ہیں۔ (۴) محدث خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں اس کو بہ سند متصل نقل کیا ہے۔

كان أبو حنيفة زاهداً عالماً راغباً في الأخرة صدوق اللّسان أحفظ أهل زمانه (۱)

"امام ابوحنیفہ زاہد، عالم، آخرت کی طرف راغب، بڑے راستباز اور اپنے اہل زمانہ میں سب سے بڑے حافظ حدیث تھے۔"

محدث صیمریؒ نے بھی مناقب ابی حنیفہ میں شیخ الاسلام حافظ یزید بن ہارونؒ سے اسی کے قریب قریب روایت کیا ہے، (۲) اور امام یحییٰ بن سعید القطانؒ جو مشہور ناقد حدیث اور جرح وتعدیل کے امام ہیں، یوں فرماتے ہیں:

أنه والله لأعلم هذه الأمة بماجاء عن الله ورسوله. (۳)

واللہ ابوحنیفہ اس امت میں خدا اور اس کے رسول ﷺ سے جو کچھ وارد ہوا ہے اس کے سب سے بڑے عالم ہیں۔"

ائمہ فن کی اس قدر تصریحات فن حدیث میں امام اعظم کی عظمت شان اور جلالت مرتبت کو سمجھنے کے لئے کافی ہیں، اب ذرا اس پر بھی نظر ڈال لیجئے کہ امام اعظم کے نزدیک کسی حدیث کو روایت کرنے اور اس پر عمل کرنے کے کیا شرائط ہیں، امام طحاویؒ نے بہ سند متصل روایت کی ہے۔

حدثنا سليمان بن شعيب حدثنا أبي قال أملأ علينا أبو يوسف

---

(۱) مناقب الامام الاعظم از صدر الائمہ بحوالہ حافظ ابو احمد عسکری۔

(۲) اس کتاب کا قلمی نسخہ کتب خانہ مجلس علمی کراچی میں موجود ہے، اس کی اصل عبارت یہ ہے: كان أبو حنيفة تقياً نقياًزاهداً عالماً صدوق اللسان أحفظ أهل زمانه.

(۳) مقدمہ کتاب التعلیم از علامہ مسعود بن شیبہ سندی، بحوالہ امام طحاوی، اس کا قلمی نسخہ مجلس علمی کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

قال: قال أبو حنيفه لا ينبغي للرجل أن يحدث من الحديث إلّا بما حفظه من يوم سمعه إلى يوم يحدث به

(الجواهر المضيئة، ترجمة الامام أبي حنيفة)

''کہ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کسی شخص کو اس وقت تک حدیث نہیں بیان کرنا چاہیئے جب تک کہ سننے کے دن سے لیکر بیان کرنے کے دن تک اسی طرح یاد نہ ہو۔''

امام یحیی بن معینؒ کی تصریح ابھی آپ پڑھ چکے کہ روایت حدیث کے باب میں امام صاحب کا عمل اسی اصول پر تھا، بعد کے متعدد محدثین نے حفظ کی بجائے کتابت کو کافی سمجھا، اس لئے ان کے خیال میں اگر راوی کو حدیثوں کے الفاظ و معانی کچھ بھی یاد نہ ہوں، تاہم چونکہ وہ قلمبند صورت میں اس کے پاس موجود ہیں اس لئے ان کو روایت کر سکتا ہے، چنانچہ محدث خطیب بغدادیؒ، الکفایہ فی علم الروایہؒ میں لکھتے ہیں:

''ابوزکریا یعنی یحیی بن معینؒ سے پوچھا گیا کہ اگر کوئی شخص اپنے قلم سے حدیث لکھی ہوئی پائے مگر وہ اس کو زبانی یاد نہ ہو تو کیا کرے؟ کہنے لگے ابوحنیفہؒ تو یوں فرماتے ہیں کہ جس حدیث کا انسان عارف اور حافظ نہ ہو، اسے بیان نہ کرے، لیکن ہم یوں کہتے ہیں کہ اپنی کتاب میں جو کچھ اپنے قلم سے لکھا ہوا پائے اسے بیان کر سکتا ہے، چاہے وہ اس روایت کا عارف ہو یا نہ ہو۔''(۱)

اور حافظ سیوطیؒ، تدریب الراویؒ میں امام ابوحنیفہؒ کا مذہب نقل کر کے لکھتے ہیں:

(۱) الکفایہ فی علم الروایہ ص ۲۳۱، طبع دائرۃ المعارف، حیدر آباد، دکن ۱۳۵۷ھ۔

**وهذا مذهب شديد وقد استقر العمل على خلافه فلعل الرواة في الصحيحين ممن يوصف بالحفظ لا يبلغون النصف. (۱)**

''یہ سخت مذہب ہے اور عمل اس کے خلاف قرار پایا ہے، کیونکہ غالباً صحیحین کے ان رواۃ کی تعداد جو حفظ سے موصوف ہیں، نصف تک نہیں پہنچتی۔''

اگر چہ ہمارے نزدیک یہ مسئلہ اختلاف عصر وزمان کا مسئلہ ہے اسی لئے امام مالکؒ بھی اس مسئلہ میں امام اعظمؒ کے ہم زبان ہیں، اس عہد تک کتابت سے زیادہ حفظ پر زور تھا، بعد کو جس قدر زمانہ گزرتا گیا حفظ کی جگہ کتابت نے لے لی، تاہم اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ حافظ حدیث کی روایت کو غیر حافظ کی روایت پر ترجیح ہے کیونکہ عدم حفظ کی صورت میں احتمال ہے کہ کوئی خط میں خط ملا کر نوشتہ میں گڑبڑ نہ کر دے، بہر حال اس حیثیت سے کتاب الآثار اور مؤطا کی مرویات کو صحیحین کی مرویات پر جو ترجیح حاصل ہے ظاہر ہے۔

اور امام ربانی علامہ عبدالوہاب شعرانیؒ، المیزان الکبری میں رقمطراز ہیں:

**وقد كان الإمام أبو حنيفة يشترط في الحديث المنقول عن رسول الله ﷺ قبل العمل به أن يرويه عن ذلك الصحابي جمع أتقياء عن مثلهم وهكذا. (۲)**

''جو حدیث آنحضرت ﷺ سے منقول ہو اس کی بابت امام

(۱) تدریب الراوی ص ۱۶۰۔

(۲) میزان شعرانی ج ۱ ص ۶۲ طبع مصر ۱۳۴۴ھ۔

ابوحنیفہ عمل سے پہلے یہ شرط کرتے ہیں کہ اس کو متقی لوگوں کی
ایک جماعت اس صحابی سے برابر نقل کرتی چلی آئے۔"

امام شعرانیؒ نے عمل بالحدیث کے لئے امام ابوحنیفہؒ کی جس شرط کا ذکر کیا ہے وہ خود امام ممدوح سے بصراحت منقول ہے، چنانچہ حافظ ذہبیؒ نے امام یحییٰ بن معینؒ کی سند سے امام صاحب کا یہ قول نقل کیا ہے کہ

اخذُ بكتاب الله فمالم أجد فبسنة رسول الله والآثار الصحاح عنه التي فشت في أيدي الثقات عن الثقات فإن لم أجد فبقول أصحابه اخذ بقول من شئت وأما إذا انتهىٰ الأمر إلى إبراهيم والشعبي والحسن وعطاء فأجتهد كما اجتهدوا (۱)

"میں کتاب اللہ سے لیتا ہوں اگر اس میں نہ ملے تو رسول اللہ ﷺ کی سنت اور آپ ﷺ کی ان صحیح حدیثوں سے کہ جو ثقات کے ہاتھوں میں ثقات ہی کے ذریعہ شائع ہوئی ہیں، پھر اگر یہاں بھی نہ مل سکے، تو آپ ﷺ کے اصحاب میں سے جس کا قول چاہتا ہوں اختیار کر لیتا ہوں لیکن جب معاملہ ابراہیم نخعی، شعبیؒ، حسن بصریؒ اور عطاء بن ابی رباحؒ تک آجاتا ہے تو جس طرح ان حضرات نے اجتہاد کیا میں بھی اجتہاد کرتا ہوں۔"

امام ابوحنیفہؒ کا یہ بیان خاص طور پر قابل غور ہے، اس میں آپ نے اپنے طریق استنباط کی توضیح فرمائی ہے اور احادیث کے بارے میں صراحت کی ہے کہ آپ

(۱) مناقب ابی حنیفہ از ذہبی ص ۲۰۔

صرف ان ہی حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں کہ جو صحیح ہیں اور ثقات کے ذریعہ جن کی اشاعت ہوئی ہے، امام سفیان ثوری نے بھی حدیث کے متعلق امام صاحب کا یہی طرزِ عمل بتلایا ہے کہ

**یأخذ بماصح عنده من الأحادیث التي کان یحملها الثقات وبالآخر من فعل رسول الله ﷺ. (۱)**

''جو حدیثیں ان کے نزدیک صحیح ہوتی ہیں اور ثقات جن کو روایت کرتے ہیں، نیز جو آنحضرت ﷺ کا آخری فعل ہوتا ہے یہ اسی کو لیتے ہیں۔''

غرض کتاب الآثار، قرآن پاک کے بعد کتب خانۂ اسلام کی دوسری کتاب ہے، جو ابواب پر مرتب و مدون ہوئی اور جس میں صرف ان ہی احادیث اور آثار وفتاوے نے جگہ پائی کہ جن کی روایت ثقات واتقیاءِ امت میں برابر چلی آتی تھی، امام اعظم نے اس کتاب میں آنحضرت ﷺ کے آخری افعال اور ہدایات کو مبنائے اول، اور آثار وفتاوائے صحابہ وتابعین کو مبنائے ثانی قرار دیا۔

کتاب الآثار کا موضوع صرف احادیث احکام یعنی سنن ہیں، جن سے مسائل فقہ کا استنباط ہوتا ہے، اس لئے وہ سیکڑوں مختلف ابواب جو صحیحین اور جامع ترمذی وغیرہ دیگر کتب احادیث میں مذکور ہیں، کتاب الآثار میں نہیں ملیں گے کیونکہ ان ابواب کا تعلق فقہیات سے نہیں ہے، اس بناپر محدثین کی اصطلاح میں کتاب الآثار، کتب سنن میں داخل ہے، چنانچہ بعض محدثین نے اسی نام سے کتاب کا ذکر کیا ہے۔

---

(۱) الانتقاء فی فضائل الثلاثۃ الائمۃ الفقہاء از حافظ ابن عبدالبر ص ۱۴۳ طبع مصر۔

کتاب الآثار کا ایک نمایاں امتیاز یہ ہے کہ اس کی مرویات اس عہد کی دیگر تصانیف کی طرح اپنے ہی شہر اور اقلیم کی روایات میں محدود و منحصر نہیں، بلکہ اس میں مکہ، مدینہ، کوفہ، بصرہ غرض کہ حجاز و عراق دونوں جگہ کا علم تحریر و تدوین میں یکجا موجود ہے۔

حافظ ابن القیم، اعلام الموقعین میں لکھتے ہیں:

**والدين والفقه والعلم انتشر في الأمة عن أصحاب ابن مسعود وأصحاب زيد بن ثابت وأصحاب عبد الله بن عمر وأصحاب عبد الله بن عباس، فعلم الناس عامة عن أصحاب هولاء إلا أربعة، فأما أهل المدينة فعلمهم عن أصحاب زيد ابن ثابت وعبد الله بن عمر وأما أهل مكة فعلمهم عن أصحاب عبد الله بن عباس وأما أهل العراق فعلمهم عن أصحاب عبد الله بن مسعود. (۱)**

''دین اور فقہ وعلم کی اشاعت امت میں اصحاب عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، اصحاب زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، اصحاب عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور اصحاب عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے ہوئی ہے، اور لوگوں کا عام علم ان ہی چار کے اصحاب سے لیا ہوا ہے، چنانچہ مدینہ والوں کا علم زید بن ثابت رضی اللہ عنہ اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے اصحاب سے اور مکہ والوں کا علم عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے اصحاب سے اور عراق والوں کا علم عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اصحاب سے لیا ہوا ہے۔''

(۱) اعلام الموقعین ج ۱ ص ۸ طبع اشرف المطابع دہلی۔

امام مالکؒ نے مؤطا کی تالیف مدینہ منورہ میں کی ہے اور اس میں مدنی شیوخ کے علاوہ اور لوگوں سے برائے نام روایتیں ہیں، لیکن کتاب الآثار کے رواۃ میں کوفی یا عراقی کی تخصیص نہیں، بلکہ حجاز، عراق، اور شام جملہ بلاد اسلامیہ کے علماء سے اس میں روایتیں موجود ہیں، ہم نے کتاب الآثار بروایت امام محمدؒ سے جس میں دوسرے ائمہ کے نسخوں کی بہ نسبت کم روایتیں ہیں امام اعظم کے شیوخ کو جمع کیا تو ایک سو پانچ ہوئے، پھر ان کے اوطان پر نظر ڈالی تو تیس کے قریب ایسے مشائخ حدیث نکلے جو کوفہ کے رہنے والے نہ تھے۔

صحابہ میں جن بزرگوں سے مسائلِ فقہ وفتاوے منقول ہیں ان کی تعداد کچھ اوپر ایک سو تیس ہے (۱) ان میں مرد اور عورتیں دونوں شامل ہیں، فتوے کے بارے میں بعض صحابہ مُکثر تھے، بعض متوسط اور بعض مُقل، جو سب سے زیادہ کثیر الفتوے تھے وہ یہ حضرات ہیں، عمر بن الخطابؓ، علی مرتضیؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، عبداللہ بن عباسؓ، ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ، زید بن ثابتؓ، اور عبداللہؓ بن عمر رضی اللہ عنہم، ان سات میں بھی اول الذکر چار بزرگ زیادہ ممتاز گزرے ہیں، شاہ ولی اللہؒ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں "وأكابر هذا الوجه عمر وعلي وابن مسعود وابن عباس". (۲)

مؤطا میں امیر المؤمنین حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ اور حضرت عبداللہ بن

---

(۱) حافظ عبدالقادر قرشی نے الجواہر المضیۃ کے خاتمہ میں اور حافظ ابن القیم نے اعلام الموقعین کے مقدمہ میں ان سب کو نام بنام ذکر کیا ہے۔

(۲) حجۃ اللہ البالغہ، ج ۱، ص ۱۳۲، طبع منیریہ مصر ۱۳۵۲ھ۔

عباس رضی اللہ عنہ سے بہت کم روایات ہیں، شاہ ولی اللہ صاحب مصفیٰ شرح موطا کے مقدمہ میں فرماتے ہیں:

وامام مالک از حضرت مرتضیٰ وعبداللہ بن عباس کم روایت کردہ است وہارون رشید از سبب آں استفسار کرد، فرمود ''لم يكونا ببلدي ولم ألق رجالهما'' یعنی نہ بودند در شہر من وملاقات نہ کردم با یاران ایشاں۔(۱)

''امام مالک نے حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت عبداللہ بن عباس (رضی اللہ عنہم) سے کم روایتیں کی ہیں، ہارون رشید نے اس کا سبب دریافت کیا، تو فرمانے لگے کہ لم يكونا ببلدي ولم ألق رجالهما یعنی یہ دونوں بزرگ میرے شہر کے نہ تھے اور میری ان اصحاب سے ملاقات نہ ہوسکی۔''

خاکسار کہتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایتیں موطا میں ان دونوں حضرات کی روایات سے بھی کم ہیں، برخلاف اس کے کتاب الآثار میں جس مقدار میں حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایتیں ہیں، اسی کے قریب قریب حضرت عمر، حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس، اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایات بھی ہیں۔

امت مرحومہ کا سواد اعظم جس کی تعداد کا اندازہ نصف یا دوثلث اہل اسلام کیا گیا ہے، بارہ سو سال سے فقہ میں جس مذہب کا پیرو ہے وہ مذہب حنفی ہے، اس مذہب کے مسائل فقہ کا مبنیٰ اسی کتاب الآثار کی احادیث وروایات ہیں، شاہ ولی اللہ

(۱) مصفی ج۱، ص۱۳، طبع دہلی ۱۳۴۶ھ۔

صاحب نے قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین میں کتاب الآثار کو حنفیوں کی امہاتِ کتب میں شمار کیا ہے(۱) اور تصریح کی ہے کہ

مسند ابی حنیفہ وآثار محمد بنائے فقہ حنفیہ است (۲)

''فقہ حنفی کی بنیاد مسند ابی حنیفہ اور آثار امام محمد پر ہے۔''

## ایک غلط فہمی کا ازالہ

ہندوستان میں علم حدیث کا چرچا دوسرے ممالک کی بہ نسبت کم رہا ہے، اس لئے یہاں کے بعض مصنفین کو یہ غلط فہمی ہوگئی ہے کہ حدیث میں امام ابوحنیفہ کی کوئی کتاب موجود نہیں ہے، چنانچہ ملا جیون المتوفی ۱۱۳۰ھ نور الانوار میں لکھتے ہیں:

لم يجمع أبو حنيفة كتاباً في الحديث (۳)

''ابوحنیفہ نے حدیث میں کوئی کتاب مدون نہیں فرمائی''

اور شاہ ولی اللہ صاحب مصفیٰ شرح مؤطا کے مقدمہ میں رقمطراز ہیں:

واز ائمہ فقہ امروز ہیچ کتابے خود ایشاں تصنیف کردہ باشند بدست مردمان نیست الا مؤطا۔

''اور آج ائمہ فقہ کی کوئی کتاب کہ جس کو خود انھوں نے تصنیف کیا ہو، سوائے مؤطا کے لوگوں کے ہاتھ میں نہیں ہے۔''

شاہ عبدالعزیز صاحب بھی بستان المحدثین میں اپنے والد ماجد کی پیروی

(۱) ملاحظہ ہو، کتاب مذکور ص ۱۸۵، طبع مجتبائی ۱۳۱۰ھ۔ (۲) ایضاً ص ۱۷۱۔
(۳) نور الانوار، طبع علوی، لکھنؤ ص ۱۶۰۔

میں یہی لکھتے ہیں کہ

بایدد انست کہ از تصانیف ائمہ اربعہ رحمہم اللہ در علم حدیث غیر از موَطا موجود نیست۔ (۱)

”جاننا چاہئے کہ ائمہ اربعہ کی تصانیف میں سے علم حدیث میں بجز موَطاؔ کے اور کوئی تصنیف موجود نہیں ہے۔“

مولانا شبلی نعمانیؔ نے بھی اس بارے میں شاہ ولی اللہؔ صاحب ہی کے فیصلے کو کافی سمجھا ہے وہ فرماتے ہیں:

”بے شبہ ہماری ذاتی رائے یہی ہے کہ آج امام صاحب کی کوئی تصنیف موجود نہیں ہے۔“ (۲)

اور ان کے جانشین مولانا سید سلیمانؔ ندوی بھی یہی لکھ رہے ہیں کہ

”امام مالکؔ کے سوا کسی امام مجتہد کے قلم سے علم حدیث کی کوئی تصنیف ظاہر نہیں ہوئی۔“ (۳)

ملا جیونؔ محدث نہ تھے اس لئے ان کا انکار محل تعجب نہیں، شاہ ولی اللہؔ صاحب کتاب الآثارؔ سے بخوبی واقف ہیں، انھوں نے شیخ تاج الدینؔ قلعی حنفی مفتی مکہ مکرمہؔ سے اس کے اطراف کا سماع بھی کیا ہے، چنانچہ انسان العینؔ فی مشائخ الحرمین میں ان کے تذکرہ میں فرماتے ہیں:

”واطراف ـــــ کتاب الآثارؔ امام محمد وموَطائے ادازوے سماع نمود“ (۴)

---

(۱) بستان المحدثین، ص ۲۷ و ۲۸ مطبع محمدی، لاہور۔ (۲) سیرۃ النعمان، ص ۱۱۹، طبع مفید عام، آگرہ ۱۸۹۲ء
(۳) حیات امام مالک، ص ۹۰، طبع معارف، اعظم گڑھ ۱۳۴۰ھ۔ (۴) انسان العین ص ۱۶ طبع احمدی دہلی۔

شاہ صاحب ممدوح کو یہ بھی معلوم ہے کہ امام محمدؒ اس کتاب کو امام ابوحنیفہؒ سے روایت کرتے ہیں، چنانچہ مصفّٰی میں خود ان کے الفاظ ہیں:

''آثاریکہ از امام ابوحنیفہ روایت کردہ است'' (۱)

مگر شاید وہ اس کو امام ابوحنیفہؒ کی بجائے امام محمدؒ کی تصنیف سمجھتے ہیں، محدث ملا علی قاریؒ نے خود موطاؒ امام محمد کے متعلق بھی یہی خیال ظاہر کیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ امام محمدؒ نے ان دونوں کتابوں کو ان کے مصنفین سے جس انداز پر روایت کیا ہے اس کو دیکھتے ہوئے اس قسم کی غلط فہمی کا پیدا ہو جانا کچھ زیادہ محل تعجب نہیں، امام موصوف کا ان دونوں کتابوں میں طرز عمل یہ ہے کہ وہ ہر باب میں اولاً اس کتاب کی روایتیں نقل کرتے ہیں، پھر بالالتزام ان روایات کے متعلق اپنا اور اپنے استاد امام ابوحنیفہؒ کا مذہب بیان کرتے ہیں اور اگر اصل کتاب کی کسی روایت پر ان کا عمل نہیں ہوتا، تو اس کو نقل کرنے کے بعد اس پر عمل نہ کرنے کے وجوہ و دلائل بالتفصیل لکھتے ہیں، اور اسی ذیل میں کتاب الآثارؒ اور موطاؒ دونوں کتابوں میں بہت سی حدیثیں اور آثار، امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے علاوہ دیگر شیوخ سے بھی منقول ہیں، اس بنا پر بادی النظر میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں کتابیں خود امام محمدؒ ہی کی تصنیف کردہ ہیں (۲) حالانکہ

(۱) مصفّٰی ص ۸ (۲) مولانا شبلی نعمانی کتاب الآثار کے متعلق اور ملا علی قاری نے موطا کے متعلق اس بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس کو پڑھ کر آپ کو اس غلط فہمی کی وجہ خود معلوم ہو جائے گی، مولانا شبلی لکھتے ہیں:

''خوارزمی نے آثار امام محمد کو بھی امام کی مسانید میں داخل کیا ہے، بے شبہ اس کتاب میں اکثر روایتیں امام صاحب ہی سے ہیں اس لئے ناظرین کو اختیار ہے کہ اس کو امام ابوحنیفہ کا مسند کہیں یا آثار امام محمد کے نام سے پکاریں، لیکن یاد رہے کہ امام محمد نے اس کتاب میں بہت سے آثار اور حدیثیں دوسرے شیوخ سے بھی روایت کی ہیں، (بقیہ اگلے صفحہ پر)

واقع میں ایسا نہیں بلکہ کتاب الآثار، امام ابوحنیفہ کی اور موطا، امام مالک کی تصنیف ہے، اور امام محمد ان دونوں حضرات سے ان کے راوی ہیں، لیکن چونکہ امام ممدوح نے ان کتابوں کی روایت میں امور مذکورہ بالا کا اہتمام رکھا ہے اس بنا پر ان کی افادیت زیادہ بڑھ گئی اور ان کا تداول اس درجہ عام ہوگیا کہ بجائے اصل مصنف کے خود ان کی طرف کتاب کا انتساب ہونے لگا اور کتاب الآثار امام محمد اور موطا امام محمد کہا جانے لگا، اس لئے ان حضرات کو بھی غلط فہمی ہوگئی، جس کی اصل وجہ ان دونوں کتابوں کے بقیہ نسخوں پر عدم اطلاع ہے۔

(پچھلے صفحہ کا بقیہ) اس لحاظ سے اس مجموعہ کا انتساب امام محمد کی طرف زیادہ موزوں ہے۔" (سیرۃ النعمان ص ۲۷)

اور ملا علی قاری، موطا امام محمد کی شرح میں لکھتے ہیں:

'وقد وجدت بخط أستاذي المرحوم الشيخ عبدالله السندي في ظهر هذاالكتاب انه مؤطا مالک بن أنس برواية محمد بن الحسن وهو مشكل إذيروي الإمام محمد فيه من غير الإمام مالک أيضاً كالامام أبي حنيفة وأمثاله ولعله نظراً إلى الأغلب.

"میں نے اپنے استاذ مرحوم شیخ عبداللہ سندھی کے قلم سے اس کتاب کی پشت پر یہ لکھا ہوا پایا کہ یہ موطا مالک بن انس بروایت محمد بن الحسن ہے، اور یہ مشکل ہے کیونکہ امام محمد اس کتاب میں امام مالک کے علاوہ دیگر شیوخ سے بھی جیسے کہ امام ابوحنیفہ اور ان کے امثال ہیں روایت کرتے ہیں اور شاید استاذ مرحوم کا یہ فرمانا اس کی اغلب روایات کے اعتبار سے ہو۔"

ملا علی قاری کی شرح موطا محمد کے قلمی نسخے ہند و پاکستان کے متعدد کتب خانوں میں ہماری نظر سے گزرے ہیں، ملاحظہ فرمایا آپ نے مولانا شبلی نعمانی کو جو اشکال کتاب الآثار امام محمد کے امام ابوحنیفہ کی طرف انتساب میں ہے وہی اشکال ملا علی قاری کو موطا امام محمد کے امام مالک کی طرف منسوب کرنے میں ہے۔

## کتاب الآثار کے نسخے

مؤطا اور دیگر کتب حدیث کی طرح اس کتاب کے بھی متعدد نسخے ہیں، جس کے راوی حسب ذیل حضرات ہیں:

### (۱) امام زفر بن الہذیل

ان کے نسخہ کا ذکر حافظ امیر بن ماکولا المتوفی ۴۷۵ھ نے الاکمال کے "باب الجصيني والحصيني" میں کیا ہے، چنانچہ احمد بن بکر کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:

**أحمد بن بكر بن سيف أبوبكر الجصيني ثقة يميل ميل أهل النظر، روى عن أبي وهب عن زفر بن الهذيل عن أبي حنيفة (كتاب الآثار)**

> "احمد بن بکر سیف ابوبکر جصینی ثقہ ہیں اہل نظر یعنی فقہاء حنفیہ کی طرف میلان رکھتے ہیں اور امام ابوحنیفہ سے کتاب الآثار کو بواسطہ امام زفر بن الہذیل ان کے شاگرد ابووہب سے روایت کرتے ہیں۔"

الاکمال ابن ماکولا کا قلمی نسخہ ریاست ٹونک اور کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن میں ہماری نظر سے گزرا ہے، مطبوعہ کتابوں میں بعینہ یہی مضمون حافظ ابوسعد سمعانی شافعی کی کتاب الانساب میں جو لائڈن یورپ میں طبع ہوچکی ہے، جصینی نسبت کے ضمن میں مذکور ہے اور حافظ عبدالقادر قرشی نے بھی "الجواهر المضيئة في طبقات الحنفية" میں احمد بن بکر مذکور کے ترجمہ

میں یہی تحریر کیا ہے۔

امام زفرؒ سے کتاب الآثارؒ کی روایت ان کے تین شاگردوں نے کی ہے جنہوں نے اس کا امام ممدوح سے علیحدہ علیحدہ سماع کیا تھا، ایک یہی ابووہب محمد بن مزاحمؒ مروزی، دوسرے شداد بن حکیمؒ بلخی جن کے نسخہ سے جامع مسانید الإمام الأعظم للخوارزميؒ میں مسند ابن خسرو وغیرہ کے حوالہ سے بکثرت روایتیں منقول ہیں اور تیسرے حکم بن ایوبؒ، پہلے دو نسخوں کا ذکر محدث حاکم نیشاپوریؒ نے بھی اپنی مشہور کتاب معرفۃ علوم الحدیثؒ میں بایں الفاظ کیا ہے:

**نسخة لزفر بن الهذيل الجعفي تفرد بها عنه شداد بن حكيم البلخي ونسخة أيضاً لزفر بن الهذيل الجعفي تفرد بها أبو وهب محمد بن مزاحم المروزي (۱)**

''زفر بن الہذیلؒ جعفی کا ایک نسخہ ہے، جس کو ان سے صرف شداد بن حکیمؒ بلخی روایت کرتے ہیں اور زفر ہی کا ایک اور نسخہ ہے، جس کو ان سے صرف ابووہبؒ محمد بن مزاحم مروزی روایت کرتے ہیں۔''

تیسرے نسخہ کا ذکر حافظ ابوالشیخ بن حیانؒ نے اپنی کتاب طبقات المحدثین (۲) بأصبهان والواردين عليها میں احمد بن رستہؒ کے ترجمہ میں کیا ہے، چنانچہ ان کے الفاظ یہ ہیں:

---

(۱) معرفۃ علوم الحدیث، ص ۱۶۴، طبع دار الکتب المصریہ ۱۳۳۷ھ۔

(۲) اس کتاب کا قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد دکن میں میری نظر سے گذرا ہے۔

أحمد بن رستة بن بنت محمد بن المغيرة، كان عنده السنن عن محمد عن الحكم بن أيوب عن زفر عن أبي حنيفة.

''احمد بن رستہ جو محمد بن المغیرہ کے نواسے ہیں، ان کے پاس سنن تھی، جس کو وہ اپنے نانا محمدؒ سے، وہ حکم بن ایوبؒ سے، وہ زفرؒ سے اور وہ امام ابوحنیفہؒ سے اس کو روایت کرتے تھے۔''

حافظ ابوالشیخؒ نے یہاں کتاب الآثارؒ کو السننؒ کے نام سے ذکر کیا ہے اور چونکہ وہ ہر راوی کے ترجمہ میں اس کی روایت سے ایک دو حدیثیں بھی ذکر کرتے ہیں، اس لئے دو حدیثیں اس نسخہ سے بھی اپنی کتاب میں درج کی ہیں، اسی طرح حافظ ابونعیمؒ اصفہانی نے بھی تاریخ اصفہانؒ میں اس نسخہ کی روایتیں نقل کی ہیں، امام طبرانیؒ کی المعجم الصغیرؒ (ص ۳۳) میں بھی اس نسخہ کی ایک حدیث مروی ہے۔

## (۲) امام ابو یوسف

ان کے نسخہ کا ذکر حافظ عبدالقادرؒ قرشی نے الجواہر المضیۃؒ میں کیا ہے چنانچہ امام یوسف بن ابی یوسفؒ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

روى "كتاب الآثار" عن أبيه عن أبي حنيفة وهو مجلّد ضخم.

''یہ اپنے والد کی سند سے امام ابوحنیفہؒ سے کتاب الآثارؒ کی روایت کرتے ہیں جو ایک ضخیم جلد میں ہے۔''

اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے مولانا ابوالوفاؒ قندھاری صدر مجلس احیاء المعارف النعمانیہ حیدرآبادؒ دکن کو کہ انھوں نے بڑی تلاش اور محنت سے اس نسخہ کو

فراہم کر کے تصحیح وتحشیہ کے اہتمام کے ساتھ نہایت عمدہ کاغذ پر ۱۳۵۵ھ میں اسے مصر میں طبع کرا کر شائع کیا۔

امام ابو یوسفؒ سے بھی کتاب الآثارؒ کے اس نسخہ کو دو شخص روایت کرتے ہیں، ایک ان کے صاحبزادے امام یوسفؒ مذکور اور دوسرے عمرو بن ابی عمرو، محدث خوارزمیؒ نے عمروؒ کی روایت کو جامع مسانیدؒ میں نسخہ ابی یوسفؒ سے موسوم کیا ہے، خوارزمیؒ نے جامع مسانیدؒ کے باب ثانی میں اس نسخہ کی اسناد بھی امام ابو یوسفؒ تک نقل کر دی ہے۔

## (۳) امام محمد بن حسن شیبانی

ان کا نسخہ، کتاب الآثارؒ کے سب نسخوں میں زیادہ متداول، زیادہ مشہور اور زیادہ مقبول ہے، اسی کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانیؒ، **تعجیل المنفعة بزوائد رجال الأربعة** کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

**والموجود من حديث أبي حنيفة مفرداً إنما هو "كتاب الآثار" التي رواها محمد بن الحسن عنه.**

''امام ابو حنیفہؒ کی حدیث میں مستقل طور پر جو کتاب موجود ہے وہ کتاب الآثارؒ ہے، جس کو امام محمد بن الحسنؒ نے ان سے روایت کیا ہے''

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اور حافظ قاسم بن قطلوبغاؒ نے اس کے رجال پر مستقل کتابیں تصنیف کی ہیں، حافظ ابن حجرؒ کی کتاب کا نام **الإيثار بمعرفة رواة الآثار** ہے، اس کا قلمی نسخہ میرے پاس بھی موجود ہے، صاحب کشف الظنونؒ نے

لکھا ہے کہ کتاب الآثار امام محمدؒ پر امام طحاویؒ نے شرح لکھی ہے، علامہ مرادیؒ نے بھی سلک الدرر في أعيان القرن الثاني عشر میں شیخ ابوالفضل نورالدین علی بن مراد موصلی عمری شافعی المتوفی ۱۱۴۷ھ کے ترجمہ میں ان کی شرح کتاب الآثار امام محمدؒ کا ذکر کیا ہے، خود ہم نے بھی اس کے رجال پر مستقل کتاب لکھی ہے اور اس نسخہ کی احادیث کو مسانید صحابہ پر مرتب کیا ہے اور اگر اللہ نے توفیق دی تو اس پر ایک مبسوط اور محققانہ شرح لکھنے کا ارادہ ہے۔

امام محمدؒ سے بھی اس نسخہ کو ان کے کئی شاگردوں نے روایت کیا ہے، مطبوعہ نسخہ امام ابوحفصؒ کبیر اور امام ابوسلیمان جوزجانیؒ کا روایت کردہ ہے، ان دونوں حضرات کے علاوہ امام ممدوح کے ایک اور شاگرد عمرو بن ابی عمروؒ بھی ان سے اس کتاب کو روایت کرتے ہیں اور خوارزمیؒ نے جامع مسانیدؒ میں اسی کو نسخۂ امام محمدؒ سے موسوم کیا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نسخہ میں عمروؒ نے صرف حدیثیں ہی روایت کی ہیں اور فتاوی تابعین کو نقل نہیں کیا ہے اور غالباً اسی لئے اس کو مسند ابی حنیفہؒ کہا جاتا ہے۔

## (۴) امام حسن بن زیاد لؤلؤی

ان کے نسخہ کا ذکر حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے لسان الميزان میں کیا ہے، چنانچہ محمد بن ابراہیمؒ بن حبیش بغوی کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

محمد بن إبراهيم بن حُبَيْش البغوي روى عن محمد بن شجاع الثلجي عن الحسن بن زياد عن أبي حنيفة

"کتاب الآثار". (۱)

"محمد بن ابراہیم بن حبیش بغوی، محمد بن شجاع ثلجی سے وہ حسن بن زیاد سے اور وہ امام ابوحنیفہ سے کتاب الآثار کو روایت کرتے ہیں۔"

کتاب الآثار کے تمام نسخوں میں یہ نسخہ غالباً سب سے بڑا ہے کیونکہ امام حسن بن زیاد نے امام ابوحنیفہ کی احادیث مرویہ کی تعداد چار ہزار بیان کی ہے، چنانچہ امام حافظ ابویحیی زکریا بن یحیی نیشاپوری اپنی اسناد کے ساتھ امام لولؤی سے ناقل ہیں کہ

کان أبوحنيفة يروي أربعة الاف حديث، ألفين لحماد وألفين لسائر المشيخة. (۲)

(۱) واضح رہے کہ لسان المیزان کے مطبوعہ نسخہ میں یہ عبارت اس طرح مرقوم ہے: محمد بن ابراہیم بن حسن البغوی روی عن محمد بن نجیح البلخی عن الحسن بن زیاد عن محمد بن الحسن عن ابی حنیفۃ کتاب الآثار، لیکن اس میں اسماء کے اندر بڑی تصحیف ہوگئی ہے "ابن حبیش البغوی" کی بجائے حسن البغوی غلط چھپ گیا ہے اور "ابن شجاع الثلجی" کی جگہ "بن نجیح البلخی" طبع ہوگیا ہے۔ اسی طرح "عن الحسن بن زیاد عن ابی حنیفۃ" کے درمیان "عن محمد الحسن" کا اضافہ اگر اصل منقول عنہ میں موجود ہے تو یقیناً غلط ہے۔

بہرحال مطبع کے مصححین نے یہاں تک تصحیح کا اہتمام نہیں کیا، قلمی نوشتوں کے پڑھنے میں اسماء کی غلطی تو بالکل معمولی بات ہے اور حافظ ابن حجر عسقلانی کے متعلق تو مشہور ہے کہ وہ نہایت بدخط تھے خود ہم نے حافظ صاحب کے قلم کا لکھا ہوا اتحاف المہرہ کا نسخہ دیکھا ہے واقعی ان کے نوشتہ کو صحیح پڑھ لینا ہر شخص کا کام نہیں ہے، محمد بن ابراہیم بن حبیش البغوی اور امام محمد بن شجاع الثلجی دونوں نہایت مشہور و معروف عالم ہیں، حافظ خطیب بغدادی نے ان دونوں کا مفصل تذکرہ تاریخ بغداد میں لکھا ہے اور چونکہ یہ دونوں حنفی ہیں اس لئے وہ اپنی عادت کے مطابق ان دونوں کے خلاف تعصب کا اظہار کئے بغیر نہ رہ سکے۔

(۲) مناقب الامام الاعظم از صدر الائمہ ج ۱ ص ۹۶.

"امام ابوحنیفہ چار ہزار احادیث روایت فرماتے تھے، دو ہزار حماد سے اور دو ہزار باقی مشائخ سے"

اس بنا پر قیاس یہی ہے کہ امام لؤلؤی نے امام اعظم سے یہ سب حدیثیں سنی ہونگی اوران کو اپنے نسخہ میں روایت کیا ہوگا، محدث علی بن عبدالمحسن دوالیبی حنبلی نے اپنے ثبت میں اس نسخہ سے ساٹھ حدیثیں نقل کی ہیں، جن کو محدث کوثری نے **الإمتاع بسيرة الإمامين الحسن بن زياد و صاحبه محمد بن شجاع** میں نقل کردیا ہے۔

محدث خوارزمی نے جامع مسانید میں اس نسخہ کو **مسند أبي حنيفة للحسن بن زياد** سے موسوم کیا ہے اور کتاب مذکور کے باب ثانی میں اس نسخہ کی اسناد بھی امام لؤلؤی تک نقل کردی ہے، خوارزمی کی طرح دیگر محدثین بھی اس کو مسند ابی حنیفہ ہی کے نام سے روایت کرتے ہیں، خود حافظ ابن حجر عسقلانی کی مرویات میں بھی یہ نسخہ موجود تھا، اس نسخہ کی اسانید واجازات کو محدث علی بن عبدالمحسن الدوالیبی الحنبلی نے اپنے ثبت میں اور حافظ ابن طولون نے الفہرست الأوسط میں اور حافظ محمد بن یوسف دمشقی مصنف **سیرۃ شامیہ** نے **عقود الجمان** میں اور محدث ایوب خلوتی نے اپنے ثبت میں اور خاتمۃ الحفاظ ملا محمد عابد سندی نے **حصر الشارد في أسانيد الشيخ محمد عابد** میں تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے اور علامہ محدث محمد زاہد کوثری نے ان سب کو الامتاع میں جمع کردیا ہے جو ۱۳۶۸ھ میں مصر سے چھپ کر شائع ہوچکی ہے۔

حافظ ابن القیم کی **اعلام الموقعین** کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ نسخہ

ان کے بھی پیش نظر تھا چنانچہ انھوں نے اس نسخہ سے حسب ذیل حدیث نقل کی ہے۔

**قال الحسن بن زياد اللؤلؤي ثنا أبو حنيفة قال كنا عند محارب بن دثار ............ وكان متكئاً فاستوى جالساً ثم قال سمعت ابن عمر يقول سمعت رسول الله ﷺ يقول: "ليأتينّ على الناس يوم تشيب فيه الولدان وتضع الحوامل مافي بطونها"** (الحدیث)(۱)

ان حضرات کے علاوہ اور بھی بہت سے ائمہ نے امام اعظم سے کتاب الآثار کو روایت کیا ہے، جن میں سے امام ممدوح کے صاحبزادے **حماد بن أبي حنيفة** اور **محمد بن خالد وهبي** کے نسخوں سے جامع مسانید میں بھی حدیثیں منقول ہیں، خوارزمی نے ان دونوں نسخوں کا ذکر مسند ابی حنیفہ کے نام سے کیا ہے اور کتاب مذکور کے باب ثانی میں اپنی اسناد بھی ان دونوں حضرات تک نقل کر دی ہے۔

یہ بھی واضح رہے کہ خوارزمی نے چونکہ ان نسخوں کو مسند کہا ہے، اس لئے بعد کے اکثر مصنفین بھی ان کو مسند ہی کے نام سے ذکر کرنے لگے، متقدمین میں دستور تھا کہ وہ ایک کتاب کو متعدد ناموں سے موسوم کرتے تھے، مثلاً دارمی کی تصنیف کو مسند دارمی بھی کہتے ہیں اور سنن دارمی بھی، یا ترمذی کی کتاب سنن بھی کہلاتی ہے اور جامع بھی، اسی طرح کتاب الآثار کے ان نسخوں کو کبھی علماء نے مسند کے نام سے ذکر کیا ہے اور کبھی سنن کے نام سے، اور کبھی کتاب الآثار کے نام سے اور کبھی صرف نسخہ ہی لکھ دیا ہے، لیکن اس مجموعہ کا اصل نام کتاب الآثار ہی ہے، چنانچہ ملک العلماء

(۱) اعلام الموقعین، ج۱، ص۴۳، طبع اشرف المطابع دہلی ۱۳۱۳ھ۔

امام علاء الدین کاسانیؒ نے بھی بدائع الصنائع میں اس کتاب کا ذکر اثار أبي حنیفة ہی کے نام سے کیا ہے۔(۱)

## مؤطا

کتاب الآثار کے بعد حدیث کا دوسرا صحیح مجموعہ (۲) جو اس وقت امت کے ہاتھوں میں موجود ہے وہ امام دار الهجرة مالک بن انسؒ کی مشہور تصنیف مؤطا ہے جو اہل مدینہ کی روایات وفتاوے کا بہترین انتخاب ہے، سابق میں گزر چکا ہے کہ امام مالکؒ نے اس کتاب کی ترتیب وتدوین میں امام ابوحنیفہؒ کا تتبع کیا ہے، چنانچہ

(۱) بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع ج اص ۲۲۰ طبع مصر۔

(۲) اورحیات امام مالک میں جو یہ مرقوم ہے کہ

''موطا کو سب سے بڑا شرف یہ حاصل ہے کہ یہ اسلام کی پہلی کتاب ہے.................کشف الظنون میں ہے کہ أول كتاب وضع في الإسلام مؤطا مالک بن انس (سب سے پہلی کتاب جو اسلام میں لکھی گئی وہ مؤطا ہے) قاضی ابوبکر بن عربی المتوفی ۵۴۷ھ مؤطا کی شرح میں لکھتے ہیں: هـذا أول كتـاب ألف في شـرائع الإسلام (یہ پہلی کتاب ہے جو شریعت اسلامیہ میں لکھی گئی ہے) حضرت سفیان کہتے ہیں: أول من صنف الصحيح مالک و الفضل للمتقدم (سب سے مالک نے صحیح تصنیف کی)''(ص ۹۳، طبع معارف، پریس اعظم گڑھ ۱۳۴۰ھ)

سو تاریخی طور پر صحیح نہیں، کشف الظنون کی مذکورہ عبارت باوجود تلاش کے ہمیں نہ مل سکی، حضرت سفیان سے جو نقل کیا گیا ہے وہ بلاحوالہ ہے، یہ الفاظ سفیان کے نہیں مغلطائی کے ہیں، قاضی ابوبکر بن العربی کی تصریح البتہ کشف الظنون میں موجود ہے اور غالباً وہیں سے اس کو نقل کیا گیا ہے، لیکن قاضی صاحب نے اس بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ اپنی معلومات کے اعتبار سے لکھا ہے کیونکہ ان کو کتاب الآثار کا علم نہ تھا اور یہ کچھ محل تعجب نہیں، بہت سی مشہور کتابیں ہیں جن کے متعلق بعض اکابر اہل علم کو سرے سے اطلاع نہ ہو سکی، حافظ ابوسعید علائی کا خیال ہے کہ حافظ ابوعلی نیشاپوری جو فن حدیث کے مشہور امام خیال کئے جاتے ہیں، صحیح بخاری سے واقف نہ تھے، اسی طرح علامہ ابن حزم کو جامع ترمذی اور سنن ابن ماجہ سے واقفیت نہ تھی۔

کتاب الآثار کی طرح مؤطا میں بھی احادیث صحیحہ کو مبنائے اول، آثار صحابہ وتابعین کو مبنائے ثانی قرار دیا گیا ہے، شاہ ولی اللہ صاحب مصفیٰ شرح مؤطا میں فرماتے ہیں:

باید دانست کہ استدلال بحدیث آنحضرت ﷺ چہ مسند و چہ مرسل وموقوف حضرت عمر و عمل عبد اللہ بن عمر و اخذ بفتاوے صحابہ وتابعین مدینہ خصوصاً کہ جمعے مجتمع شدہ باشند اصل مذہب مالک است۔(۱)

''جاننا چاہئے کہ آنحضرت ﷺ کی حدیث سے خواہ وہ مسند ہو یا مرسل نیز حضرت عمر ﷺ کے اثر اور عبد اللہ بن عمر ﷺ کے عمل سے استدلال کرنا اور صحابہ اور تابعین مدینہ کے فتاوے سے اخذ کرنا خصوصاً جبکہ ان تابعین کی ایک جماعت کسی مسئلہ پر متفق ہو، امام مالک کے مذہب کا اصول ہے۔''

اور حافظ ابن حجر عسقلانی، مقدمہ فتح الباری میں لکھتے ہیں:

فصنّف الإمام مالك المؤطا وتوخى فيه القوى من حديث أهل الحجاز ومزجه بأقوال الصحابة وفتاوى التابعين ومن بعدهم. (۲)

''پھر امام مالک نے مؤطا تصنیف کی اور حدیث اہل حجاز میں سے قوی روایت کو تلاش کر کے اس کے ساتھ صحابہ کے اقوال اور تابعین وعلماء مابعد کے فتاوے کو بھی درج کیا۔''

مؤطا کو امت میں جو قبول عام حاصل ہے وہ محتاج بیان نہیں، حافظ

---

(۱) مصفیٰ ج ۱ ص ۱۷۔ ۲؎ ھدی الساری لفتح الباری ج ۱ ص ۴ طبع میریہ ۱۳۰۰ھ۔

ذہبیؒ نے بالکل صحیح کہا ہے کہ

**إن للموطا لوقعاً في النفوس ومهابةً في القلوب لا يوازيها شيء (۱)**

''بلاشبہ موطاؒ کی دلوں میں جو وقعت اور قلوب میں جو ہیبت ہے اس کا کوئی چیز مقابلہ نہیں کر سکتی۔''

حافظ ابن حبانؒ، **کتاب الثقات** میں لکھتے ہیں:

**كان مالك أول من انتقى الرجال من الفقهاء بالمدينة وأعرض عمن ليس بثقة في الحديث ولم يكن يروي إلا ماصحّ ولا يحدث إلا عن ثقة. (۲)**

''امام مالکؒ، فقہاء مدینہ میں پہلے شخص ہیں، جنہوں نے رواۃ کے بارے میں تحقیق سے کام لیا اور جو شخص حدیث میں ثقہ نہ تھا اس سے اعراض فرمایا، وہ صحیح روایات کے علاوہ نہ کوئی اور چیز روایت کرتے اور نہ کسی غیر ثقہ سے حدیث بیان کرتے تھے۔''

محدثین کو موطاؒ کی صحت کا اس درجہ یقین ہے کہ امام ابوزرعہ رازیؒ فرماتے ہیں:

**لو حلف رجل بالطلاق على أحاديث مالك في المؤطا أنها صحاح لم يحنث. (۳)**

---

(۱) مقدمۃ التعلیق المجد علی موطا الامام محمد، بحوالہ سیر النبلا ذہبی۔ (۲) تہذیب التہذیب ترجمہ امام مالک۔

(۳) تزیین الممالک بمناقب الامام مالک از سیوطی، ص ۴۴، طبع خیریہ مصر ۱۳۲۵ھ۔

’’اگر کوئی شخص اس بات پر طلاق کا حلف اٹھائے کہ موطا میں امام مالک کی جو حدیثیں ہیں، وہ صحیح ہیں تو وہ حانث نہیں ہوگا‘‘

نواب صدیق حسن خاں اتحاف النبلاء المتقین بإحیاء مآثر الفقهاء المحدثین میں أبو زرعة کے اس قول کو نقل کر کے لکھتے ہیں:

’’وایں وثوق واعتماد بر کتب دیگر نیست‘‘(۱)

اور امام شافعی فرماتے ہیں:

**ما علی ظهر الأرض کتاب بعد کتاب اللّٰه أصح من کتاب مالک.** (۲)

’’روئے زمین پر کتاب اللہ کے بعد مالک کی کتاب سے صحیح تر کوئی کتاب نہیں۔‘‘

اگر چہ خود علماء شوافع ہی میں کچھ لوگ ایسے ہیں، جو یہ کہتے ہیں کہ

إنما قال ذلک قبل وجود کتابي البخاري ومسلم (۳)

’’امام موصوف کا یہ فرمانا امام بخاری، اور امام مسلم کی کتابوں کے عالم وجود میں آنے سے پہلے تھا۔‘‘

لہٰذا اب صحیحین کے علاوہ اور کسی کتاب کے متعلق اس قسم کا دعوی کرنا صحیح نہیں (۴) اور صحیحین میں بھی ان لوگوں کے خیال میں اصحیت کے اعتبار سے صحیح

---

(۱) اتحاف النبلاء ص ۱۶۵ طبع نظامی کانپور ۱۲۸۸ھ۔ (۲) تزیین الممالک ص ۴۳۔

(۳) مقدمہ ابن صلاح طبع حلب ۱۳۵۰ھ۔ (۴) اس میں شک نہیں امام شافعی کا یہ قول صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے وجود سے پیشتر تھا لیکن حافظ ابو زرعہ تو امام بخاری اور امام مسلم کے ہم زمان ہیں (بقیہ اگلے صفحہ پر)

بخاریؒ کا جو مقام ہے وہ صحیح مسلم کا نہیں ہے، ان لوگوں کے شبہ کا اصل منشا یہ ہے کہ موطاؒ میں مرسل، منقطع اور بلاغات ہیں، جو صحیح کے لئے قادح ہیں لیکن حافظ مغلطائیؒ فرماتے ہیں کہ

**لا فرق بین المؤطا والبخاری في ذلک لوجوده أیضا في البخاري من التعالیق ونحوها.(۱)**

''اس بارے میں موطاؒ اور بخاریؒ میں کوئی فرق نہیں کیونکہ یہ چیزیں تو بخاری میں بھی ہیں، چنانچہ اس میں بھی تعلیقات اور اسی قسم کی چیزیں موجود ہیں۔''

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ، امام مغلطائی کے اس اعتراض کا یہ جواب دیتے ہیں کہ

**والفرق بین مافیه من المنقطع وبین ما في البخاري أن الذي في المؤطا هو کذلک مسموع لما لک غالباً وهو حجة عنده والذي في البخاري قد حذف أسناده عمداً لأغراض قررت في التعالیق.(۲)**

''موطاؒ اور بخاریؒ دونوں کی منقطع روایات میں فرق یہ ہے کہ موطاؒ میں اس قسم کی جو روایتیں ہیں، ان میں سے اکثر کا سماع

---

(پچھلے صفحہ کا بقیہ) اور ان دونوں کی کتابوں سے بخوبی واقف ہیں تاہم ان کو موطا کی احادیث کی صحت پر اس شدت سے اصرار ہے جو ابھی آپ کی نظر سے گزرا، حالانکہ صحیح مسلم کے بہت سے رُواۃ اور روایات پر ان کی کڑی تنقید تاریخ ورجال کی کتابوں میں مذکور ہے، یہ تنقید اس درجہ وزنی تھی کہ خود امام مسلم کو بھی اس کے متعلق معذرت ہی سے کام لینا پڑا تھا۔

(۱) و (۲) تزیین الممالک ص ۴۷۔

امام مالکؒ نے اسی طرح (بصورت انقطاع ہی) کیا ہے اور وہ ان کے نزدیک حجت ہے لیکن بخاریؒ میں اس قسم کی جو روایتیں ہیں ان کی اسناد ان وجوہ کی بناء پر جن کی تعلیقات کے سلسلہ میں تشریح کی گئی عمداً حذف کی گئی ہے۔'' (۱)

اس پر علامہ صالح فلانیؒ محدث نے ألفیه سیوطيؒ کے حواشی پر لکھا ہے کہ

**وفیما قاله الحافظ من الفرق بین بلاغات المؤطا ومعلقات البخاري نظر، فلو أمعن النظر في المؤطا كما أمعن النظر في البخاري لعلم أنه لا فرق بينهما وما ذكره من أن مالكا سمعها كذلك فغير مسلم لأنه يذكر بلاغاً في رواية يحيى مثلا أومرسلا فيرويه غيره عن مالك موصولاً مسنداً. (۲)**

''حافظ ابن حجرؒ نے بلاغات مؤطاؒ اور تعلیقات بخاریؒ میں جو فرق بیان کیا ہے وہ محل نظر ہے، اگر حافظ صاحب مؤطاؒ کا بھی اسی طرح گہری نظر سے مطالعہ کرتے، جس طرح کہ انھوں نے صحیح بخاریؒ کا کیا ہے، تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ واقعی ان دونوں کتابوں میں کوئی فرق نہیں ہے اور یہ جو وہ فرماتے ہیں کہ امام

(۱) لیکن یہ نری احتمال آفرینی ہے اور معترض کو گنجائش ہے وہ یہی بات خود تعلیقات بخاری کے متعلق بھی کہدے کیونکہ مؤطا کی منقطع روایتیں تو متصلاً ثابت ہیں مگر تعلیقات بخاری میں بہت سی ایسی روایات موجود ہیں کہ جن کی اسانید پر خود حافظ صاحب کو بھی اطلاع نہ ہو سکی۔

(۲) الرسالۃ المستطرفہ لبیان مشہور کتب السنۃ المشرفہ از محمد جعفر کتانی ص ۵، طبع بیروت ۱۳۳۲ھ۔

مالکؒ نے ان روایات کا اسی شکل میں سماع کیا ہے، سو مسلّم نہیں کیونکہ موطاؒ کی ایک حدیث مثلاً یحییٰؒ کی روایت میں اگر بلاغاً یا مرسلاً مذکور ہوتی ہے، تو دوسرے لوگ اسی حدیث کو امام مالکؒ سے موصولاً و مسنداً بھی روایت کرتے ہیں۔"

فتح الباریؒ کے مقدمہ میں حافظ ابن حجرؒ نے اسی سلسلہ میں حسب ذیل تقریر کی ہے۔

"بعض ائمہ نے امام مالکؒ کی کتاب سے امام بخاریؒ کی کتاب کے اصح بتانے کو مشکل قرار دیا ہے کیونکہ صحت کو مشروط رکھنے اور انتہائی احتیاط اور وثوق سے کام لینے میں دونوں شریک ہیں، رہی یہ بات کہ صحیح بخاریؒ میں حدیثیں زیادہ ہیں، سو یہ چیز صحت کی افضلیت کو مستلزم نہیں۔

اور اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ بخاریؒ کی اصحیت دراصل اشتراط صحت ہی کی بنا پر ہے، امام مالکؒ چونکہ انقطاع اسناد کو قادح صحت نہیں خیال کرتے، اس لئے وہ مراسیل، منقطعات اور بلاغات کی تخریج اصل موضوع کتاب میں کرتے ہیں اور امام البخاری انقطاع کو علت قادحہ سمجھتے ہیں، لہٰذا وہ ایسی روایات کو اصل موضوع کتاب کی بجائے اور سلسلہ میں لاتے ہیں جیسے کہ تعلیقات وتراجم ہیں، اور اس میں شک نہیں کہ منقطع روایات اگرچہ ایک قوم کے نزدیک قابل احتجاج ہے مگر پھر بھی

اس کی بہ نسبت متصل روایت جبکہ دونوں کے رواۃ عدالت اور
حفظ میں مشترک ہوں زیادہ قوی ہے۔

پس اس سے بخاریؒ کی کتاب کی فضیلت عیاں
ہوئی، نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ امام شافعی نے جو موطاؒ کو صحت میں
افضل بتایا ہے، وہ ان مجموعوں کے لحاظ سے تھا کہ جو ان کے
زمانے میں موجود تھے جیسے کہ جامع سفیانؒ ثوری اور مصنف
حماد بن سلمہؒ وغیرہ اور ان مجموعوں پر موطاؒ کی تفضیل بلا کسی
نزاع کے مسلّم ہے۔"(۱)

لیکن حافظ صاحب کی یہ تقریر اگر ان دونوں کتابوں کے محض ظاہری تقابل کے اعتبار سے ہے، تو بیشک صحیح ہے ورنہ حقیقت کی رو سے موطاؒ کے تمام مراسیل، منقطعات اور بلاغات، متصل، مرفوع اور مسند ہیں، چنانچہ علامہ صالحؒ فلانی لکھتے ہیں کہ

إن ابن عبد البر ذكر جميع بلاغاته و مراسيله ومنقطعاته كلها موصولة بطرق صحاح إلا أربعة، وقد وصل ابن الصلاح الأربعة بتأليف مستقل وهو عندي، وعليه خطه فظهر بهذا أنه لا فرق بين المؤطا و البخاري. (۲)

"ابن عبد البرؒ نے بجز چار روایتوں کے موطاؒ کے تمام بلاغات،
مراسیل اور منقطعات کو باسانید صحیحہ موصولاً ذکر کیا ہے، اور ان

(۱) ہدی الساری مقدمہ فتح الباری ج ۱، ص ۸۔
(۲) الرسالۃ المستطرفۃ ص ۵۔

چار کے اتصال پر بھی ابن صلاحؒ نے ایک مستقل تالیف کی
ہے، جو میرے پاس موجود ہے اور اس پر خود ان کے قلم کی
تحریر بھی ہے، لہٰذا اس سے ظاہر ہو گیا کہ مؤطاؒ اور بخاریؒ میں
کچھ فرق نہیں ہے۔''

لیکن صرف اتنا ہی نہیں کہ صحت کے لحاظ سے ان دونوں کتابوں میں کچھ فرق نہیں بلکہ بعض وجوہ سے مؤطاؒ کو صحیحین پر ترجیح ہے۔

(۱) مؤطاؒ کی تصنیف کے وقت کبار تبع تابعین کا ایک گروہ کثیر موجود تھا، صحیحین کو یہ امتیاز حاصل نہیں۔

(۲) سابق میں گزر چکا کہ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک راوی کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ جس روایت کو بیان کرے اس کا حافظ بھی ہو لیکن امام بخاریؒ و مسلمؒ کے نزدیک یہ چیز مشروط نہیں۔

(۳) امام مالکؒ کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ کسی بدعتی سے خواہ وہ کیسا ہی پاکباز اور راستباز ہو، حدیث کی روایت کے روادار نہیں، برخلاف اس کے صحیحین میں مبتدعینؒ کی روایات (بشرطیکہ وہ ثقہ اور صادق اللّٰھجة ہوں) بکثرت موجود ہیں، محدث حاکم نیشاپوریؒ، المدخل في أصول الحديث میں لکھتے ہیں:

''صحیح مختلف فیہ کی پانچویں قسم مبتدعہ اور اصحاب الاہواء کی روایات ہیں، جو اکثر محدثین کے نزدیک مقبول ہیں جبکہ یہ لوگ سچے اور راستباز ہوں، چنانچہ محمد بن اسمٰعیلؒ بخاری نے جامع صحیح میں عباد بن یعقوبؒ رواجنی سے حدیث بیان کی ہے اور ابوبکر محمد بن اسحٰق بن خزیمہؒ کہتے تھے۔ حدثنا الصدوق في

روایته المتهم في دینه عباد بن یعقوب.

''ہم سے عباد بن یعقوبؒ نے حدیث بیان کی، جو اپنی روایات میں سچا اور دین میں متہم تھا۔

اسی طرح بخاریؒ نے صحیح میں محمد بن زیاد الہانیؒ، حریز بن عثمان رحبیؒ سے احتجاج کیا ہے، حالانکہ ان کے متعلق نصب کی شہرت تھی، نیز بخاریؒ اور مسلمؒ دونوں ابو معاویہ محمد بن خازمؒ اور عبید اللہ بن موسیٰؒ سے احتجاج پر متفق ہیں حالانکہ یہ دونوں غالی مشہور تھے۔

لیکن مالک بن انسؒ یہ کہتے تھے کہ اس بدعتی سے حدیث نہیں لی جائے گی جو لوگوں کو اپنی بدعت کی طرف دعوت دیتا ہو اور نہ اس شخص سے جو لوگوں سے گفتگو میں دروغ بیانی سے کام لے اگرچہ اس کے متعلق رسول اللہ ﷺ پر دروغ بیانی کا الزام نہ ہو۔'' (۱)

شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی موطاؒ کو حدیث کی تمام کتابوں میں مقدم اور افضل سمجھتے ہیں، انھوں نے اپنی مشہور کتاب مصفّیٰ شرح موطاؒ کے مقدمہ میں اس کی ترجیح کے دلائل اور وجوہ کو نہایت تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے، لیکن اس سلسلہ میں محض تخمین وظن کی بنا پر شاہ صاحبؒ کے قلم سے بعض باتیں ایسی بھی

(۱) المدخل ص ۱۶ طبع حلب ۱۳۵۱ھ۔

نکل گئی ہیں کہ جو خلاف واقع ہیں۔(۱)

موطا میں اگرچہ غیر مدنی شیوخ سے شاذ و نادر روایتیں ہیں، تاہم اس کی "بلاغات" کے بارے میں حافظ جمال الدین مزی نے تہذیب الکمال میں

(۱) مثلاً فضلِ مصنف کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

باید دانست کہ امروز در دست مردمان ہیچ کتابے نیست کہ مصنف آں از تبع تابعین باشد غیر موطا (ص ۳)

"جاننا چاہئے کہ آج لوگوں کے ہاتھ میں بجز موطا کے کوئی کتاب ایسی نہیں کہ جس کا مصنف تبع تابعین میں سے ہو"

حالانکہ کہ امام ابو یوسف اور امام محمد دونوں تبع تابعین میں سے ہیں. اور دونوں کی حدیث وفقہ میں متعدد تصانیف آج بھی لوگوں کے ہاتھ میں موجود ہیں اور بعض ان میں سے طبع ہو کر شائع بھی ہو چکی ہیں.

اسی طرح ائمہ اربعہ کا موازنہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

بالجملہ ایں چہار امامان اند کہ عالم را علم ایشاں احاطہ کردہ است، امام ابوحنیفہ و امام مالک و امام شافعی و امام احمد، ایں دو امام متاخر شاگرد امام مالک بودند و مستمدان از علم او، و در عصر تبع تابعین نبودند مگر ابوحنیفہ و امام مالک، آں یک شخصے است کہ رؤس محدثین مثل احمد و بخاری و مسلم و ترمذی و ابوداؤد و نسائی و ابن ماجہ و دارمی یک حدیث از وے در کتابہائے خود روایت نکردہ اند و رسم روایت حدیث از وے بطریق ثقات جاری نشد و آں دیگر شخصے است کہ اہل نقل اتفاق دارند بر آنکہ چوں حدیث بروایت او ثابت شد ند اعلیٰ صحت رسید۔(ص ۶)

"غرض یہ کل چار امام ہیں کہ جن کے علم نے دنیا کا احاطہ کر رکھا ہے، امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد ہیں، یہ موخر الذکر دونوں امام، امام مالک کے شاگرد اور ان کے علم سے بہرہ مند تھے، اور تبع تابعین کے زمانہ میں صرف ابوحنیفہ اور امام مالک ہوئے ہیں، سو وہ (یعنی امام ابوحنیفہ) ایک ایسے شخص ہیں کہ جن سے سر آمد محدثین نے جیسے کہ احمد، بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ اور دارمی ہیں ایک حدیث اپنی کتاب میں روایت نہیں کی اور حدیث کی روایت کا سلسلہ ان سے بطریق ثقات جاری نہیں ہوا، اور وہ دوسرے (یعنی امام مالک) ایک ایسے شخص ہیں کہ اہل نقل کا اس پر اتفاق ہے کہ جب حدیث ان کی روایت سے ثابت ہو جائے تو صحت کے اعلیٰ معیار پر پہنچ جاتی ہے۔" (بقیہ اگلے صفحہ پر)

عبداللہ بن ادریس کوفی المتوفی ۱۹۲ھ کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ

"بیان کیا جاتا ہے کہ بلاغات کو امام مالک نے ابن ادریس سے سنا تھا۔"

اس عبارت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ موطا کی جتنی روایات میں "بلغني"

(پچھلے صفحہ کا بقیہ) حالانکہ (۱) امام احمد بن حنبل، امام مالک کے شاگرد نہ تھے۔ (۲) امام ابوحنیفہ تابعی ہیں اور ان کا عہد صغار تابعین کا عہد ہے۔ (۳) امام ابوحنیفہ کی روایت جامع ترمذی اور سنن نسائی دونوں کتابوں میں موجود ہے، محدث محمد طاہر پٹنی نے مجمع بحار الانوار میں تصریح کی ہے کہ اخرج له الترمذي والنسائي (امام ابوحنیفہ سے ترمذی اور نسائی نے تخریج کی ہے) اور مسند امام احمد میں امام اعظم کی روایت مسند بریدہؓ میں (ج ۵ ص ۳۵۷ پر) موجود ہے۔ (۴) یہ بھی محض بے اصل ہے کہ "امام ابوحنیفہ سے بطریق ثقات روایت حدیث کا سلسلہ جاری نہیں ہوا" خود شاہ ولی اللہ صاحب نے انسان العین میں مشائخ الحرمین میں محدث عیسیٰ جعفری مغربی کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ

مسندے برائے امام ابوحنیفہ تالیف کردہ درآں جا عنعنہ ذکر کردہ در حدیث ازاں جا بطلان زعم کسانیکہ گویند سلسلہ حدیث امروز متصل نماندہ واضح تر می شود۔ (ص ۶ طبع احمدی دہلی)

"انھوں امام ابوحنیفہ کی ایک ایسی مسند تالیف کی ہے، جس میں اپنے سے لے کر امام موصوف تک عنعنہ متصلہ کو ذکر کیا ہے اور یہاں سے ان لوگوں کے دعوی کا غلط ہونا اچھی طرح ظاہر ہوجاتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ حدیث کا سلسلہ آج کل متصل نہیں رہا ہے۔"

یہ عیسی مغربی، شاہ صاحب کے استاذ الاساتذہ ہیں ۱۰۸۰ھ میں ان کی وفات ہوئی ہے، شاہ صاحب ان کے متعلق فرماتے ہیں "وے استاذ جمہور اہل حرمین است" غور کیجئے اگر امام ابوحنیفہ سے حدیث کی روایت کا سلسلہ جاری نہ ہوا تو یہ حدیث کا سماع متصل امام صاحب سے لیکر شاہ صاحب کے دور تک کیسے ثابت ہوگیا، بلکہ شاہ صاحب کی اس عبارت سے تو اور یہ ظاہر ہوا کہ یہ امام اعظم ہی کی خصوصیت ہے کہ ان کی احادیث کی روایت کا سلسلہ بسند متصل اس عہد تک جاری رہا حتی کہ جو لوگ اس زمانہ میں سلسلہ اسناد کو متصل ماننے سے انکار کرتے تھے، ان کے خلاف شاہ صاحب نے اسی چیز کو دلیل میں پیش کیا ہے اور حافظ شمس الدین ذہبی نے تصریح کی ہے کہ

روی عنه من المحدثين والفقهاء عدة لا يحصون (مناقب ابی حنیفہ از ذہبی ص ۱ طبع مصر)

"امام ابوحنیفہ سے محدثین وفقہاء کی اتنی بڑی تعداد نے حدیث کی روایت کی ہے کہ جن کا شمار نہیں ہوسکتا۔"

ان میں سے حافظ جمال الدین مزی نے تہذیب الکمال میں امام اعظم کے ترجمہ میں پچانوے مشاہیر علماء ثقات کو نام بنام ذکر کیا ہے۔

مذکور ہے، وہ سب عبداللہ بن ادریسؒ سے سنی ہوئی ہیں، لیکن درحقیقت یہ ان بلاغات کا ذکر ہے کہ جو موطاؒ میں حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ سے منقول ہیں، چنانچہ حافظ ذہبیؒ تذکرۃ الحفاظؒ میں یعقوب بن شیبہؒ سے نقل کرتے ہیں کہ

**قیل إن جمیع ما یرویه مالک في المؤطا (بلغني عن علي) أنه سمعه من ابن إدریس** (۱)

''کہا گیا ہے کہ تمام وہ روایات جن کو امام مالکؒ، موطا میں ''**بلغنی عن علی**'' کہہ کر روایت کرتے ہیں وہ سب انھوں نے ابن ادریسؒ سے سنی ہیں۔''

اور قاضی عیاضؒ، مدارکؒ میں لکھتے ہیں کہ احمد بن عبداللہؒ کوفی نے اپنی تاریخ میں بیان کیا ہے کہ امام مالکؒ نے حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ سے جس قدر روایات مرسلاً ذکر کی ہیں، وہ سب انھوں نے عبداللہ بن ادریسؒ اودی سے روایت کی ہیں۔ (۲)

اسی طرح موطاؒ کے باب الوفا بالأمان میں بھی حضرت عمر ﷺ کا ایک اثر **عن رجل من أهل الکوفة** (کوفہ کے ایک شخص سے) منقول ہے جس کی تعیین میں زرقانیؒ نے سفیانؒ ثوری کا نام لیا ہے، لیکن ہوسکتا ہے کہ یہ بھی عبداللہ بن ادریسؒ ہی کی روایت ہو۔ (۳)

---

(۱) تذکرۃ الحفاظ، ترجمہ عبداللہ بن ادریس۔ (۲) **إسعاف المبطأ برجال المؤطا** از علامہ سیوطی، ص، ۳۶، طبع مطبوعہ حلبی مصر ۱۳۴۹ھ (۳) یہ عبداللہ بن ادریس، امام ابوحنیفہ کے تلامذہ میں سے ہیں اور فقہاء حنفیہ میں شمار کئے جاتے ہیں، حافظ عبدالقادر قرشی نے الجواہر المضیہ فی طبقات الحنفیہ میں ان کا ترجمہ لکھا ہے اور (بقیہ اگلے صفحہ پر)

## مؤطا کا زمانۂ تالیف

### حافظ ابن حزمؒ نے تصریح کی ہے کہ امام مالکؒ نے مؤطا کی تالیف یقیناً یحییٰ بن سعید انصاریؒ کی وفات کے بعد کی ہے اور یحییٰ کی وفات ۱۴۳ھ میں ہوئی

(پچھلے صفحہ کا بقیہ) بعض ان مسائل فقہیہ کا بھی ذکر کیا ہے جس کو یہ امام ابوحنیفہ سے روایت کرتے ہیں، حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا مفصل تذکرہ لکھا ہے، جو ان لفظوں میں شروع ہوتا ہے، عبد الله بن إدريس بن يزيد بن عبد الرحمن الإمام القدوة الحجة أبو محمد الأودي الكوفي أحد الأعلام، بڑے عابد وزاہد تھے جاہ ومنصب سے ہمیشہ متنفر رہے، ایک بار خلیفہ ہارون رشید نے ان کو طلب کر کے عہدۂ قضا پیش کرنا چاہا، مگر انھوں نے معذرت کی کہ میں اس کا اہل نہیں، اس پر خلیفہ نے بگڑ کر کہا کہ کاش میں تیری صورت نہ دیکھتا، ابن ادریس نے بھی نہایت متانت سے جواب دیا کاش میں بھی تیری صورت نہ دیکھتا اور یہ کہہ کر دربار سے چلے آئے، بعد کو خلیفہ نے پانچ ہزار کے توڑے ان کی خدمت میں روانہ کئے مگر انھوں نے لینے سے انکار کر دیا اور جو شخص رقم لیکر آیا اس سے نہایت زور سے چلا کر کہا کہ بس یہیں سے واپس چلے جاؤ، ہارون الرشید نے یہ ماجرا دیکھا، تو دوبارہ پیام بھیجا کہ آپ نے نہ ہمارا اکرام کیا اور نہ ہمارے صلہ کو قبول کیا، اب میرا بیٹا مامون آپ کی خدمت میں آئے تو اس سے حدیثیں بیان فرمائیں، ابن ادریس نے جواب میں کہلا بھیجا کہ إن جاء نا مع الجماعة حدثناه (اگر وہ عام لوگوں کے ساتھ آیا تو اس سے بھی حدیثیں بیان کریں گے) چنانچہ جب حج کے موقع پر ہارون رشید کا کوفہ میں داخلہ ہوا تو اس نے قاضی ابویوسف صاحب سے کہا کہ محدثین کو کہئے ہمارے پاس آ کر حدیث شریف کا درس دیں، دو شخصوں کے علاوہ سب نے خلیفہ کی فرمائش کی تعمیل کی، یہ دو بزرگ عبداللہ بن ادریس اور عیسیٰ بن یونس تھے، جب یہ نہ آئے تو امین و مامون دونوں شہزادے خود سوار ہو کر عبداللہ بن ادریس کی خدمت میں حاضر ہوئے، ابن ادریس نے سو حدیثیں ان کے سامنے بیان کیں، جب یہ روایت کر چکے، تو مامون کہنے لگا عم محترم اجازت ہو تو ان حدیثوں کو زبانی سنا دوں، ابن ادریس نے کہا سناؤ، مامون نے فوراً اپنے حافظہ سے ان کو دہرا دیا، یہ دیکھ ابن ادریس بھی اس کی قوت حافظہ پر عش عش کر گئے، یہاں سے اٹھ کر یہ دونوں شہزادے عیسیٰ بن یونس کے یہاں پہنچے اور انھوں نے بھی ان سے حدیثیں بیان کیں، جب درس ختم ہوا، تو مامون نے دس ہزار کے توڑے پیش کئے لیکن ابن یونس نے قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا اور کہہ دیا کہ ولا شربة ماء (اس کے عوض تو پانی کا ایک گھونٹ بھی قبول نہیں کیا جا سکتا)۔

(تذکرۃ الحفاظ ترجمہ عیسیٰ بن یونس)

ہے، (۱) محدث قاضی عیاضؒ نے مدارکؒ میں ابومصعبؒ سے جو امام مالکؒ کے شاگرد خاص ہیں، نقل کیا ہے کہ خلیفہ منصورؒ عباسی نے امام مالکؒ سے فرمائش کی تھی کہ ضع کتاباً للناس أحملهم عليه (آپ لوگوں کے لئے ایک ایسی کتاب لکھیں کہ جس پر میں ان سے عمل کراؤں) امام مالکؒ نے اس سلسلہ میں کچھ کہا (۲) تو منصورؒ بولا ضعه فما أحد اليوم أعلم منك (آپ کتاب تصنیف فرمائیں، آج آپ سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں) آخر امام موصوف نے مؤطاؒ کی تصنیف شروع

(۱) توجیہ النظر از شیخ صالح جزائری ص ۷ طبع مصر، بحوالہ احکام ابن حزم۔

(۲) ابومصعب کے بیان میں امام مالک کی گفتگو منقول نہیں، لیکن ابن سعد نے طبقات میں واقدی کے حوالہ سے خود امام مالک کی زبانی اس کو تفصیل سے نقل کیا ہے، جو حسب ذیل ہے۔

منصور:۔ میرا ارادہ ہے کہ میں آپ کی اس کتاب (یعنی مؤطا) کے متعلق حکم دوں کہ اس کی نقلیں لی جائیں اور مسلمانوں کے پاس ہر شہر میں اس کا ایک ایک نسخہ بھیج دیا جائے اور فرمان جاری کر دوں کہ وہ اسی کے مطابق عملدرآمد کریں اور اس سے تجاوز نہ کریں اور اس کے علاوہ جو یہ نیا علم ہے، سب چھوڑ دیں کیونکہ اس علم کی اصل اہل مدینہ کی روایت اور ان کا علم ہی ہے۔

**امام مالک:۔** اے امیر المؤمنین ایسا نہ کیجئے، کیونکہ لوگوں کے پاس پہلے سے اقوال پہنچ چکے ہیں، انھوں نے بھی حدیثیں سنی ہیں اور ان کو روایت کیا ہے اور ہر قوم نے صحابہ اور دیگر علماء کے اختلاف کی صورت میں اسی کو اختیار کیا ہے، جو ان کے یہاں پہلے سے چلا آتا ہے اور اسی کے مطابق عمل کرتے اور دینی زندگی گزارتے ہیں، نیز جس کے وہ معتقد ہیں، اس سے ان کا ہٹانا دشوار ہے اس لئے لوگوں کو آپ ان ہی کے حال پر چھوڑ دیجئے اور ہر اقلیم والوں نے جو کچھ اپنے لئے پسند کر رکھا ہے اس کو رہنے دیجئے۔

منصور:۔ اپنی قسم اگر آپ میرا کہنا مان جاتے، تو میں یہی کرتا۔ (تزیین الممالک ص ۴۶)

حافظ ابن عبدالبر، جامع بیان العلم (ج ۱ ص ۱۳۲) میں اس واقعہ کو نقل کر کے لکھتے ہیں وهذا غاية في الإنصاف لمن فهم (یہ ہر ذی فہم کے نزدیک انتہائی انصاف کی بات ہے) جو لوگ آج کل فروعی اختلافی مسائل میں شدت برتتے ہیں، ان کو امام مالک کے اس مشورہ سے سبق لینا چاہئے۔

کی، لیکن کتاب کے ختم ہونے سے پہلے منصورؔ کی وفات ہوگئی۔(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ موؔطا کی تصنیف منصورؔ کی فرمائش پر خود اس کے عہد میں شروع ہوئی اور اس کی وفات کے بعد پایہ تکمیل کو پہنچی، منصوؔر نے ۶ رذی الحجہ ۱۵۸ھ میں وفات پائی اور اس کی جگہ اس کا بیٹا محمد المہدیؔ مسندِ خلافت پر متمکن ہوا اور اسی کی خلافت کے ابتدائی زمانہ میں موؔطا کی تصنیف مکمل ہوئی۔

## جامع سفیان ثوری

یہی زمانہ ہے جب امام سفیان ثورؔی نے جامعؔ لکھی ہے، بعض نے اس کا سنِ تصنیف ۱۶۰ھ بتایا ہے، (۲) لیکن یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا کیونکہ تاریخ سے ثابت ہے کہ امام زفؔر کا جب بصرہ آنا ہوا تھا تو ان کے سامنے جامع سفیاؔن لائی گئی تھی اور آپ نے اسے دیکھ کر یہ فرمایا تھا کہ

هذا كلامنا ينسب إلى غيرنا. (۳)

''یہ ہمارا کلام غیروں سے نقل کر رہے ہیں؛''

امام زفؔر کی وفات ماہ شعبان ۱۵۸ھ میں ہوئی ہے، اس لئے یہ ماننا پڑے گا کہ اس کی تصنیف ان کی وفات سے پہلے پہلے مکمل ہو چکی تھی۔

امام زفؔر نے جامع سفیاؔن کے بارے میں جو رائے ظاہر کی وہ اس کے فقہی

---

(۱) تزیین الممالک از سیوطی ص ۴۳۔

(۲) مقدمہ تنویر الحوالک، بحوالہ قوت القلوب۔

(۳) مناقب امام اعظم از امام حافظ الدین کردری ج ۲ ص ۱۸۳ طبع دائرۃ المعارف حیدر آباد دکن ۱۳۲۱ھ و مناقب الامام الاعظم از محدث ملا علی قاری ص ۵۳۵، ملا علی قاری کی تصنیف الجواہر المضیہ کے آخر میں بطور ذیل طبع ہوئی ہے۔

مسائل سے متعلق ہے، امام سفیان ثوریؒ کوفہ کے رہنے والے تھے، فقہ میں عموماً ان کا اور امام اعظمؒ کا ایک مذہب ہے، امام ترمذیؒ اپنی جامعؒ میں سفیان ثوریؒ کا مذہب نقل کرتے ہیں جو اکثر امام ابوحنیفہؒ کے موافق ہوتا ہے، امام ابویوسفؒ فرمایا کرتے تھے کہ

سفيان الثوري أكثر متابعة لأبي حنيفة منّي. (۱)

''سفیان ثوریؒ مجھ سے بھی زیادہ ابوحنیفہؒ کے متبع ہیں۔''

امام ثوریؒ اگر چہ خود بھی امام ابوحنیفہؒ کی مجلس درس میں حاضر ہوئے ہیں اور ان سے حدیثیں روایت کی ہیں، مگر امام صاحب کی فقہ کو انھوں نے علی بن مسہر (۲) سے اخذ کیا ہے، جو امام اعظمؒ کے مختص تلامذہ میں شمار کئے جاتے ہیں، امام ثوریؒ نے اپنی جامعؒ کی تصنیف میں بھی زیادہ تر ان ہی سے مدد لی ہے، چنانچہ امام یزید بن ہارونؒ فرماتے ہیں کہ

كان سفيان يأخذ الفقه عن علي بن مسهر من قول أبي حنيفة، وأنه استعان به و بمذاكرته على كتابه هذاالذى سمّاه الجامع. (۳)

''سفیان ثوریؒ، امام ابوحنیفہؒ کی فقہ کو علی بن مسہرؒ سے حاصل

---

(۱) الإنتقاء في فضائل الثلاثة الأئمة الفقهاء از حافظ ابن عبدالبر ص ۱۲۸ طبع مصر ۱۳۵۰ھ۔

(۲) یہ فقہ اور حدیث دونوں کے جامع تھے، امام احمد بن حنبل، یحیٰ بن معین، ابوزرعہ، نسائی اور ابن حبان ان سب نے متفقہ طور پر ان کو ثقہ کہا ہے، عجلی کے الفاظ ہیں ''كان ممن جمع الحديث والفقه'' ابن سعد لکھتے ہیں. كان ثقة كثير الحديث، ۱۸۹ھ میں وفات پائی رحمہ اللہ، تذکرۃ الحفاظ، تہذیب التہذیب، الجواہر المضیہ اور مناقب امام اعظم مؤلفہ امام کردری میں ان کا مفصل ترجمہ موجود ہے۔

(۳) مقدمہ کتاب التعلیم از علامہ مسعود بن شیبہ سندی بحوالہ اخبار ابی حنیفہ واصحابہ مصنفہ امام طحاوی، اس کتاب کا قلمی نسخہ مجلس علمی کے کتب خانہ کراچی میں موجود ہے۔

کرتے تھے اور ان ہی کی مدد اور مذاکرہ سے انھوں نے اپنی یہ
کتاب جس کا نام جامع رکھا ہے تصنیف کی ہے۔"

سفیان ثوریؒ کی جامع ایک زمانہ میں محدثین میں بڑی مقبول و متداول رہی ہے، چنانچہ امام بخاریؒ نے علم حدیث کی جب تحصیل شروع کی تو سب سے پہلے جن کتابوں کی طرف توجہ کی وہ سفیان ثوریؒ کی جامع اور عبداللہ بن مبارکؒ اور وکیعؒ کی تصنیفات تھیں، امام بخاریؒ نے جامع سفیانؒ کا سماع اپنے وطن ہی میں امام ابوحفص کبیر (۱) سے کیا تھا، چنانچہ محدث خطیبؒ بغدادی بہ سند نقل کرتے ہیں کہ

(۱) ان کا نام احمد بن حفصؒ اور کنیت ابوحفصؒ ہے، ان کے صاحبزادے محمد بن احمد بن حفص معروف بہ ابوحفص صغیر ہیں چونکہ باپ بیٹے دونوں کی کنیت ابوحفصؒ ہے اس بنا پر باپ کو کبیر اور بیٹے کو صغیر کہا جاتا ہے، یہ بخاراؒ کے ان مشاہیر ائمہ حدیث میں سے ہیں کہ جن کے دم سے وہاں علم حدیث کی گرم بازاری تھی، چنانچہ حافظ شمس الدین ذہبیؒ نے اپنے رسالہ "الامصار ذوات الآثار" میں بخاراؒ کے جن اعیان محدثین کا خصوصیت سے ذکر کیا ہے ان کے نام یہ ہیں:

عیسی بن موسی غنجارؒ، احمد بن حفص فقیہؒ (ابوحفص کبیر) محمد بن سلام بیکندیؒ، عبداللہ بن محمد مسندیؒ، ابوعبداللہ بخاریؒ (صاحب الصحیح) صالح بن محمد جزرہؒ" (اعلان بالتوبیخ ص ۱۴۲)

حافظ سمعانیؒ نے امام ابوحفص کبیرؒ کے ترجمہ میں تصریح کی ہے کہ

روی عنه خلق لا یحصون (مقدمہ جواہر المضیہ)

"ان سے بے شمار مخلوق نے روایت کی ہے۔"

حقیقت یہ ہے کہ ان کی ذات سے اقلیم ماوراء النہر میں حدیث وفقہ کی جتنی اشاعت ہوئی، ان کے معاصرین میں کسی سے نہ ہوئی، بخاراؒ کا ایک ایک گاؤں ان کے تلامذہ سے بھرا ہوا تھا، سمعانیؒ نے لکھا ہے کہ صرف خیزاخزا میں ان کے شاگردوں کی اتنی خلقت تھی کہ جو شمار سے باہر تھی، حافظ عبدالقادرؒ قرشی، سمعانیؒ کی مذکورہ بالا تصریح کو نقل کرکے لکھتے ہیں:

وهذا في قرية من قرى بخارا (مقدمہ جواہر المضیہ) (بقیہ اگلے صفحہ پر)

**أخبرني أبو الوليد قال أنبأنا محمد بن أحمد بن محمد بن سليمان الحافظ قال نبأنا أبو عمرو أحمد بن محمد بن عمر**

(پچھلے صفحہ کا بقیہ) "یہ تو بخارا کے صرف ایک قریہ کا ذکر ہے۔"

امام ابوحفص کبیرؒ نے فقہ کی تعلیم امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ سے حاصل کی تھی، ان کا شمار امام محمدؒ کے کبار تلامذہ میں سے ہے، حافظ ذہبیؒ نے سیر اعلام النبلاءؒ کے چودھویں طبقہ میں ان کے صاحبزدے محمد بن احمد بن حفصؒ کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ

**وكان أبوه من كبار تلامذة محمد بن الحسن انتهت إليه رئاسة الأصحاب ببخارا.**

"ان کے والد (امام ابوحفص کبیر) امام محمد بن حسنؒ کے بڑے شاگردوں میں سے تھے اور بخاراؒ میں علماء احناف کی سربراہی ان پر ختم تھی۔"

امام بخاریؒ کے والد ماجد اسمٰعیلؒ اور امام ابوحفص کبیرؒ کے درمیان انتہائی محبت اور خلوص کے مراسم تھے، اسمٰعیلؒ نے جس وقت وفات پائی یہ ان کے پاس ہی موجود تھے، اس وقت اسمٰعیلؒ نے ان سے کہا تھا کہ **لاأعلم من مالي درهماً من حرام ولا درهماً من شبهة** (مقدمہ فتح الباری ص ۴۸۰ طبع منیریہ مصر)۔

"میں اپنے مال میں ایک درم بھی حرام یا شبہ کا نہیں پاتا۔"

یہ تعلقات اسمٰعیلؒ کی وفات کے بعد بھی دونوں خاندان میں بدستور قائم رہے، چنانچہ امام بخاریؒ اور ان کے صاحبزادے امام ابوحفص صغیر مدت تک طلب حدیث میں رفیق اور ہم سفر رہے ہیں۔

ایک بار امام ابوحفص کبیرؒ نے امام بخاریؒ کو اس قدر مال تجارت بھیجا تھا کہ جس کو بعض تاجروں نے پانچ ہزار کے نفع سے ان سے خریدا اور بعض تاجر اس سے بھی دوگنے نفع پر لینے پر تیار تھے لیکن امام بخاریؒ نے اپنے ارادہ کو بدلنا پسند نہ فرمایا۔ (مقدمہ فتح الباریؒ ص ۴۸۰)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے بھی فتح الباریؒ کے مقدمہ میں امام ممدوح کو امام بخاریؒ کے مشائخ میں شمار کیا ہے اور ان کے حق میں امام ابوحفص کبیرؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ **هذا يكون له صيت** "اس کا شہرہ ہوگا" (مقدمہ ص ۴۸۲)۔

امام ابوحفص کبیرؒ کی وفات ۲۱۷ھ میں ہوئی، آپ امام شافعی کے ہم عمر تھے اور ان کے بہت بعد تک زندہ رہے، آپ کے زہد و عبادت کے کچھ واقعات روضۃ العلماءؒ امام زندویؒ کے "**باب في زهد العلماء وبعدهم عن السلطان**" اور **باب ما يجب على العالم أن يستعمل العلم أولا ثم يعلم غيره** میں مذکور ہیں۔

**المقري وأبو نصر أحمد بن أبي حامد الباهلي قالا: سمعنا أبا سعيد بكر بن منير يقول: سمعت محمد بن إسمٰعيل بن إبرهيم بن المغيرة الجعفي يقول: كنت عند أبي حفص أحمد بن حفص أسمع كتاب الجامع، جامع سفيان في كتاب والدي فمر أبو حفص على حرف ولم يكن عندي ماذكر فراجعته، فقال الثانية كذلک، فراجعته الثانية فقال كذلک، فراجعته الثالثة فسكت سويعة ثم قال من هذا قالوا هذاابن إسماعيل بن إبراهيم بن بردزبه فقال أبو حفص هو كما قال واحفظوا فإنّ هذايوماً يصير رجلاً (۱)**

''محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ جعفی (امام بخاری) نے بیان کیا کہ میں ابوحفص (کبیر) احمد بن حفص کے پاس جامع سفیان کا سماع اپنے والد کی کتاب میں کر رہا تھا کہ وہ ایک حرف سے گزرے، جو میرے یہاں نہ تھا، میں نے ان سے مراجعت کی، انھوں نے دوبارہ وہی بتایا، میں نے دوبارہ مراجعت کی، پھر انھوں نے وہی بتایا، آخر میں نے تیسری دفعہ مراجعت کی، تو ذرا چپ رہے اور دریافت کرنے لگے کہ یہ کون ہے؟ لوگوں نے کہا! اسمٰعیل بن ابراہیم بن بردزبہ کا لڑکا ہے، فرمانے لگے، اس نے صحیح بتایا، یادرکھو! یہ لڑکا ایک دن مردمیدان بنے گا۔''

(۱) تاریخ بغداد ج ۲ ص ۱۱ طبع مصر ۱۳۴۹ھ۔

امام اسحٰق بن راہویہ سے کسی نے سوال کیا تھا کہ

**أي الكتابين أحسن كتاب مالك أو كتاب سفيان؟**

''دونوں کتابوں میں کون سی کتاب زیادہ اچھی ہے، مالکؒ کی یا سفیان کی؟''

کہنے لگے کتاب مالکؒ (۱) لیکن امام ابوداؤد سجستانی، صاحب سنن فرماتے ہیں کہ

**جامع سفيان الثوري، فإنه أحسن ما وضع الناس في الجوامع. (۲)**

''لوگوں نے اس موضوع پر جتنی کتابیں لکھی ہیں، سفیان ثوریؒ کی جامع ان سب میں اچھی ہے۔''

یہ اس دور کی ان مشہور اور مہتم بالشان کتابوں کا ذکر تھا، جن کے مصنف اقلیم فقہ واجتہاد کے فرمانروا رہے ہیں، بعد کے دور میں جن کتابوں نے قبول عام کی سند حاصل کی ان کے مصنفین ان ہی حضرات کے خوشہ چیں تھے، شاہ عبدالعزیزؒ صاحب محدث دہلوی، عجالۂ نافعہ میں فرماتے ہیں:

وصحیح بخاری وصحیح مسلم ہرچند در بسط وکثرت احادیث دہ چند مؤطا باشند لیکن طریق روایت احادیث وتمیز رجال وراہ اعتبار واستنباط از مؤطا آموختہ اند۔ (۳)

''صحیح بخاریؒ اور صحیح مسلمؒ ہر چند مؤطا سے دس گنی ہیں، مگر حدیثوں کی روایت کا طریقہ، رجال کی تمیز اور اعتبار واستنباط کا ڈھنگ مؤطاؒ سے سیکھا ہے۔''

---

(۱) تزیین الممالک ص ۴۴۔

(۲) رسالۃ ابی داؤد السجستانی فی وصف تالیفہ لکتاب السنن ص ۷ طبع مصر ۱۳۴۹ھ۔

(۳) عجالہ نافعہ ص ۵ طبع مجتبائی دہلی ۱۳۱۲ھ۔

## اس دور کے بعض اور مصنفین

منصورؒ کے خلیفہ ہونے سے پہلے مسلمانوں میں تصنیف وتالیف کا سلسلہ عام نہ تھا، اس کے عہد میں اس سلسلہ کو کافی ترقی ہوئی اور بہت سے علماء نے مختلف علوم وفنون پر کتابیں مدون کیں، چنانچہ حافظ ذہبیؒ، تذکرۃ الحفاظؒ میں طبقۂ رابعہ کے ختم پر لکھتے ہیں:

"اسی طبقہ کے دور میں دولت اسلامیہ بنی امیہؒ سے بنی عباسؒ کی طرف ۱۳۲ھ میں منتقل ہوئی، اس انقلاب نے خون کے سیلاب بہادیئے، خراسانؒ، عراقؒ، اور جزیرہؒ میں ایک عالم کا عالم جس کا شمار اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں، تہ تیغ ہوگیا.....................
اسی زمانہ میں بصرہؒ میں عمرو بن عبیدؒ عابد اور واصلؒ بن عطا غزال نمایاں ہوئے، جنہوں نے لوگوں کو مذہب اعتزال اور قدر کی طرف دعوت دی اور خراسانؒ میں جہم بن صفوانؒ نمودار ہوا، جو تعطیل صفات باری اور خلق قرآن کا داعی تھا اور اسی کے بالمقابل خراسانؒ میں مقاتل بن سلیمانؒ مفسر پیدا ہوا، جس نے اثبات صفات میں اتنا غلو کیا کہ تجسیم تک نوبت پہنچادی، آخر علماء تابعین اور ائمہ سلف ان مبتدعین کے خلاف اٹھے اور انھوں نے لوگوں کو ان کی بدعت میں مبتلا ہونے سے روکا۔"

علماء کبار نے سنن کی تدوین، فروع (فقہ) کی تالیف

اورعربیت (لغت ونحووصرف) کی تصنیف شروع کی، پھر ہارون الرشید کے زمانے میں اس سلسلہ کی کثرت ہوئی اور بہ کثرت تصانیف مدون ہوگئیں، اب علماء کا حافظہ گھٹنے لگا اور کتابیں مدون ہوگئیں توانہیں پراعتماد رہ گیا، اس سے پہلے صحابہ وتابعین کا علم سینوں میں تھااور سینے ہی ان کے علم کے گنجینے تھے۔"

اور حافظ سیوطی، تاریخ الخلفاء میں ۱۴۳ھ کے حوادث وواقعات کے ذیل میں حافظ ذہبی سے نقل کرتے ہیں:

"اسی عہد میں علماء اسلام نے حدیث، فقہ اور تفسیر کی تدوین شروع کی، چنانچہ مکہ معظمہ میں ابن جریج نے، مدینہ منورہ میں مالک نے (انھوں نے موطا لکھی) شام میں اوزاعی نے، بصرہ میں ابن ابی عروبہ اور حماد بن سلمہ وغیرہ نے، یمن میں معمر نے (۱) کوفہ میں سفیان ثوری نے تصنیفیں کیں، ابن اسحاق نے مغازی کی تالیف کی اور ابوحنیفہ نے فقہ اور اجتہادی مسائل

(۱) شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں:

قد صنف في زمن مالك مؤطآءات كثيرة في تخريج أحاديثه ووصل منقطعة مثل كتاب ابن أبي ذئب، وابن عيينه والثوري و معمر وغيرهم ممن شارك مالكاً في الشيوخ.(ج۱ص۱۳۳طبع منیریہ مصر)

"امام مالک کے زمانہ میں بہت سی مؤطائیں ان کی موطا کی احادیث کی تخریج اوران کی منقطع روایات کے وصل کے سلسلہ میں تصنیف کی گئیں جیسے کہ ابن ابی ذئب، ابن عیینہ، ثوری اور معمر وغیرہ کی کتابیں ہیں، یہ لوگ امام مالک کے ساتھ ان کے شیوخ سے روایت کرنے میں شریک ہیں (بقیہ اگلے صفحہ پر)

کومدون کیا پھر کچھ عرصہ کے بعد ہشیم، لیث بن سعد اور ابن لہیعہ
نے تصنیفات کیں، اور ان کے بعد ابن مبارک، ابو یوسف اور
ابن وہب نے کتابیں لکھیں اور کثرت سے علم کی تدوین
وتبویب ہوئی اور عربیت، لغت، تاریخ اور ایام عرب پر کتابیں
لکھی گئیں، اس عصر سے پہلے ائمہ اپنے حفظ سے بتلاتے یا ان
صحف صحیحہ سے کہ جو مضامین وابواب پر مرتب نہ تھے، علم کی
روایت کرتے تھے۔"

## فن جرح وتعدیل کی ابتداء

اسی عہد میں فن جرح وتعدیل کی ابتداء ہوئی، حافظ شمس الدین سخاوی لکھتے ہیں:

"پہلی صدی ہجری جو صحابہ وکبار تابعین کے دور میں گزری، اس
میں حارث اعور اور مختار کذاب جیسے اکا دوکا شخص کو چھوڑ کر کسی
ضعیف الروایۃ کا تقریباً وجود نہ تھا، پھر پہلی صدی گزر کر جب
دوسری صدی آئی تو اس کے اوائل میں اوساط تابعین کے اندر
ضعفاء کی ایک جماعت ہوئی، جو زیادہ تر حدیث کو زبانی یاد رکھنے
اور اپنے ذہن میں اس کو محفوظ کرنے کے لحاظ سے ضعیف سمجھی گئی،
چنانچہ آپ ان کو دیکھیں گے کہ وہ موقوف کو مرفوعاً نقل کر جاتے

---

(پچھلے صفحہ کا بقیہ) لیکن یہ یاد رہے کہ ان مذکورین میں بجز ابن ابی ذئب کے نہ تو کسی کی تالیف کا نام مؤطا ہے اور نہ ان میں سے کسی کے متعلق تاریخ سے یہ ثابت ہے کہ اس نے کوئی کتاب مؤطا امام مالک کی احادیث کی تخریج اور اس کی منقطع روایات کے وصل کے لئے تصنیف کی ہے۔

ہیں، کثرت سے ارسال کرتے ہیں اور ان سے روایت میں غلطیاں بھی ہوتی ہیں جیسے کہ ابوہارون عبدیؒ وغیرہ ہیں۔

پھر جب تابعین کا آخری دور آیا یعنی ۱۵۰ھ کے قریب قریب تو ائمہ کی ایک جماعت نے توثیق وتضعیف کے لئے زبان کھولی، چنانچہ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ ما رأیت أکذب من جابر الجعفي. (۱)

"میں نے جابر جعفیؒ سے زیادہ جھوٹا نہیں دیکھا۔"

اور اعمشؒ نے ایک جماعت کی تضعیف اور دوسروں کی توثیق کی اور شعبہ نے (۲) رجال کے بارے میں غور وفکر سے کام لیا، یہ

---

(۱) امام اعظم کے اس قول کو امام ترمذیؒ نے اپنی جامع کے آخر میں کتاب العلل کے اندر بایں اسناد روایت کیا ہے، حدثنا محمود بن غیلان حدثنا أبو یحی الحماني قال سمعت أباحنيفة يقول مارأيت أحداً أكذب من جابر الجعفي ولاأفضل من عطاء بن ابي رباحؒ (جامع ترمذی مع شرح ابن العربی ج۱۳ ص۲۰۹ طبع مصر) اور یہ عطا بن ابی رباحؒ جن کے متعلق امام اعظم فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے افضل شخص نہیں دیکھا، امام ممدوح کے اکابر شیوخ میں سے ہیں، چنانچہ حافظ ذہبیؒ، دول الاسلامؒ (ج۱ ص۷۴ طبع دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن ۱۳۶۴ھ) میں تصریح کرتے ہیں کہ واکبر شیوخه عطاء بن أبي رباح (کہ امام ابوحنیفہؒ کے شیوخ میں سب سے بڑے عطاء بن ابی رباحؒ ہیں) امام مالک کی اسانید میں جو حیثیت مالک عن نافع عن ابن عمر کی ہے وہی حیثیت امام اعظم کی اسانید میں ابوحنیفہ عن عطاء عن ابن عباسؓ کی ہے (ملاحظہ ہو میزان کبری از امام شعرانی ص ۴۸ طبع مصر ۱۳۴۴ھ)۔ امام اعظم نے ان سے مکہ مکرمہ میں علم حدیث کی تحصیل کی تھی، حافظ ذہبیؒ، مناقب ابی حنیفہؒ (ص۱۱) میں لکھتے ہیں: وسمع الحديث من عطاء بن أبي رباح بمكة (کہ امام اعظم نے عطاء بن ابی رباحؒ سے مکہ معظمہ میں حدیث کا سماع کیا ہے)۔

(۲) امام شعبہ کو فن رجال میں جو جلالتِ شان حاصل ہے اس کا اندازہ آپ اس سے لگایئے کہ ایک بار امام یحی بن معین سے جو فن رجال کے مشہور امام ہیں۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

بڑے محتاط تھے اور بجز ثقہ کے تقریباً کسی سے روایت نہ کرتے تھے، امام مالکؒ کا بھی یہی حال تھا۔

اور اس دور کے ان لوگوں میں سے کہ جب وہ کسی کے بارے میں کچھ کہہ دیں، تو ان کی بات مان لی جاتی ہے، معمرؒ، ہشام دستوائیؒ، اوزاعیؒ، سفیان ثوریؒ، ابن الماجشونؒ، حماد بن سلمہؒ اور لیث وغیرہ ہیں، پھر ان کے بعد دوسرا طبقہ ابن المبارکؒ، ہشیمؒ، ابواسحٰق فزاریؒ، (۱) معافی بن عمران موصلیؒ، بشر بن المفضلؒ اور ابن عیینہؒ وغیرہ کا ہے، پھر ان ہی کے ہم زمان ایک اور طبقہ ابن علیہؒ، ابن وہبؒ اور وکیعؒ جیسے حضرات کا ہے، بعد کو ان ہی کے دور میں دو ایسے شخص جو حدیث کے حافظ اور اس فن میں حجت گزرے ہیں، تنقید رجال کے لئے اٹھے یہ یحیی بن سعیدؒ القطان اور عبدالرحمٰن بن مہدیؒ تھے، سو جس کو یہ دونوں مجروح

---

(پچھلے صفحہ کا بقیہ) امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں سوال کیا گیا کہ آپ ان کی نسبت کیا خیال رکھتے ہیں فرمانے لگے وہ ثقہ ہیں، میں نے کسی کو انہیں ضعیف بتاتے نہیں سنا۔'' یہ شعبہ بن الحجاجؒ ان کو لکھتے ہیں اور فرمائش کرتے ہیں کہ وہ حدیثیں بیان کریں اور شعبہؒ آخر شعبہ ہی ہیں۔'' (**الإنتقاء في فضائل الأئمة الثلثة الفقهاء** از حافظ عبدالبرؒ، ص ۱۲۷)

(۱) خلیفہ ہارون الرشید کے دربار میں ایک بار ایک زندیق کو قتل کے لئے لایا گیا تو وہ کہنے لگا کہ مجھے تو تم قتل کر دو گے لیکن ان ایک ہزار حدیثوں کا کیا کرو گے جو میں نے وضع کی ہیں، ہارون الرشیدؒ نے فوراً جواب دیا **فأين أنت يا عدو الله عن أبي إسحق الفزاري وابن المبارك ينخلانها فيخرجانها حرفاً حرفاً** (اے دشمنِ خدا تو ابواسحٰق فزاریؒ اور ابن المبارکؒ سے بچ کر کہاں جا سکتا ہے جو ان کو چھلنی میں چھان کر ان کا ایک ایک حرف نکال پھینکیں گے)۔ (تذکرۃ الحفاظ، ترجمہ امام ابواسحٰق فزاری)۔

کردیں، اس کی جرح مندمل نہیں ہوتی اور جس کی یہ دونوں
توثیق کردیں، وہ مقبول ہے اور جس کے متعلق ان کے باہم
اختلاف ہو(اور ایسے بہت کم اشخاص ہیں)اس کے بارے میں
اجتہاد سے کام لینا پڑتا ہے۔" (۱)

## اس دور میں علماء کا طرز عمل

شاہ ولی اللہؒ صاحب محدث دہلوی نے الإنصاف في بيان سبب الإختلاف اور حجة اللّٰه البالغة میں اس پر نہایت تفصیل سے روشنی ڈالی ہے جو ہدیۂ ناظرین ہے، فرماتے ہیں:

"اس طبقہ کے علماء کا طرز عمل ایک دوسرے سے ملتا جلتا تھا، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی حدیث سے خواہ وہ مرسل ہو یا مسند دونوں سے تمسک کیا جائے۔

نیز صحابہ اور تابعین کے اقوال سے استدلال کیا جائے کیونکہ ان کے علم میں یہ اقوال یا خود آنحضرت ﷺ کی احادیث منقولہ تھیں، جن کو انھوں نے مختصر کر کے موقوف بنالیا تھا (چنانچہ ابراہیم نخعی نے ایک موقعہ پر جبکہ انھوں نے یہ حدیث روایت کی تھی کہ آنحضرت ﷺ نے محاقلہ (۲) اور مزابنہ سے

(۱) فتح المغیث ص ۴۷۹ طبع لکھنؤ ۱۳۰۳ھ اور الاعلان بالتوبیخ ص ۱۶۳۔

(۲) "محاقلہ" بروزن مُفاعلہ حَقل سے ہے جس کے معنی زراعت اور کاشتکاری کے ہیں اور اصطلاح فقہ میں عام طور پر زمین کو بٹائی یعنی تہائی یا چوتھائی پیداوار پر دینے کے لئے اس کا استعمال ہوتا ہے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

منع فرمایا ہے اور ان سے کہا گیا تھا کہ کیا تمہیں اس کے سوا اور کوئی حدیث آنحضرت ﷺ سے یاد ہی نہیں، کہا تھا کیوں نہیں؟ لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ قال عبداللہ اور قال علقمہ مجھے زیادہ پسند ہے، اسی طرح شعبیؒ نے جس وقت ان سے ایک حدیث کی بابت سوال کیا اور کہا گیا کہ اس کو رسول اللہ ﷺ تک مرفوع کر دیا جائے تو یہ جواب دیا تھا کہ نہیں مرفوع نہ کرو ہم کو یہ زیادہ محبوب ہے کہ پیغمبر ﷺ کے بعد کے کسی شخص سے اس کو نقل کیا جائے، کیونکہ اگر روایت میں کچھ کمی بیشی ہوگی، تو وہ بعد کے شخص پر ہی رہے گی) یا پھر حکم منصوص سے ان کا استنباط یا اپنی آراء سے ان کا اجتہاد تھا، اور ہر صورت میں صحابہ اور تابعین اپنے طرز عمل کے اعتبار سے بعد کے آنے والوں سے کہیں بہتر اور کہیں زیادہ صائب الرائے نیز زمانہ کے لحاظ سے سب سے مقدم اور علم کے اعتبار سے سب سے بڑھ چڑھ کر تھے، لہذا سوائے اس صورت کے کہ ان کے باہم کسی مسئلہ میں اختلاف ہو اور آنحضرت ﷺ کی حدیث ان کے قول کے صریح خلاف موجود ہو، ہر حال میں ان کے اقوال پر عمل کرنا لازم ہے۔

اور جس صورت میں کسی مسئلہ کے اندر رسول اللہ ﷺ

---

(پچھلے صفحہ کا بقیہ) اور ''مزابنہ'' ''زبن'' سے ہے جس کے معنی دفع کرنے کے ہیں اور فقہ میں اس کے معنی درخت کے خرمائے تر کو خرمائے خشک کے عوض میں بیع کرنے کے آتے ہیں۔

کی احادیث مختلف ہوتیں تو اقوال صحابہ کی طرف رجوع کرتے تھے، اگر صحابہ کسی حدیث کے منسوخ ہونے کے قائل ہوتے یا اس کو ظاہری معنی سے پھیر دیتے (یعنی اس میں تاویل سے کام لیتے) یا اس بارے میں کچھ صراحت نہ کرتے لیکن ترک حدیث پر اور اس کے بموجب عمل نہ کرنے پر متفق ہوتے، تو یہ بات بھی اس حدیث میں بمنزلہ کسی علت کے ظاہر کرنے یا اس کے منسوخ ہونے یا اس کی تاویل کا حکم دینے کے تھی، بہر حال ان سب صورتوں میں اس طبقہ کے علماء نے صحابہ ہی کا اتباع کیا اور یہی وجہ ہے کہ امام مالکؒ نے ''کتےؔ کے برتن میں منہ ڈالنے'' کی حدیث(۱) میں فرمایا کہ **جاء هذا الحديث ولا أدري ما حقيقته** (یہ روایت تو آئی ہے لیکن مجھے معلوم نہیں کہ اس کی حقیقت کیا ہے) امام موصوف کے اس قول کو ابن حاجبؒ نے نقل کیا ہے، امام مالکؒ کے فرمانے کا مقصد یہ ہے کہ میں نے فقہاء کو اس پر عمل کرتے نہیں دیکھا۔

اور جب صحابہ اور تابعین کے مذاہب بھی کسی مسئلہ میں مختلف ہوتے، تو ہر عالم کے نزدیک اپنے اہل شہر اور اپنے ہی اساتذہ کا مذہب پسندیدہ تھا کیونکہ وہ ان کے صحیح اور غیر صحیح اقوال سے زیادہ باخبر ہوتا اور جو اصول کہ ان اقوال کے

(۱) یہ حدیث اس طرح ہے کہ ''جب کتا تم میں سے کسی کے برتن میں پیئے، تو اسے سات بار دھوؤ'' (موطا)

مناسب ہوتے ان کو زیادہ محفوظ رکھتا تھا، نیز اس کا دل اپنے ہی اہل شہر اور اساتذہ کے فضل وتبحر کی طرف خاص طور سے مائل ہوتا تھا، چنانچہ حضرات عمرؓ، عثمانؓ، عائشہؓ، ابن عمرؓ، ابن عباسؓ، زید بن ثابتؓ (رضی اللہ عنہم) اور ان کے تلامذہ جیسے سعید بن مسیبؒ کہ جو حضرت عمرؓ کے فیصلوں اور حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیثوں کے سب سے زیادہ حافظ تھے اور عروہؒ اور سالمؒ اور عکرمہؒ اور عطاءؒ اور عبید اللہؒ بن عبداللہ اور ان جیسوں کا مذہب دیگر حضرات کے مذہب کی بہ نسبت اہل مدینہؒ کے نزدیک زیادہ قابل اخذ تھا، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فضائل مدینہؒ کے سلسلہ میں بیان فرمایا ہے، (۱) اور نیز اس وجہ سے بھی کہ

(۱) غالباً حدیث یوشک أن یضرب الناس اکباد الإبل یطلبون العلم فلا یجدون احداً أعلم من عالم المدینة (قریب ہے کہ لوگ اونٹوں پر سوار ہو کر طلب علم کے لئے سفر کریں گے اور مدینہ کے ایک عالم سے بڑھ کر کسی کو عالم نہ پائیں گے) کی طرف اشارہ ہے، چنانچہ آگے چل کر شاہ ولی اللہؒ صاحب نے امام مالکؒ کا ذکر کرتے ہوئے اسی حدیث کو بیان کیا ہے اور سفیان بن عیینہ اور عبدالرزاق سے تصریح نقل کی ہے کہ حضور ﷺ کی یہ پیشین گوئی امام مالکؒ کے حق میں پوری اتری، جس طرح سے کہ امام سیوطیؒ اور علامہ ابن حجر مکیؒ وغیرہ بہت سے علماء نے تصریح کی ہے کہ حدیث لو کان العلم بالثریا لتناوله أناس من أبناء فارس (مسند امام احمد بن حنبلؒ ج ۲ ص ۲۹۶ و ۲۹۷) کا اولین مصداق امام ابوحنیفہؒ ہی کی ذات گرامی ہے اور خود شاہ ولی اللہؒ صاحب بھی اپنے مکتوب میں رقمطراز ہیں کہ

”روزے درحدیث لو کان الإیمان عند الثریا لناله رجال أو رجل من هولاء یعنی أهل فارس وفي روایة لناله رجال من هولاء“ بلا شک مذاکرہ کردیم، فقیر گفت امام ابوحنیفہ دریں حکم داخل است کہ خدائے تعالیٰ علم فقہ را بردست وے شائع ساخت و جمعے از اہل اسلام را بآں فقہ مہذب گردانید، خصوصاً در عصر متاخر کہ دولت ہمیں مذہب است وبس، (بقیہ اگلے صفحہ پر)

مدینہ منورہؒ ہر زمانہ میں فقہاء اور علماء کا ماوٰی اور مجمع رہا ہے اور اسی بنا پر آپ امام مالکؒ کو دیکھیں گے کہ وہ ان ہی کے طریقہ کو پکڑے رہتے ہیں اور امام مالکؒ کے متعلق یہ بات بھی مشہور ہے کہ وہ اہل مدینہؒ کے اجماع سے تمسک کرتے ہیں اور امام بخاریؒ نے ایک باب باندھا ہے کہ ''جس بات پر حرمین شریفین کا اتفاق ہو اس کو اختیار کرنا چاہئے۔'' (۱) اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب کا مذہب اور حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ اور شریحؒ اور شعبیؒ کے فیصلے اور ابراہیم نخعیؒ کے فتاوے اہل کوفہ کے نزدیک دوسروں کے مذھب کی بہ نسبت زیادہ لینے کے لائق تھے اور یہی وجہ ہے کہ علقمہؒ نے جب مسروقؒ کو حضرت زید بن ثابتؓ رضی اللہ عنہ کی طرف تشریک (۲) کے مسئلہ میں مائل دیکھا تو کہا کہ کیا کوئی ان میں عبداللہ بن مسعودؓ رضی اللہ عنہ سے بھی زیادہ پکا عالم ہے، مسروقؒ نے کہا نہیں، لیکن میں نے زید بن ثابتؓ رضی اللہ عنہ اور اہل مدینہؒ کو تشریک کرتے دیکھا تھا۔

پھر اگر اہل شہر کسی مسئلہ پر متفق ہوتے، تو اس طبقہ کے

---

(پچھلے صفحہ کا بقیہ) ودر جمیع بلدان وجمیع اقلیم بادشاہان حنفی اند وقضاۃ واکثر مدرسان واکثر عوام حنفی (ص ۱۶۸، کلماتِ طیبات، یعنی مجموعہ مکاتیب شاہ صاحب وغیرہ طبع مجتبائی دہلی)

(۱) عمل اہل مدینہ اور اتفاق اہل حرمین شریفین کی بابت حافظ ابن حجر عسقلانی اور علامہ ابن القیم کی بحث آپ سابق میں پڑھ چکے ہیں۔

(۲) ''تشریک'' کی صورت یہ ہے کہ مالک اپنی زمین دوسرے کو بٹائی پر دیدے۔

علماء اس کو دانتوں سے پکڑتے تھے، چنانچہ ایسے ہی مسائل کے بارے میں امام مالکؒ (۱) فرمایا کرتے ہیں کہ "السنة التي لا اختلاف فيها عندنا كذا و كذا" (یعنی یہ وہ سنت ہے کہ جس کے بارے میں ہمارے یہاں کچھ اختلاف نہیں)۔

اور جو اہل شہر میں بھی اختلاف ہوتا تو سب سے قوی اور سب سے راجح قول کو لیتے تھے، خواہ یہ قوت کثرت قائلین سے حاصل ہوتی یا کسی قیاس قوی کی موافقت سے یا کتاب و سنت کی کسی تخریج سے اور اسی قسم کے مسائل میں امام مالکؒ (۲) یوں فرمایا کرتے ہیں کہ هذا أحسن ما سمعت (یعنی جو کچھ میں نے سنا ہے، اس میں یہ سب سے بہتر ہے)۔

اور جب صحابہ و تابعین کے ان اقوال میں بھی کہ جو ان کے پاس محفوظ تھے، مسئلہ کا جواب نہ پاتے تھے، تو ان ہی کے کلام سے اس کو نکالتے تھے اور اس کے متعلق ان کے اشارہ اور اقتضاء کو تلاش کرتے تھے۔"

اس کے بعد شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:

وألهموا في هذه الطبقة التدوين، فدون مالك و محمد بن عبدالرحمن بن أبي ذئب بالمدينة، وابن جريج وابن عيينة

(۱) اور امام محمد اس موقع پر فرماتے ہیں وهو قول أبي حنيفة والعامة من فقهائنا.

(۲) اور امام محمد ایسی جگہ هو أحب إلينا لکھا کرتے ہیں۔

بمكة، والثوري بالكوفة،وربيع بن صبيح بالبصرة، وكلهم مشوا على هذا المنهج الذي ذكرته. (۱)

''اور اسی طبقہ میں کتابوں کی تدوین دل میں ڈالی گئی، چنانچہ امام مالکؒ اور محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی ذئبؒ نے مدینہ میں اور ابن جریجؒ اور ابن عیینہؒ نے مکہ میں اور سفیان ثوریؒ نے کوفہ میں اور ربیع بن صبیحؒ نے بصرہ میں تصنیفیں کیں اور یہ سب حضرات اسی روش پر چلے جو میں نے بیان کی۔''

اگر چہ حدیث و روایت اور فقہ واجتہاد کا سلسلہ تمام اسلامی شہروں میں جاری تھا اور ہر جگہ محدثین اہل روایت اور ارباب فتوی اور مجتہدین کی ایک جماعت موجود تھی لیکن شاہ صاحبؒ نے مدینہ اور کوفہؒ کا خصوصیت سے اس لئے ذکر کیا کہ ان دونوں شہروں کو اس بارے میں مرکزیت حاصل تھی، حافظ ابن عبدالبرؒ نے جامع بیانؒ العلم میں بہ سند متصل امام ابن وہبؒ کی زبانی جو امام مالکؒ کے مختص تلامذہ میں شمار کئے جاتے ہیں، نقل کیا ہے کہ ایک بار امام مالکؒ سے کسی نے مسئلہ پوچھا، آپ نے اس کا جواب دیا، اس پر سائل کی زبان سے یہ نکل گیا کہ اہل شامؒ تو اس مسئلہ میں آپ کی مخالفت کرتے ہیں اور اس کو اس طرح بیان کرتے ہیں، آپ نے فرمایا:

"متى كان هذا الشان بالشام، إنما هذاالشان وقف على أهل المدينة والكوفة (۲)

---

(۱) الانصاف اور حجۃ اللہ، "باب أسباب اختلاف الفقهاء"

(۲) جامع بیان العلم ج۲ص ۱۵۸ طبع منیریہ مصر۔

''اہل شام کی یہ شان کب سے ہوگئی، یہ شان تو صرف اہل مدینہ
اور اہل کوفہ کی ہے''

چنانچہ اس دور کے جن ائمہ اجتہاد کو حق تعالیٰ کی جانب سے قبول عام کی سند عطا ہوئی اور جن کے فقہ پر آج تک اسلامی دنیا کا غالب حصہ عمل پیرا چلا آتا ہے، وہ ان ہی دونوں مقامات کے رہنے والے تھے، ناظرین سمجھ گئے کہ ہماری مراد امام اعظم ابوحنیفہؒ کوفی اور امام دارالہجرۃ مالکؒ بن انس اصبحی سے ہے، کیونکہ ان دونوں بزرگوں کے مسائل فقہیہ کی بنیاد ان ہی مذکورہ بالا اصولوں پر ہے، شاہ ولی اللہؒ صاحب قرۃ العینینؒ في تفضيل الشيخين میں فرماتے ہیں:

''وبعد از قرآن وحدیث مدار اسلام برفقہ است، وامہاتِ فقہ مسائل اجماعیہ فاروق است، واگر اکثر اہل اسلام را بنظر امتحان نگاہ کنی حنفیاں ومالکیاں وشافعیاں اند''۔

''اور قرآن وحدیث کے بعد اسلام کا دارومدار فقہ پر ہے اور فقہ کے بنیادی مسائل حضرت عمر فاروق ﷜ کے اجماعی مسائل ہیں، (یعنی جن پر آپ کے عہد خلافت میں اجماع ہوگیا تھا) اور جو اہل اسلام کی اکثریت کو جانچو، تو وہ حنفی، مالکی، اور شافعی ہی ہیں۔''

اس کے بعد لکھتے ہیں:

''وکسے کہ بر اصول وامہات ایں مذاہب اطلاع دارد شک نمی کند درآنکہ اصل ایں مذاہب مسائل اجماعیہ فاروق است، وآں مانند امر مشترک است درمیان ہمہ آنہا''۔

بعد ازاں اعتماد بر فقہاء صحابہ از اہل مدینہ مانند ابن عمر و عائشہ، وفقہاء سبعہ از کبار تابعین مدینہ وزہری و مانند آں از صغار تابعین مدینہ اصل مذہب مالک است کہ صورت خاص مذہب او ازاں پیدا شدہ۔

وہمچنیں اعتماد بر فتاوے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ در غالب حال و بر قضایائے مرتضی در بعض احوال بآں شرط کہ اصحاب عبداللہ بن مسعود روایت کردہ باشند واثبات نمودہ، و بعد ازاں بر تحقیقات ابراہیم نخعی و شعبی و تخریجات ایشاں اصل مذہب ابی حنفیہ است کہ سبب آں صورت خاص مذہب او پیدا شدہ۔(۱)

''اور جو شخص کہ ان مذاہب کے اصول وامہات پر اطلاع رکھتا ہے، اس بارے میں شک نہیں کرے گا کہ ان مذاہب کی اصل حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے اجماعی مسائل ہیں اور یہ ان تمام مذاہب کے درمیان ایک مشترک سی چیز ہے۔

اس کے بعد اہل مدینہ میں سے فقہاء صحابہ جیسے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں اور کبار تابعین مدینہ میں سے فقہاء سبعہ اور صغار تابعین مدینہ میں سے زہری اور ان جیسے حضرات پر اعتماد امام مالک کے مذہب کی بنیاد ہے کہ جس سے ان کے مذہب کی ایک خاص صورت پیدا ہوگئی۔

اور اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے فتاوی پر اعتماد اکثر حالات میں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فیصلوں پر بعض

(۱) قرۃ العینین ص ۱۷۱ و ۱۷۲ طبع مجتبائی دہلی ۱۳۱۰ھ۔

حالات میں بشرطیکہ (۱) ان کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے
اصحاب روایت کرتے اور مانتے ہوں اور اس کے بعد
ابراہیمؒ نخعی اور شعبیؒ کی تحقیقات اوران کی تخریجات پر اعتماد امام
ابوحنیفہؒ کے مذہب کی بنیاد ہے کہ جس کی وجہ سے ان کے
مذہب کی ایک شکل پیدا ہوگئی۔

## امام ابوحنیفہ وامام مالک کے تلامذہ اور علم حدیث

دوسری صدی کے نصف ثانی میں امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے تلامذہ اسلامی دنیا کے چپہ چپہ پر پھیل چکے تھے اور ہر جگہ علوم اسلامیہ کی اشاعت میں مصروف تھے، حافظ عبدالقادرؒ قرشی الجواہر المضیہؒ کے مقدمہ میں کتاب التعلیم

---

(۱) اس شرط کی وجہ خود شاہ صاحب ہی قرۃ العینینؒ میں یہ بیان فرماتے ہیں کہ

اہل مدینہ واہل شام واہل مصر از مرتضے روایت ندارند الا در غایت قلت، واہل کوفہ روایت دارند اما پیش محدثین اکثر رواۃ حضرت مرتضی مستور الحال اند غیر حفاظ، وروایت از مرتضی پیش ایشاں صحیح نشدہ است الا از قبل اصحاب عبداللہ بن مسعود، عن ابن عیاش قال سمعت المغیرة یقول لم یکن یصدق علی عَلِيّ في الحدیث عنه إلا من أصحاب عبدالله بن مسعود، أخرجه مسلم في مقدمة صحیحه. (ص ۱۸۵)

"اہل مدینہؒ، اہل شامؒ اور اہل مصرؒ حضرت علی مرتضی سے نہایت کم روایت رکھتے ہیں اور اہل کوفہ آپ سے روایت رکھتے ہیں، لیکن محدثین کے نزدیک حضرت علی مرتضی سے روایت کرنے والے اکثر وہ لوگ ہیں، جن کے حالات مخفی ہیں اور جو حافظ نہ تھے، ان کے نزدیک حضرت علی مرتضی کی صرف وہی روایات صحیح ہوئی ہیں جو حضرت عبداللہ بن مسعودؒ کے اصحاب سے آئی ہیں، چنانچہ ابوبکر بن عیاشؒ سے مروی ہے کہ میں نے مغیرہؒ سے سنا، فرماتے تھے، حدیث میں حضرت علیؒ کی صرف اسی روایت کی تصدیق کی جاتی تھی کہ جو اصحاب عبداللہ بن مسعودؒ کی طرف سے ہوتی تھی، ابوبکرؒ کے اس بیان کو امام مسلمؒ نے اپنی صحیح کے مقدمہ میں ذکر کیا ہے۔

کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ

روی عن أبي حنيفة ونقل مذهبه نحو من أربعة الاف نفر.

''تقریباً چار ہزار افراد نے امام ابوحنیفہ سے حدیث کی روایت کی اوران کے مذہب کونقل کیاہے۔''

امام اعظم کے تلامذہ کا دائرہ اس قدر وسیع تھا کہ خلیفۂ وقت کی حدود حکومت اس سے زیادہ وسیع نہ تھیں، امام حافظ الدین ابن البزاز کردی نے مناقب الامام الأعظم کے خاتمہ میں امام ممدوح کے مختص تلامذہ کا تفصیلی تذکرہ لکھنے کے بعد زیر عنوان من روی عنه الحديث والفقه شرقاً وغرباً بلداًبلداً (یعنی مشرق ومغرب میں جنہوں نے ان سے حدیث وفقہ کی روایت کی ہے) ان میں سے سات سوتیں مشاہیر علماء اعلام کے نام بقید نسب لکھے ہیں اور ضلع واران کوشمار کرایا ہے، چنانچہ جن اضلاع وممالک کا اس سلسلہ میں انھوں نے نام لیاہے، وہ حسب ذیل ہیں:

مکہ معظمہ، مدینہ طیبہ، کوفہ، بصرہ، واسط، موصل، جزیرہ، رقہ، نصیبین، دمشق، رملہ، مصر، یمن، یمامہ، بحرین، بغداد، اہواز، کرمان، اصفہان، حلوان، استراباد، ہمدان، نہاوند، رے، دامغان، قومس، طبرستان، جرجان، نیشاپور، سرخس، نسا، مرو، بخارا، سمرقند، کش، صغانیان، ترمذ، بلخ، ہرات، قہستان، بجستان، رم، خوارزم۔

امام طحاوی نے بسند متصل اسد بن الفرات سے روایت کی ہے کہ

كان أصحاب أبي حنيفة الذين دوّنوا الكتب أربعين رجلاً، وكان في العشرة المتقدمين أبويوسف وزفر وداؤد الطائي و أسد بن عمرو ويوسف بن خالد السمتي ويحيى بن زكريا بن

أبي زائدة، وهو الذي كان يكتبها لهم ثلاثين سنة. (۱)

''امام ابوحنیفہ کے تلامذہ جنہوں نے کتابوں کی تدوین کی، چالیس تھے، چنانچہ ان دس اشخاص میں سے کہ جو تلامذۂ متقدمین میں شمار کئے جاتے ہیں، یہ حضرات ہیں: امام یوسف، امام زفر، امام داؤد طائی، امام اسد بن عمرو، امام یوسف بن خالد سمتی، امام یحیی بن زکریا بن ابی زائدہ اور یحیی ہی تیس برس تک ان حضرات کے لئے کتابت کی خدمت انجام دیتے رہے ہیں۔(۲)

---

(۱) الجواہر المضیہ، ترجمہ اسد بن عمرو، یوسف بن خالد۔

(۲) مولانا شبلی نعمانی نے اسد بن الفرات کی اس روایت کو تدوین فقہ سے متعلق خیال کیا ہے، چنانچہ سیرۃ النعمان میں لکھتے ہیں:

''امام طحاوی نے بسند متصل اسد بن فرات سے روایت کی ہے کہ ''ابوحنیفہ کے تلامذہ جنہوں نے فقہ کی تدوین کی چالس تھے، جن میں یہ لوگ زیادہ ممتاز تھے، ابو یوسف، زفر، داؤد الطائی، اسد بن عمرو، یوسف بن خالد السمتی، یحیی بن ابی زائدہ، امام طحاوی نے یہ بھی روایت کی ہے کہ لکھنے کی خدمت یحیی سے متعلق تھی اور وہ تیس برس تک اس خدمت کو انجام دیتے رہے، اگر چہ یہ صحیح ہے کہ اس کام میں کم وبیش تیس برس کا زمانہ صرف ہوا، یعنی ۱۲۱ھ سے ۱۵۰ھ تک جو امام ابوحنیفہ کی وفات کا سال ہے، لیکن یہ غلط ہے کہ یحیی شروع سے اس کام میں شریک تھے، یحیی ۱۲۰ھ میں پیدا ہوئے تھے اس لئے وہ شروع سے کیونکر شریک ہو سکتے تھے۔''

(ص ۲۰۰ طبع مفید عام آگرہ ۱۸۹۲ء)

مولانا نے دونوا الکتب سے فقہ کی تدوین مراد لی، پھر خود ہی اس تدوین کی مدت تیس سال یعنی ۱۲۱ھ سے لے کر ۱۵۰ھ تک متعین فرمائی، نتیجہ یہ نکلا کہ اس روایت کے اخیر حصہ کی صحت سے ان کو انکار کرنا پڑا، حالانکہ اس روایت میں تدوین کتب کا ذکر ہے نہ کہ تدوین فقہ کا (اور ظاہر ہے کہ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

اسد بن فراتؒ نے جن لوگوں کے نام گنائے ہیں، ان کے علاوہ امام عبداللہ بن المبارکؒ المتوفی ۱۸۱ھ امام حفص بن غیاثؒ المتوفی ۱۹۴ھ اور امام وکیع بن الجراحؒ المتوفی ۱۹۸ھ جو مشہور ائمہ حدیث میں شمار کئے جاتے ہیں، خاص طور پر قابل ذکر ہیں، اس زمانہ میں ان حضرات کی تصانیف کو یہ قبول عام حاصل تھا کہ امام بخاریؒ نے سولہ سال ہی کی عمر میں ابن مبارکؒ اور وکیعؒ کی تصانیف کو ازبر کرلیا تھا (۱) اور ان سب میں خصوصیت کے ساتھ یہ چار حضرات فقہ واجتہاد میں زیادہ نامور گزرے ہیں: امام زفرؒ المتوفی ۱۵۸ھ، امام ابو یوسفؒ المتوفی ۱۸۲ھ، امام محمدؒ المتوفی ۱۸۹ھ، امام حسن بن زیادؒ المتوفی ۲۰۴ھ اور یہ فقہ جو امام ابوحنیفہؒ کے انتساب سے عام طور پر فقہ حنفی کہلاتی ہے درحقیقت امام ممدوح اور ان ہی چار حضرات کے اجتہادی مسائل کا مجموعہ ہے، یہ چاروں حضرات بھی بڑے پایہ کے محدث اور حافظ الحدیث تھے، چنانچہ امام زفرؒ کے بارے میں حافظ ابن حبانؒ، کتاب الثقاتؒ کے طبقہ ثالثہ میں لکھتے ہیں کہ "کان زفر متقناً حافظاً" (۲) اسی طرح امام یوسفؒ کو حافظ ذہبیؒ نے حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے اور تذکرۃ الحفاظؒ میں ان کا ترجمہ لکھا ہے

---

(بقیہ پچھلے صفحہ کا) یہ کتابیں مؤطا، جامع سفیان اور صاحبین کی تصانیف کی طرح فقہ اور حدیث دونوں کی جامع ہوں گی) اور اس کی بھی جو مدت متعین کی ہے (یعنی ۱۲۰ھ سے لے کر ۱۵۰ھ تک) وہ بھی غلط ہے کیونکہ تدوین فقہ کا کام امام اعظم نے حسب تصریح حافظ ذہبیؒ ۱۴۳ھ کے قریب شروع کیا ہے اور خود مولانا نے بھی الفاروقؒ میں تدوین فقہ کے آغاز کی یہی تاریخ لکھی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

"۱۴۳ھ میں جب تفسیر، حدیث، فقہ وغیرہ کی تدوین شروع ہوئی۔" (ص ۴ طبع فخر المطابع لکھنؤ)

(۱) مقدمہ فتح الباری۔

(۲) اس کتاب کے قلمی نسخے حیدرآباد دکن کے کتب خانہ آصفیہ، اور کتب خانہ سعیدیہ میں ہماری نظر سے گزرے ہیں۔

اور امام محمدؒ کے متعلق محدث دار قطنیؒ نے بایں ہمہ شدت عصبیت اپنی کتاب غرائب مالکؒ میں تصریح کی ہے کہ "من الثقات الحفاظ" (۱) اور امام حسن بن زیاد سے حافظ ذہبیؒ نے تاریخ کبیرؒ (۲) میں خود ان کی زبانی یہ نقل کیا ہے کہ

کتبت عن ابن جریج اثنی عشر ألف حدیث کلها یحتاج إلیها الفقهاء.

"میں نے ابن جریج سے بارہ ہزار حدیثیں لکھی ہیں اور وہ سب کی سب ایسی ہیں کہ جن کی فقہاء کو ضرورت پڑتی رہتی ہے۔"

امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کی متعدد تصانیف آج بھی موجود ہیں اور بعض ان میں سے چھپ کر شائع ہو چکی ہیں (۳) اور گو ان حضرات کی بلکہ تیسری چوتھی صدی تک کے متقدمین ائمہ احناف کی بہت سی تالیفات اب بالکل نایاب ہیں، لیکن بعد کے ائمہ کی وہ کتابیں جن میں ان تصانیف کی تلخیص وتہذیب کی گئی ہے بحمد اللہ آج بھی موجود ومتداول ہیں، جیسے شمس الائمہ سرخسیؒ (المتوفی ۴۹۰ھ) کی مبسوطؒ اور ملک العلماء کاسانیؒ (المتوفی ۵۸۷ھ) کی بدائع الصنائعؒ اور شیخ الاسلام برہان الدین

---

(۱) نصب الرایہ لتخریج احادیث الہدایہ از حافظ زیلعیؒ ج ۱ ص ۴۰۸ و ۴۰۹ طبع مصر۔

(۲) الأمتاع بسیرة الإمامین الحسن بن زیاد وصاحبه محمد بن شجاع ص ۵۰ طبع مصر ۱۳۶۸ھ۔

(۳) چنانچہ امام ابو یوسفؒ کی تصانیف میں سے کتاب الخراج، کتاب الآثار (جس کو یہ امام ابو حنیفہؒ سے روایت کرتے ہیں) اختلاف ابی حنیفہ وابن ابی لیلیٰ، الرد علی سیرۃ الأوزاعی، چھپ گئی ہیں، کتاب الخراج، مصر میں مکرر طبع ہو چکی ہے اور بقیہ تینوں کتابیں مجلس احیاء المعارف النعمانیہ حیدر آباد دکن نے مولانا ابو الوفا افغانی کی تصحیح وتحشیہ کے اہتمام کے ساتھ مصر سے چھپوا کر شائع کی ہیں اور امام محمد کی تصانیف میں سے کتاب الحج عرصہ ہوا کہ چھپ چکی ہے اور مؤطا اور کتاب الآثار تو متعدد بار طبع ہو چکی ہیں۔

مرغینانیؒ (المتوفی ۵۹۳ھ) کی ہدایہؒ کہ ان تینوں کتابوں میں جس قدر احادیث وآثار آئے ہیں، وہ اصل میں متقدمین ائمہ احناف کی کتابوں سے منقول ہیں، جن کو ان حضرات نے اپنے ائمہ کے اعتماد پر اختصار کے پیش نظر بلا ذکر حوالہ وسند درج کردیا ہے، چنانچہ حافظ قاسم بن قطلو بغا "**منية الألمعيّ في ما فات من تخريج أحاديث الهداية للزيلعي**" کے مقدمہ میں فرماتے ہیں:

**إن المتقدمين من علمائنا رحمهم الله كانوا يملون المسائل الفقهية وأدلتها من الأحاديث النبوية بأسانيد هم، كأبي يوسف في كتاب الخراج والأمالي ومحمد في كتاب الأصل والسير وكذا الطحاوي والخصاف والرازي والكرخي، إلا في المختنصرات ثم جاء من اعتمد كتب المتقدمين وأورد الأحاديث في كتب من غير بيان سند ولا مخرج فعكف الناس على هذه الكتب.** (ص۹ طبع مصر ۱۳۶۹ھ)

"ہمارے علماء متقدمین (اللہ ان پر رحمتیں نازل فرمائے) مسائل فقہ اور ان کے دلائل کا احادیث نبویہ سے اپنی اسانید کے ساتھ املا کراتے تھے، جیسا کہ امام یوسفؒ نے کتاب الخراجؒ اور امالیؒ میں اور امام محمدؒ نے کتاب الاصلؒ اور کتاب السیرؒ میں اور اسی طرح امام طحاویؒ، خصافؒ، ابوبکر رازیؒ اور کرخیؒ نے (اپنی اپنی تصانیف میں) کیا ہے، البتہ مختصرات کی املا اس سے مستثنی ہے، بعد میں وہ حضرات آئے، جنہوں نے متقدمین کی کتابوں پر

اعتماد کیا اوران حدیثوں کو بغیر سند اور حوالہ کے اپنی تصانیف میں
درج کیا، پھر لوگ انہی تصانیف پر متوجہ ہوگئے۔''

حقیقت یہ ہے کہ ان حضرات کو اپنے ائمہ کی کتابوں پر ویسا ہی اعتماد تھا جیسا کہ امام بغویؒ اور شاہ ولی اللہ صاحب کو صحاح ستہ پر تھا اور جس طرح کہ امام بغوی نے مصابیح السنۃ میں اور شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہؒ میں ان کتابوں کی روایات کو بلا حوالہ وسند درج کر دیا ہے، اسی طرح ان حضرات نے اپنے ائمہ کی روایات کو اپنی تصانیف میں جگہ دی ہے، بعد کو جب فتنۂ تاتار میں اسلامی دنیا کی اینٹ سے اینٹ بج گئی اور بلاد عجم سے لے کر دارالخلافہ بغدادؒ تک مسلمانوں کے جتنے علمی مراکز تھے ایک ایک کر کے تباہ و برباد ہو گئے، تو متقدمین کا علمی سرمایہ بہت کچھ ضائع ہو گیا اور بہت سی کتابیں جو پہلے متداول تھیں، اس فتنہ میں بالکلیہ معدوم ہوگئیں، یہی وجہ ہے کہ متاخرین حفاظ حدیث کو جنہوں نے ہدایہ وغیرہ کی احادیث کی تخریج کی ہے، متعدد روایات کے بارے میں یہ تصریح کرنا پڑی کہ ''یہ روایت ان لفظوں میں ہم کو نہ مل سکی'' کیونکہ ان ارباب تخریج نے ان روایات کو متقدمین ائمہ حنفیہ کی تصانیف میں تلاش کرنے کے بجائے محدثین مابعد کی ان کتابوں میں تلاش کیا کہ جو ان کے عہد میں متداول تھیں، اس سے بعض لوگوں کو صاحب ہدایہؒ کے متعلق قلت نظر اور ان حدیثوں کے متعلق ضعف کا شبہ ہونے لگا اور تعجب ہے کہ شیخ عبدالحقؒ دہلوی بھی اسی غلط فہمی کا شکار ہیں، چنانچہ وہ ہدایہؒ اور اس کے مصنف کی نسبت اپنے خیالات کا اظہار ان لفظوں میں کرتے ہیں:

وکتاب ہدایہ در دیار مشہور و معتبر ترین کتابہا است، نیز دریں وہم انداختہ

چہ مصنف وی در اکثر بنائے کار بر دلیل معقول نہادہ واگر حدیثے آوردہ نزد محدثین خالی از ضعفے نہ، غالباً اشتغال آں استاد، در علم حدیث کمتر بودہ است ولیکن شرح شیخ ابن الہمام جزاہ اللہ خیر الجزاء تلافی آں نمودہ وتحقیق کار فرمودہ است۔(۱)

''اور کتاب ہدایہ نے بھی جو کہ اس دیار میں مشہور اور معتبر ترین کتابوں میں سے ہے، اس وہم میں (کہ مذہب شافعی بہ نسبت مذہب حنفی کے حدیث کے زیادہ موافق ہے) ڈال دیا ہے کیونکہ اس کے مصنف نے بیشتر دلیل عقلی ہی پر بنا رکھی ہے اور جو حدیث لاتے ہیں، وہ محدثین کے نزدیک ضعف سے خالی نہیں ہوتی، غالباً ان کا شغل علم حدیث سے کم رہا ہے لیکن شیخ ابن الہمام کی شرح ہدایہ نے (اللہ تعالی ان کو جزائے خیر عطا فرمائے) اس کی تلافی کر دی اور انھوں نے تحقیق سے کام لیا ہے۔''

حالانکہ نہ تو صاحب ہدایہ کا شغل علم حدیث میں کم تھا، کیونکہ وہ خود بہت بڑے محدث اور حافظ الحدیث تھے(۲) اور نہ جو حدیثیں وہ بیان کرتے ہیں، وہ ضعیف ہیں،

---

(۱) شرح سفر السعادۃ از شیخ موصوف ص ۲۳، طبع نولکشور۔

(۲) چنانچہ علامہ محمود بن سلیمان کفوی نے کتاب أعلام الأخيار من فقهاء مذهب النعمان المختار میں (جس کا قلمی نسخہ ریاست ٹونک کے کتب خانہ میں ہماری نظر سے گذرا ہے) صاحب ہدایہ کے متعلق ان کے ترجمہ میں تصریح کی ہے کہ كان إماماً فقيهاً حافظاً محدثاً مفسراً. اور حافظ عبدالقادر قرشی نے الجواہر المضیہ میں لکھا ہے کہ رحل وسمع ولقي المشائخ وجمع لنفسه مشيخة كتبها وعلقت منها فوائد (یعنی انھوں نے طلب حدیث میں رحلت کی، حدیث کا سماع کیا، مشائخ سے ملے، (بقیہ اگلے صفحہ پر)

کیونکہ یہ سب حدیثیں اگلے ائمہ کی کتابوں سے منقول ہیں، خود ہم نے متعدد روایات کو دیکھا ہے کہ حافظ زیلعیؒ اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ وغیرہ، مخرجین احادیث ہدایہ ان کے بارے میں بصراحت لکھتے ہیں کہ وہ ان کو نہ مل سکیں حالانکہ وہ روایات کتاب الآثار اور مبسوط امام محمدؒ وغیرہ میں موجود ہیں اور یہ کچھ ہدایہ ہی کی خصوصیت نہیں، خود صحیح بخاریؒ کی تعلیقات میں بھی بہت سی ایسی روایتیں موجود ہیں کہ جن کے بارے میں حافظ ابن حجرؒ نے یہی تصریح کی ہے، جس کی اصل وجہ وہی ائمہ متقدمین کی کتابوں کا فقدان ہے، ورنہ امام بخاریؒ یا صاحب ہدایہؒ کی یہ شان اس سے کہیں بڑھ کر ہے کہ ان کے متعلق کسی نے اصل روایت کے بیان کرنے کا شبہ بھی ظاہر کیا ہو۔

امام اعظم کی طرح امام مالکؒ کے تلامذہ بھی دنیائے اسلام کے مشرق ومغرب میں پھیلے ہوئے تھے، چنانچہ محدث خطیبؒ بغدادی نے رواۃ مالک میں نوسو ترانوے ۹۹۳ اشخاص کو اور حافظ قاضی عیاضؒ نے اپنی تصنیف میں کچھ اوپر ایک ہزار تین سو ۱۳۰۰ شخصوں کو بقید نسب نام بنام گنایا ہے اور امام مالکؒ سے ہر ایک کی روایت کا ذکر کیا ہے (۱) امام مالکؒ کے تلامذہ میں عبداللہ بن وہبؒ المتوفی ۱۹۵ھ اور عبدالرحمٰن بن القاسمؒ المتوفی ۱۹۱ھ اور اشہبؒ المتوفی ۲۰۴ھ بڑے پائے کے مصنف گزرے ہیں، حافظ ذہبیؒ کا بیان ہے کہ ابن وہبؒ نے ایک لاکھ حدیثیں زبانی روایت کی ہیں اور ان کی تصانیف میں ایک لاکھ بیس ہزار حدیثیں موجود ہیں اور اس پر

(پچھلے صفحہ کا بقیہ) اور اپنا مشیخہ جمع کیا، جس کو میں نے بھی نقل کیا ہے اور اس سے فوائد کو اخذ کیا ہے) مشیخہ وہ کتاب ہے جس میں مؤلف اپنے شیوخ کے حالات اور ان کی مرویات واجازات کو جمع کرتا ہے۔

(۱) ملاحظہ ہو، تزیین الممالک از حافظ سیوطی۔

کمال یہ ہے کہ حسب تصریح حافظ ابن عدیؒ کی ایک حدیث بھی ان کی تصانیف میں منکر نہیں ملتی، موضوع اور ساقط الاعتبار کا تو ذکر ہی کیا ہے، (۱) ابن القاسمؒ کا شمار بھی حفاظ حدیث میں ہے، چنانچہ حافظ ذہبیؒ نے تذکرۃ الحفاظؒ میں ان کا ترجمہ لکھا ہے، امام مالکؒ کی فقہ کے بھی سب سے بڑے راوی یہی ہیں۔

غرض ابھی دوسری صدی ختم نہ ہونے پائی تھی کہ علم حدیث میں بکثرت تصانیف مدون ہوکر شائع ہو چکی تھیں اور امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کے تلامذہ نے تمام عالم اسلام کو فقہ وحدیث سے معمور کر دیا تھا، اسی صدی میں فقہ حنفی اور فقہ مالکی کی تدوین ان احادیث وآثار کی روشنی میں مکمل ہوئی کہ جن پر فقہاء صحابہ وتابعین اور ارباب فتویٰ کا عمل درآمد چلا آتا تھا، یہ وہ زمانہ ہے کہ امام بخاریؒ ومسلم اور دیگر مصنفین صحاح ستہ ابھی پیدا نہیں ہوئے تھے، ارباب صحاح ستہؒ نے بھی بیشتر ان ہی دونوں اماموں کے تلامذہ یا تلامذہ کے تلامذہ سے علم حدیث کی تحصیل کی ہے، چنانچہ خود امام ابن ماجہؒ کے متعلق بھی شیخ ولی الدینؒ خطیب صاحب مشکوۃ نے الاکمال میں بجائے ان کے شیوخ حدیث کا نام لینے کے صرف اس قدر لکھنے پر اکتفاء کی ہے کہ

"سمع أصحاب مالک واللیث"

''انھوں نے امام مالکؒ اور لیثؒ بن سعد کے شاگردوں سے حدیث سنی ہے۔''

## علم حدیث تیسری صدی میں

تیسری صدی ہجری میں علم حدیث کو بڑی ترقی ہوئی اور اس فن کا ایک ایک

(۱) بستان المحدثین از شاہ عبدالعزیز دہلوی، ص ۱۵، طبع مجتبائی دہلی۔

شعبہ پایۂ تکمیل کو پہنچا، محدثین اور ارباب روایت نے (اللہ تعالیٰ ان کی سعی کو مشکور فرمائے) طلب حدیث میں بحر و بر کو پے سپر کیا اور دنیائے اسلام کا گوشہ گوشہ چھان مارا، ایک ایک شہر اور ایک ایک قریہ میں پہنچ کر تمام منتشر اور پراگندہ روایتوں کو یکجا کیا، مسند حدیثیں علاحدہ کی گئیں، صحت سند کا التزام کیا گیا، اسماء الرجال کی تدوین ہوئی، جرح و تعدیل کا مستقل فن بن گیا اور صحاح ستہ جیسی بیش بہا کتابیں تصنیف ہوئیں۔

گزشتہ مؤلفین براہ راست مشاہیر تابعین یا کبار تبع تابعین کے شاگرد تھے، بدیں وجہ ان کو اسناد کے بارے میں تحقیقات کی بہت کم ضرورت پیش آتی تھی، لیکن اس صدی میں وسائط اسناد پہلے سے کئی گنے بڑھ گئے تھے، لہٰذا اس دور کے محدثین کو تاریخ رجال کی طرف مستقل توجہ کرنی پڑی، جس سے اسماء الرجال کا عظیم الشان فن مدون ہوا، یہ کوئی معمولی کام نہ تھا، ہر روایت کے سلسلۂ اسناد میں جتنے لوگوں کے نام آئے ہیں ان میں سے ہر ایک کی بابت یہ معلوم کرنا کہ کون تھا، کیسا تھا، کیا کرتا تھا، اس کا چال چلن کیسا تھا، سمجھ بوجھ کیسی تھی، ثقہ تھا یا غیر ثقہ، عالم تھا یا جاہل، ذہین تھا یا غبی، حافظہ کیسا تھا، یادداشت کا کیا حال تھا، کہاں کا باشندہ تھا، کس قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا، کہاں کہاں تحصیل علم کی، کن کن شیوخ سے ملا، کب پیدا ہوا اور کس وقت وفات پائی وغیرہ وغیرہ ان جزئی امور کا پتہ چلانا کتنا کٹھن کام تھا، مگر محدثین کے ایک گروہ کثیر نے اس کام کے لئے اپنی عمریں وقف کر دیں، شہر شہر پھرے، گاؤں گاؤں میں پہنچے، راویوں سے خود جا کر ملے، ان کے متعلق ہر قسم کے حالات دریافت کئے، جس کی بدولت ہر روایت کے بارے میں اسناد کے اعتبار سے قوت و ضعف، صحت و بطلان، اور اتصال و انقطاع کا فیصلہ کرنا آسان ہو گیا اور

حدیث کے متعلق بہت سی نئی اصطلاحیں، مثلاً صحیح، حسن، عزیز، غریب، ضعیف، مسند، مرسل، منقطع وغیرہ عالم وجود میں آئیں۔

اگلے علماء کے یہاں مسند و مرسل اور صحیح و حسن کی کوئی تفریق نہ تھی، وہ سب اقسام کو یکساں قابلِ حجت قرار دیتے تھے، لیکن اس صدی کے شروع ہی میں ارباب روایت میں حدیث مرسل (۱) کے بارے میں اختلاف پیدا ہوگیا، بعض نے اس کو

---

(۱) ''حدیث مرسل'' محدثین کی اصطلاح میں وہ کہلاتی ہے جس میں تابعی اپنے اور آنحضرت ﷺ کے مابین جو واسطہ ہے، اس کو بیان کئے بغیر قال رسول اللہ ﷺ کہے جیسا کہ عام طور پر سعید بن مسیبؒ، مکحول دمشقیؒ، ابراہیم نخعیؒ، حسن بصریؒ اور دیگر اکابر تابعین کا معمول تھا، پھر اگر راوی نے دو راویوں کے درمیان جو شخص واسطہ تھا، اس کو چھوڑ دیا، مثلاً ایک شخص نے جو حضرت ابو ہریرہؓ کا ہم زمان نہ تھا قال ابو ھریرہ کہا، تو ایسی روایت محدثین کے یہاں ''منقطع'' کہلاتی ہے اور جو ایک سے زیادہ واسطے حذف کردے تو اسے ''معضل'' کہتے ہیں اور فقہاء اور اصولیین کے یہاں ان سب صورتوں میں اس کو ''مرسل'' ہی کہا جاتا ہے (کتاب التحقیق شرح حسامی) مرسل کے بارے میں علامہ ابن تیمیہؒ کا فیصلہ حسب ذیل ہے:

**والمراسيل قد تنازع الناس في قبولها وردها وأصح الأقوال أن منها المقبول والمردود ومنها الموقوف، فمن علم من حاله أنه لا يرسل إلا عن ثقة قبل مرسله ومن عرف أنه يرسل عن الثقة وغير الثقة كان إرساله رواية عمن لا يعرف حاله فهذا موقوف، وما كان من المراسيل مخالفا لما رواه الثقات كان مردوداً وإذا كان المرسل من وجهين كل من الراويين أخذ العلم عن شيوخ اخر، فهذايدل على صدقه فإن مثل ذلك لا يتصور في العادة تماثل الخطأ فيه وتعمد الكذب.** (منہاج السنۃ ج۴ ص ۱۱۷)

''مراسیل کے رد و قبول کے بارے میں لوگوں میں اختلاف ہے اور صحیح ترین قول یہ ہے کہ ان میں قابل قبول بھی ہیں اور قابل رد بھی اور وہ بھی کہ جن کے بارے میں توقف سے کام لینا پڑے گا، چنانچہ جس شخص کی بابت یہ معلوم ہوگیا کہ وہ ثقہ کے علاوہ اور کسی سے ارسال نہیں کرتا، اس کی مرسل قبول کی جائے گی اور جس کے بارے میں یہ پتہ چل گیا کہ وہ ثقہ اور غیر ثقہ دونوں سے ارسال کرتا ہے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

حجت تسلیم کرنے سے انکار کیا، بعض نے اس کا درجہ مسند کے بعد رکھا اور بعض نے اس کو مسند پر ترجیح دی، امام محمد بن جریر طبریؒ فرماتے ہیں:

**إن التابعين أجمعوا بأسرهم على قبول المرسل ولم يات عنهم إنكاره ولا عن أحد من الأئمة بعدهم الى رأس المائتين. (۱)**

''تابعین سارے کے سارے مرسل کے قبول کرنے پر متفق تھے نہ تو ان سے اور نہ ان کے بعد کسی امام سے ۲۰۰ھ ہجری تک اس کا انکار آیا ہے۔''

مصنفین صحاح میں امام مسلمؒ نے اپنے مقدمۂ صحیح میں تصریح کی ہے کہ مرسل روایات حجت نہیں ہیں، لیکن یہ ارباب صحاح کا متفقہ مسلک نہیں ہے، امام ابوداؤدؒ فرماتے ہیں:

**فإذا لم يكن مسند ضدّ المرسل ولم يوجد مسند فالمرسل يحتج به وليس هو مثل المتصل في القوة. (۲)**

''جب مسند، مرسل کے مخالف نہ ہو اور مسند موجود نہ ہو تو مرسل سے احتجاج کیا جائے گا اور وہ قوت میں متصل کی طرح نہیں ہے۔''

بلکہ حافظ ابوالفرج بن الجوزیؒ نے اپنی مشہور کتاب ''التحقیق فی

---

(پچھلے صفحہ کا بقیہ) اس کا ارسال ایسے شخص سے روایت ہے کہ جس کا حال معلوم نہیں، پس ایسی روایت میں توقف کیا جائے گا اور جو مراسیل کہ ثقات کی روایات کے خلاف ہوں گے، وہ رد کئے جائیں گے اور جب مرسل روایت دو سندوں سے ہو اور دونوں راویوں نے الگ الگ شیوخ سے روایت کی ہو، تو یہ بات اس روایت کی صحت پر دلالت کرتی ہے کیونکہ عادتاً اس طرح خطا میں یکسانی اور قصداً غلط بیانی متصور نہیں۔

(۱) منية الألمعي از حافظ قاسم بن قطلو بغا ص ۲۷۔ (۲) رسالۃ ابی داؤد ص ۵۔

أحـاديـث الخلاف" میں اور محدث خطیب بغدادیؒ نے الجـامع في آداب الراوي والسامع میں امام احمد بن حنبلؒ سے یہاں تک نقل کیا ہے کہ

ربما كان المرسل أقوى من المسند (۱)

"بسا اوقات مرسل روایت مسند سے بھی زیادہ قوی ہوتی ہے۔"

مرسل کا انکار اگرچہ بعض ارباب روایت نے اپنے خیال میں احتیاط کے پیش نظر کیا تھا، لیکن اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کو متعدد مسائل میں جہاں مرسل کے علاوہ اور کوئی روایت مسنداً ان کے علم نہ تھی، اگلے ائمہ سے اختلاف کرنا اور فقہاء مجتہدین سے ارباب ظواہر کی مخالفت کی ایک وجہ یہ بھی ہے، متاخرین میں دارقطنیؒ اور بیہقیؒ بڑے نامور محدث گزرے ہیں، مگر ان دونوں کی یہ کیفیت ہے کہ سند پر سند اور روایت پر روایت ذکر کرتے چلے جاتے ہیں اور اس کے ضعف کی ان کے پاس بجز اس کے کوئی دلیل نہیں ہوتی کہ اسے مرسل ثابت کریں یا موقوف کہدیں۔

اس وقت تک مصنفین عام طور پر اپنی کتابوں میں ان ہی روایات کو جگہ دیتے تھے، جو اہل علم میں متداول چلی آتی تھیں، اس کا بھی اہتمام تھا کہ حدیث نبوی کے ساتھ صحابہ و تابعین کے اقوال بھی درج کئے جائیں، لیکن اس دور میں یہ انداز بدل گیا، اب ارباب روایت نے ہر نادر نوشتے اور غیر متداول صحیفے کا کھوج لگالیا تھا، حجازؔ، عراقؔ، شامؔ اور مصرؔ جملہ بلاد اسلامیہ کے افراد (۲) وغرائب (۳) خاص خاص

(۱) شرح نقایہ از محدث ملا علی قاری ج ۱ص ۱۰ طبع ہند۔ (۲) افراد، فرد کی جمع ہے، فرد اس حدیث کو کہتے ہیں جس کی روایت کسی خاص فرد یا کسی خاص مقام کے افراد کے ساتھ مخصوص و منحصر ہو۔

(۳) غرائب، غریب کی جمع ہے، غریبؔ اس حدیث کو کہتے ہیں جس کے سلسلہ سند میں کہیں نہ کہیں ایک راوی ہو۔

خاندانوں کی تحریری یادداشتیں جن کی روایت اسی خاندان میں محدود و منحصر تھی، اسی طرح کسی غیر مشہور صحابی کی کوئی روایت جس کو ان سے صرف ایک آدھ شخص روایت کرتا چلا آتا تھا، غرض تمام پریشان اور غیر متداول روایات اس عہد میں ہر طرف سے جمع کر لی گئی تھیں، طرق و اسانید کی کثرت کا یہ عالم تھا کہ بعض وقت تلاش و تتبع سے ایک ایک روایت کی سو سو بلکہ اس سے بھی زیادہ اسنادیں مل جاتی تھیں، اس طرح تمام اقالیم کا علم روایت جو اَب تک خاص خاص سینوں یا سفینوں میں منتشر اور پراگندہ تھا، اس صدی میں محدثین کی کوششوں سے یکجا ہو گیا تھا۔

ان غرائب و افراد اور نوادر آثار کے جمع ہو جانے پر بہت سی ایسی روایات سامنے آئیں جن پر صحابہ و تابعین اور سلف مجتہدین کا عمل نہ تھا، محدثین کی ایک جماعت جو درایت سے زیادہ روایت پر زور دیتی تھی، ان روایات کی صحت پر مصر تھی ان کا خیال تھا کہ صحیح سند سے ایک چیز کے ثابت ہو جانے کے بعد اس پر عمل کرنے میں چوں و چرا کرنا دیدہ و دانستہ حدیث کی مخالفت کرنا ہے، ادھر عام اہل فتویٰ ایسی روایات کو سلف کے عدم تعامل و عدم توارث کی بنا پر شاذ اور متروک العمل سمجھتے تھے، ارباب روایت کا بڑا زور اس بات پر تھا کہ علماء صحابہ و تابعین ہمیشہ مسئلہ کے متعلق حدیث نبوی کی تلاش کرتے رہے ہیں، ہاں حدیث نہ ملتی تو مجبوراً دوسرے استدلالات سے کام لیتے تھے، لیکن اسی کے ساتھ ان کا یہ دستور رہا ہے کہ اگر اسی مسئلہ میں آئندہ چل کر انہیں کوئی حدیث مل جاتی، تو وہ اپنے اجتہاد کو چھوڑ کر اس پر عمل پیرا ہو جاتے تھے، لہٰذا صحابہ و تابعین کا کسی حدیث پر عمل نہ کرنا اس کی علت قادحہ نہیں بن سکتا، اس نظریہ کی وجہ سے محدثین اور ارباب روایت کے ایک گروہ نے ایسی تمام

روایات کو معمول بہ قرار دیا اور ان مسائل میں سلف مجتہدین سے بالکل الگ رائے قائم کی اور صحابہ وتابعین کے جو فتاوے ان روایات کے خلاف ملے انہیں تسلیم نہ کرتے ہوئے صاف کہہ دیا کہ ھم رجال ونحن رجال (وہ بھی مرد تھے اور ہم بھی مرد ہیں یعنی جس طرح انہیں اجتہاد کا حق تھا ہمیں بھی ہے۔)

مثلاً قلتین (۱) کی حدیث اگلے طبقہ میں شائع نہ تھی، اس دور میں اس کی اشاعت ہوئی اور بعض ارباب روایت نے اپنے مذہب کی بنا اسی حدیث پر رکھی لیکن جن علماء کے سامنے سلف کا تعامل تھا، انھوں نے اس کو شاذ اور متروک العمل قرار دیا، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:

**مثاله حديث القلتين فإنه حديث صحيح روي بطرق كثيرة معظمها ترجع إلى الوليد بن كثير عن محمد بن جعفر بن الزبير عن عبدالله أومحمد بن عباد بن جعفر عن عبيدالله بن عبدالله كلاهما عن ابن عمر ثم تشعبت الطرق بعدذلك وهذان وإن كانا من الثقات لكنهما ليسا ممن وسد إليهم الفتوىٰ وعوّل الناس عليهم فلم يظهر الحديث في عصر سعيد بن المسيب ولا في عصر الزهري ولم يمش عليه المالكية ولا الحنفية فلم يعملوا به. (۲)**

---

(۱) وہ حدیث اس طرح ہے کہ ''جب پانی دو قلہ ہو تو نجس نہیں ہوتا''. قُلّۃ بضم قاف وتشدید لام متعدد معنی میں مستعمل ہے جو لوگ اس روایت پر عمل کرتے ہیں وہ اس سے بڑا مٹکا مراد لیتے ہیں جس میں پانچ سو رطل یعنی سوا چھ من پختہ پانی آئے اور بعض کہتے ہیں کہ جس میں دو یا زیادہ مشکیں سما سکیں۔

(۲) الانصاف فی بیان سبب الاختلاف، باب اسباب اختلاف مذاہب الفقہاء۔

''اس کی مثال قلتین کی حدیث ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور بہت
سے طریقوں سے مروی ہے، جو بیشتر اس سلسلہ سند پر منتہی
ہوتے ہیں، ولید بن کثیر، محمد بن جعفر بن زبیرؒ سے وہ عبداللہؒ سے
یا ولیدؒ سے، محمد بن عباد بن جعفرؒ سے وہ عبیداللہؒ بن عبداللہ سے پھر
عبداللہؒ اور عبیداللہؒ دونوں حضرت ابن عمر ﷺ سے پھر اس سند
کے بعد اس کے بہت سے طریقے شاخ در شاخ پھیلے اور عبداللہؒ
اور عبیداللہؒ اگر چہ یہ دونوں ثقات میں سے ہیں، لیکن ان علماء میں
نہیں کہ جن پر فتوے کا مدار اور لوگوں کا مدار اور لوگوں کا اعتماد تھا،
اس وجہ سے یہ حدیث نہ سعید بن المسیبؒ کے عہد میں ظاہر ہوئی
اور نہ زہریؒ کے زمانہ میں اور نہ اس پر مالکیہ ہی چلے اور نہ حنفیہ،
چنانچہ ان سب لوگوں نے اس پر عمل نہ کیا۔''

علامہ ابن القیمؒ نے تہذیب سنن ابی داؤدؒ میں اس حدیث کے متروک العمل ہونے پر بڑی سیر حاصل بحث کی ہے اور بہت سے دلائل سے اس کا نا قابل قبول ہونا بیان کیا ہے، چنانچہ اس کے شذوذ پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

**وأما الشذوذ فإن هذا حديث فاصل بين الحلال و الحرام والطاهر والنجس وهي في المياه كالأوسق في الزكوة والنصب في الزكوة فكيف لا يكون مشهوراً شائعاً بين الصحابة ينقله خلف عن سلف لشدة حاجة الأمة إليه أعظم من حاجتهم إلى نصب الزكوة فإن أكثر الناس لا تجب عليهم**

زكوة والوضوء بالماء الطاهر فرض على كل مسلم فيكون الواجب نقل هذا الحديث كنقل نجاسة البول ووجوب غسله ومن المعلوم أن هذا لم يروه غير ابن عمر ولا عن ابن عمر غير عبيدالله وعبدالله فأين نافع وسالم وأيوب وسعيد بن جبير وأين أهل المدينة وعلماؤهم عن هذه السنة التي مخرجها من عندهم وهم إليها أحوج الخلق لعزة الماء عندهم ومن البعيد جداً أن يكون هذه السنة عند ابن عمر ويخفى على علماء أصحابه وأهل بلدته ولا يذهب إليها أحدمنهم ولا يروونها ويديرونها بينهم ومن أنصب لم يخف عليه امتناع هذافلو كانت هذه السنة العظيمة المقدار عند ابن عمر لكان أصحابه وأهل المدينة أقول الناس بها وأرواهم لها، فأي شذوذ أبلغ من هذا، وحيث لم يقل بهذا التحديد أحد من أصحاب ابن عمر أنه لم يكن فيه عنده سنة من النبي ﷺ فهذا وجه شذوذه. (۱)

”رہا شذوذ سو یہ حدیث حلال اور حرام اور پاک اور ناپاک کا فیصلہ کرنے والی ہے اور پانیوں کے بیان میں اس کی وہی حیثیت ہے جو زکوۃ کے سلسلہ میں اَوْسُق (۲) اور مختلف نصابہائے زکوۃ کی ہے، پھر کیوں یہ حدیث صحابہ میں مشہور اور

---

(۱) تہذیب سنن ابی داؤد ص ۸۵ الغایت ۸۷ طبع انصاری دہلی بر حاشیہ غایۃ المقصود شرح سنن ابی داؤد۔

(۲) اَوْسُق جمع ہے وَسَق کی، وسق ایک پیمانہ ہے جو ساٹھ صاع کا ہوتا ہے اور ایک صاع آٹھ رطل کا۔

شائع نہیں ہوئی کہ خلف اس کو سلف سے نقل کرتے چلے آتے، حالانکہ امت کو نصا بہائے زکوۃ سے بھی بڑھ کر اس کی شدید حاجت ہے کیونکہ زکوۃ تو اکثر لوگوں پر فرض نہیں ہوتی، لیکن پاک پانی سے وضو کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے، پس اس حدیث کا نقل کرنا اسی طرح واجب قرار پاتا ہے، جس طرح کہ پیشاب کی نجاست اور اس کے دھونے کی فرضیت کا نقل کرنا اور یہ بات معلوم ہے کہ اس حدیث کا بجز حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے اور ان سے بجز عبید اللہؒ اور عبد اللہؒ کے اور کوئی راوی نہیں ہے، پھر نافعؒ، سالمؒ، ایوبؒ، اور سعید بن جبیرؒ کدھر چلے گئے اور اہل مدینہ اور ان کے علماء اس سنت سے کہ جس کا نکاس ان ہی کے یہاں سے ہے کہاں غافل ہو گئے حالانکہ خلق اللہ میں اس سنت کی سب سے زیادہ احتیاج ان ہی کو تھی کیونکہ پانی کی ان کے یہاں بڑی قلت تھی اور یہ بات بالکل بعید ہے کہ یہ سنت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ہوتی اور ان کے اصحاب میں اور ان کے شہر میں جو اہل علم تھے ان ہی سے مخفی رہتی اور ان میں سے کوئی بھی اس سنت کی طرف نہ جاتا اور نہ وہ لوگ اس کو روایت کرتے اور نہ آپس میں اس کا چرچا کرتے، حالانکہ جو شخص بھی انصاف سے کام لے گا اس پر اس بات کا ناممکن ہونا مخفی نہ رہے گا، پس یہ سنت عظیم المرتبت اگر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ہوتی، تو ان کے اصحاب

اور اہل مدینہ سب لوگوں سے زیادہ اس کے قائل ہوتے اور
سب سے زیادہ اس کو روایت کرتے، سو اس سے بڑھ کر اور کیا
شذوذ ہوسکتا ہے؟ اور جبکہ اصحاب ابن عمرؓ سے کوئی ایک فرد
بھی اس تحدید کا قائل نہیں، تو معلوم ہوا کہ حضرت ابن عمرؓ
کے پاس اس بارے میں کوئی سنت آنحضرت ﷺ کی موجود نہ
تھی اور یہ اس روایت کے شاذ ہونے کا بیان ہے۔"

قلتین کی طرح سے "آمین بالجہر" کی حدیث بھی ہے، چنانچہ محدث دارقطنی اس کو اپنی سنن میں نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

قال أبوبكر هذه سنة تفرد بها أهل الكوفة.

"ابوبکر (عبداللہ بن ابی داؤد سجستانی) کا بیان ہے کہ یہ وہ سنت
ہے، جس کی روایت صرف اہل کوفہ نے کی ہے۔"

اور اس پر مستزاد یہ کہ خود علماء اہل کوفہ میں سے کسی کا اس روایت پر عمل بھی نہیں ہے، اسی طرح "خیار مجلس" (۱) کی حدیث کہ نہ اس پر فقہاء سبعہ نے عمل کیا ہے اور نہ فقہاء کوفہ نے اور حدیث "مصراۃ" (۲) کہ نہ اس پر امام اعظم کا عمل ہے، نہ

---

(۱) وہ حدیث یہ ہے کہ "بائع اور مشتری دونوں کو اس وقت تک فسخ معاملہ کا اختیار ہے، جب تک کہ جدا نہ ہوں۔" اس روایت کی بنا پر ایجاب وقبول اور بیع کے تمام ہوجانے کے بعد جب تک بائع ومشتری ایک جگہ بیٹھے ہیں بیع فسخ کی جاسکتی ہے۔ (۲) مُصَرَّاۃ وہ دودھ کا جانور ہے کہ جس کا دودھ چند وقت نہ دوہا جائے تاکہ خریدار یہ دیکھ کر یہ جانور بہت دودھ والا ہے، دھوکا کھا کر زیادہ قیمت دیدے، اور حدیث مصراۃ یہ ہے کہ "جو کوئی ایسا جانور خریدے وہ اس کے دوہنے کے بعد اختیار رکھتا ہے کہ چاہے اس کو رکھے اور چاہے واپس کردے اور اس کے ساتھ ایک صاع خرما بائع کو دے۔" یہ ایک صاع خرما اس دودھ کا عوض ہے جو مشتری نے نکالا ہے۔

امام مالکؒ کا اور دوسری وہ تمام روایات کہ جن پر عہد صحابہ و تابعین میں ائمہ فتوی کا عمل نہ تھا، ان سب روایات کے بارے میں فقہاء اور ارباب روایت کا نقطۂ نظر بالکل جدا جدا تھا، فقہاء ان تمام روایات کو تعامل (۱) وتوارث سلف کی روشنی میں جانچتے تھے

(۱) چنانچہ اکابر علماء کی تصریح اس باب میں حسب ذیل ہے. امام مالکؒ فرماتے ہیں:

إذا جاء عن النبي ﷺ حديثان مختلفان وبلغنا أن أبا بكر وعمر عملا بأحد الحديثين وتركا الأخر كان ذلك دليلاً على أن الحق فيما عملا به (التعليق الممجد على مؤطاالامام محمد نقلا عن الاستذكار لابن عبد البر، "باب الوضوء مما غيرت النار")

''جس وقت آنحضرت ﷺ سے دو مختلف حدیثیں آئیں اور ہمیں یہ بات پہنچے کہ حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ نے ایک پر عمل کیا ہے اور دوسری کو چھوڑ دیا ہے، تو یہ اس بات کی دلیل ہوگی کہ جس روایت پر انھوں نے عمل کیا وہی صحیح ہے''

اور محدث خطیب بغدادیؒ اپنی تاریخ میں امام ممدوح سے نقل کرتے ہیں کہ

لو كان هذا الحديث هو المعمول به، لعملت به الأئمة أبوبكر وعمر وعثمان بعد رسول الله ﷺ أن يصلي الإمام قاعداً ومن خلفه قعوداً. (تاریخ بغداد ج۲ ص ۲۴۷ طبع مصر)

''اگر یہ حدیث معمول بہ ہوتی کہ 'امام بیٹھ کر نماز پڑھے تو جو اس کے پیچھے ہیں وہ بھی بیٹھ کر ہی نماز پڑھیں' تو اس پر رسول اللہ ﷺ کے بعد کے ائمہ حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ ضرور عمل کرتے۔''

اور امام ابوداؤد سجستانیؒ، اپنی سنن میں لکھتے ہیں:

إذا تنازع الخبران عن النبي ﷺ ينظر بما أخذ به أصحابه. (باب لحم صيد المحرم، باب من قال لايقطع الصلوة شيء.)

''جب نبی ﷺ سے دو مختلف روایتیں آئیں تو یہ دیکھا جائے گا کہ صحابہ نے کس پر عمل کیا۔''

اور امام ابوبکر جصاصؒ، احکام القرآن میں تحریر فرماتے ہیں:

متى روي عن النبي ﷺ خبران متضادان وظهر عمل السلف بأحدهما كان الذي ظهر عمل السلف به أولى بالاثبات (ج۱، ص۱۷) (بقیہ اگلے صفحہ پر)

اور ارباب روایت صرف صحت سند پر مدار رکھتے تھے، شاہ ولی اللہ صاحب ''إزالة الخفاء'' میں لکھتے ہیں:

اتفاق سلف وتوارث ایشاں اصل عظیم است درفقہ (۱)

اور الانصاف میں ارباب روایت کا طرز عمل یہ بتلاتے ہیں:

**فإذا لم يجدوا في كتاب اللّٰه أخذوا بسنة رسول اللّٰه ﷺ سواء كان مستفيضاً دائراً بين الفقهاء أو يكون مختصاً بأهل بلد أو بأهل بيت أو بطريق خاصة، وسواء عمل به الصحابة والفقهاء أو لم يعملوا به ومتىٰ كان في المسألة حديث فلايتبع فيها خلاف أثر من الآثار ولا اجتهاد أحد من المجتهدين (باب اسباب اختلاف الفقهاء)**

---

(پچھلے صفحہ کا بقیہ) ''جب حضور ﷺ سے دو متضاد خبریں روایت کی جائیں اور ان میں سے ایک پر سلف کا عمل ظاہر ہوگا اسی کا ثبوت اولیٰ ہے۔''

اور علامہ محقق کمال الدین بن الہمام، شرح ہدایہ میں رقمطراز ہیں:

**ومما يصحح الحديث عمل العلماء على وفقه.** (فتح القدير شرح هدايه، قبيل "باب ايقاع الطلاق")

''اور جن امور کی بنا پر حدیث کی تصحیح کی جاتی ہے، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ علماء اس حدیث کے موافق عمل کریں۔''

حضرت الاستاذ حیدر حسن خاں صاحب شیخ الحدیث دار العلوم ندوۃ العلماء نے تعامل سلف کی حجیت پر ایک نہایت قیمتی اور نفیس رسالہ عربی زبان میں قلمبند فرمایا ہے، جس کو ہم نے **ماتمس اليه الحاجة لمن يطالع سنن ابن ماجة** میں تمام وکمال نقل کردیا ہے۔

(۱) ص ۸۵ ج ۲ طبع بریلی۔

''پھر جب وہ کتاب اللہ میں مسئلہ نہ پاتے، تو رسول اللہ ﷺ
کی حدیث کو لیتے، خواہ وہ حدیث مشہور اور فقہاء میں دائر سائر
ہوتی یا کسی شہر یا کسی خاندان یا کسی خاص طریقہ سے مخصوص ہوتی
اور خواہ اس پر صحابہ اور فقہاء کا عمل ہوتا یا نہ ہوتا، اور جب تک
مسئلہ میں کوئی حدیث موجود ہوتی، اس وقت تک اس مسئلہ کے
خلاف نہ آثار میں سے کسی اثر کی پیروی کی جاتی اور نہ مجتہدین
میں سے کسی مجتہد کے اجتہاد کی۔''

غرض یہ وہ وجوہ ہیں کہ جن کی بنا پر متقدمین میں اور اس دور کے بعض اربابِ روایت میں بہت سی احادیث کی تصحیح وتضعیف کے سلسلہ میں اختلاف ہوگیا، اسباب ظواہر نے اپنے مذہب کی بنا اسی عہد کی تحقیقات پر رکھی، لیکن محققین کے نزدیک اس بارے میں صدر اول کا فیصلہ معتبر ہے، شیخ عبدالحق محدث دہلوی شرح سفر السعادۃ الموسوم بہ **المنهج القويم في شرح الصراط المستقيم** میں فرماتے ہیں:

ونیز حکم بہ صحت وضعف احادیث درزمان متاخر برخلاف زمان سابق است، چہ می تواند کہ حدیثے درزمان ایشاں صحیح باشد بسبب اجتماع شرائط صحت وقبول دررواۃ کہ واسطہ بودند میان ایشاں وحضرت رسول اللہ ﷺ پس ازاں از جہت رواۃ دیگر کہ بعد ازاں آمدند ضعفے پیدا شد از حکم متاخرین محدثین ضعف حدیثے لازم نیاید ضعف وے درزمان امام ابوحنیفہؒ مثلاً وایں نکتہ ظاہر است وازکلامے کہ بعض محققین ذکر کردہ اند کہ حکم بتواتر وشہرت ووحدت حدیث معتبر

درصدر اول است، والا بسا احادیثے کہ دراں وقت از آحاد بودہ، وبعد ازاں بوجود کثرت طرق برواج ایں علم وکثرت طالبان امعان کہ بعد ازاں پیدا شدہ بمرتبہ شہرت رسیدہ باشد، استینا سے بایں معنی یافت۔(۱)

''اور زمانہ متاخر میں حدیثوں کی صحت وضعف کا حکم زمان سابق سے جدا ہے، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ ایک حدیث متقدمین کے زمانہ میں صحیح ہو، بسبب اس کے کہ ان راویوں میں جو متقدمین اور آنحضرت ﷺ کے درمیان واسطہ تھے، صحت وقبول کے شرائط جمع تھے اور بعد کو دوسرے راویوں کی وجہ سے کہ جو ان کے بعد آئے، اس میں ضعف پیدا ہوگیا، پس متاخرین محدثین کے کسی حدیث پر ضعف کا حکم لگا دینے سے لازم نہیں آتا کہ وہ حدیث مثلاً امام ابوحنیفہؒ کے زمانہ میں بھی ضعیف ہی ہو اور یہ نکتہ ظاہر ہے اور بعض محققین کے اس بیان سے بھی جو انھوں نے ذکر کیا ہے کہ ''حدیث کے تواتر شہرت اور وحدت کے بارے میں صدر اول کا حکم معتبر ہے، ورنہ بہت سی وہ حدیثیں کہ جو اس زمانہ میں آحاد تھیں اور بعد کو ان کے بہت سے طریقوں کے وجود میں آجانے کے باعث کہ جو زمانہ مابعد میں اس علم کے رواج پانے اور طالبین ومؤلفین کی کثرت ہوجانے سے پیدا ہوگئے، شہرت کے درجہ پر جا پہنچیں گی' اس

(۱) ص ۲۳ و ۲۴ طبع نولکشور لکھنو۔

بات پر روشنی پڑتی ہے۔"

بہرحال اس دور میں جمع روایات، تنقید احادیث، اصول روایت اور امتیاز مراتب کے سلسلہ میں بہت سی ایسی نئی چیزیں پیدا ہوئیں کہ جس کی بنا پر اس دور کے مصنفین کو حدیث کی تدوین اپنے اپنے ذوق کے مناسب نئے انداز سے کرنی پڑی، گذشتہ مؤلفین حدیث نبوی کے پہلو بہ پہلو آثار صحابہ وتابعین کو بھی درج کرتے تھے، اس عہد میں حدیث کو آثار سے علیحدہ کر کے مسند احادیث کے جمع واستقصاء کا اہتمام کیا گیا، چنانچہ ہر راوی کی تمام پریشان اور غیر مرتب روایتیں یکجا کی گئیں اور مسانید کی تصنیف کا آغاز ہوا، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ، مقدمہ فتح الباریؒ میں دوسری صدی کے مشاہیر مصنفین علم حدیث کا ذکر کر کے لکھتے ہیں:

إلى رأي بعض الأئمة منهم أن يفرد حديث النبي ﷺ خاصة وذلک على رأس المأتين فصنف عبيدالله بن موسى العبسي الكوفي مسنداً وصنف مسدد بن مسرهد البصري وصنف أسد بن موسى الأموي مسنداً وصنف نعيم بن حماد الخزاعي نزيل مصر مسنداً، ثم اقتفى الأئمة بعد ذلک اثرهم فقلّ إمام من الحفاظ إلا وصنف حديثه على المسانيد كالإمام أحمد بن حنبل وإسحاق بن راهويه وعثمان بن أبي شيبة وغيرهم من النبلاء ومنهم من صنف على الأبواب وعلى المسانيد معاً كابن أبي شيبة. (۱)

(۱) ہدی الساری لفتح الباری ج ۱ ص ۵ و ۶ طبع منیریہ مصر۔

''یہاں تک کہ بعض ائمہ حدیث کی یہ رائے ہوئی کہ صرف آنحضرت ﷺ ہی کی حدیثوں کو مستقل طور پر علاحدہ جمع کیا جائے اور یہ ۲۰۰ھ کے ختم پر ہوا، چنانچہ عبیداللہ بن موسیٰ عبسی کوفیؒ، مسدد بن مسرہد بصریؒ، اسد بن موسیٰ امویؒ، اور نعیم بن حمادؒ خزاعی نزیل مصرؒ نے ایک ایک مسند تصنیف کی، پھر اور ائمہ بھی ان ہی کے نقش قدم پر چلے اور حفاظ حدیث میں مشکل ہی سے کوئی امام رہا ہوگا کہ جس نے اپنی احادیث کو مسانید پر مرتب نہ کیا ہو، چنانچہ امام احمد بن حنبلؒ، اسحاق بن راہویہؒ اور عثمان بن ابی شیبہؒ اور ان جیسے دیگر اکابر نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا، اور بعض محدثین نے جیسے کہ ابوبکر بن ابی شیبہؒ ہیں، ابواب و مسانید دونوں عنوانوں پر کتابیں لکھیں۔''

ابواب و مسانید کا فرق یہ ہے کہ ابواب میں احادیث کو باب وار مضامین کے لحاظ سے مرتب کیا جاتا ہے، مثلاً نماز کی علاحدہ، روزہ کی علاحدہ، زہد کی علاحدہ اور مسانید میں ہر صحابی کی جملہ مرویات کو بلا لحاظ مضمون یکجا ذکر کرتے ہیں مثلاً حضرت ابوبکر صدیقؓ سے جتنی روایات آئیں ہیں، بلا لحاظ اس امر کے کہ وہ روزہ سے متعلق ہیں یا نماز سے یا کسی اور امر سے ''مسند ابی بکر الصدیق'' کے زیر عنوان یکجا لکھ دی جائیں گی، یہ فرق تو طرز تصنیف کے اعتبار سے تھا، لیکن غور کیجئے تو روایات کے اعتماد و استناد کے لحاظ سے بھی ان دونوں طریقوں میں نمایاں امتیاز نظر آئے گا، مصنفین ابواب کے پیش نظر وہ روایات ہوتی ہیں، جن کا تعلق

عمل یا عقیدہ سے ہوتا ہے، اس لئے وہ عموماً ان روایات کو ذکر کرتے ہیں جو احتجاج یا استشہاد کے قابل ہوں، اس کے برخلاف مصنفین مسانید کا کام صرف روایات کا جمع کر دینا ہے، اس لئے وہ اس بندش سے آزاد ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان کے یہاں صحیح غیر صحیح ہر طرح کی روایات کا انبار نظر آئے گا، محدث حاکم نیشاپوریؒ، ''المدخل فی اُصول الحدیثؒ'' میں لکھتے ہیں:

''ابواب وتراجم (مسانید) کا فرق یہ ہے کہ تراجم کی صورت میں شرط یہ ہے کہ مصنف یوں عنوان کرے

"ذكر ماورد عن أبي بكر الصديق عن النبي ﷺ"

''یعنی حضرت ابو بکر صدیقؓ کے واسطے سے رسول اللہ ﷺ سے جو احادیث وارد ہوئی ہیں ان کا بیان''

پھر دوسرا عنوان یہ ہوگا:

"ذكر ماروى قيس بن أبي حازم عن أبي بكر الصديق"

''یعنی قیس بن ابی حازمؒ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ سے جو روایتیں کی ہیں ان کا بیان''

اس صورت میں مصنف کے لئے لازمی ہے کہ قیسؒ کے واسطے سے جس قدر روایات حضرت ابو بکر صدیقؓ سے مل جائیں، ان سب کی تخریج کرے، قطع نظر اس کے کہ وہ صحیح ہوں یا سقیم۔

لیکن مصنف ابواب، عنوان اس طرح قائم کرتا ہے:

ذكر ما صح وثبت عن رسول الله ﷺ في أبواب الطهارة أو

الصلوة أو غير ذلك من العبادات. (۱)

''یعنی طہارت یا نماز یا دیگر عبادات کے بارے میں جو رسول اللہ ﷺ سے صحیح وثابت ہے اس کا ذکر۔''

اور حافظ ابن حجر عسقلانی، ''تعجيل المنفعة بزوائد رجال الأئمة الأربعة'' میں ارقام فرماتے ہیں:

أصل وضع التصنيف للحديث على الأبواب أن يقتصر فيه على مايصلح للإحتجاج أو الإستشهاد بخلاف من رتب على المسانيد فإن أصل وضعه مطلق الجمع. (۲)

''ابواب پر حدیث کی تصنیف کا اصول یہ ہے کہ اس کو صرف ان روایات تک محدود رکھا جائے کہ جن میں احتجاج یا استشہاد کی صلاحیت ہو، برخلاف ان لوگوں کے کہ جنہوں نے مسانید پر ترتیب کی ہے، کیونکہ مسند کی تدوین کا مقصد صرف جمع روایات ہے۔''

بات یہ ہے کہ اہل تراجم یعنی مصنفین مسانید ومعاجم کا مقصد چونکہ تمام بکھری ہوئی روایات اور پراگندہ حدیثوں کا جمع واستقصا ہے، اس لئے ایک صحابی اور ایک شیخ کی جتنی روایتیں ان کو مل جاتی ہیں، وہ ان کو مسند اور معجم میں جمع کر دیتے ہیں اور چونکہ یہ ضروری نہیں کہ ہر راوی کی ہر روایت صحیح سند ہی سے منقول ہوتی چلی آئے اس لئے جس طریقہ اور جس سند سے بھی وہ روایت ان کو پہنچتی ہے وہ اسے مع

(۱) ص ۴ و ۵ طبع حلب۔ (۲) طبع دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن ۱۳۲۴ھ۔

اسناد نقل کر دیتے ہیں، بدیں وجہ صرف صحیح روایات کی تدوین ان کے موضوعِ تالیف سے خارج اور ان کی شرط تصنیف کے منافی ہے، ان کا تو مقصد ہی یہ ہے کہ تمام کچا پکا، صحیح، غیر صحیح، قوی غیر قوی، قابل قبول اور نا قابل قبول ہر طرف سے تلاش اور جستجو کر کے فراہم کر دیا جائے تا کہ کوئی روایت مدون ہونے سے رہنے نہ پائے اور جب یہ سارا ذخیرہ یکجا ہو کر سامنے آ جائے، تو اہل فن اصول تنقید اور قواعد روایت کے مطابق ان تمام روایات کی جانچ پرتال کر کے ہر روایت کے بارے میں صحیح رائے قائم کر سکیں، کتب مسانید و معاجم درحقیقت طرق واسانید کا بیش بہا دفتر ہیں، جن سے حدیث کی قوت وضعف کا بخوبی پتہ چل جاتا ہے اور یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ روایت صحت کے کس معیار پر ہے اور اس کی سند کے کتنے طریقے صحیح اور کتنے ضعیف ہیں اور اگر ضعف ہے، تو کیا اس قسم کا ہے کہ چند طریقوں کے ملا لینے سے جاتا رہتا ہے اور حدیث کو قابل استناد بنا دیتا ہے مثلاً ایک حدیث کئی اسنادوں سے مروی ہے اور ہر اسناد میں ایک ایسا راوی موجود ہے کہ جس پر حافظہ کی کمی کا الزام ہے، اس لئے کیا یہ ممکن ہے کہ جملہ طرق کو دیکھ کر یہ فیصلہ کیا جا سکے کہ ان میں سے ہر ایک میں جو علاحدہ علاحدہ حافظہ کی کمی تھی، وہ ان سب کے متفقہ بیانات سے پوری ہو گئی، اور اسی طرح اگر وہ حدیث صحیح ہے تو کیا وہ غرائب وافراد میں سے ہے یا تعدد طرق کی بنا پر اسے شہرت کا درجہ حاصل ہے یا اسے صرف عزیز کہا جائے گا۔

غرض اب تک ابواب پر تصنیف کا رواج تھا، اب مسانید مرتب ہوئیں، محدث حاکم نیشاپوری لکھتے ہیں:

"یہ مسانید جو اسلام میں تصنیف ہوئیں صحابہ رضی اللہ عنہم کی مرویات

ہیں، ان کا سلسلہ سند معتبر اور مجروح ہر قسم کے رواۃ پر مشتمل ہے، جیسے مسند عبیداللہ بن موسیٰ اور مسند ابی داؤد سلیمان بن داؤد طیالسیؒ، یہ دونوں پہلے شخص ہیں جنہوں نے اسلام میں تراجم رجال پر مسندیں تصنیف کیں، ان دونوں کے بعد احمد بن حنبلؒ، اسحٰق بن ابراہیمؒ حنظلی، ابوخیثمہ زہیر بن حربؒ، اور عبیداللہ بن عمرؒ قواریری نے مسانید لکھیں، پھر تو کثرت سے تراجم رجال پر مسانید کی تخریج ہوئی، اور ان سب کے جمع کرنے میں صحیح وسقیم کے امتیاز کا کوئی لحاظ نہیں رکھا گیا۔" (۱)

حاکم نے ذرا سختی کی اور سب مسانید کے بارے میں ایک عام حکم لگا دیا، بلاشبہ اکثر کتب مسانید کا یہی حال ہے تاہم بعض ائمہ نے مسانید کی تدوین میں بھی انتخاب سے کام لیا ہے اور حتی الوسع قابل استناد روایات کو جمع کرنے کا اہتمام کیا ہے۔

## مسند اسحٰق بن راہویہ

چنانچہ علامہ سیوطیؒ، تدریب الراوی میں لکھتے ہیں:

وإسحق يخرج أمثل ما ورد عن ذلك الصحابي فيما ذكره أبو زرعة الرازي. (۲)

"اور اسحٰق بن راہویہؒ جیسا کہ ابوزرعہؒ رازی نے ذکر کیا ہے جو روایت سب سے اچھی ہوتی ہے، وہی اس صحابی سے نقل کرتے ہیں"

(۱) المدخل فی اصول الحدیث، ص۴، طبع حلب۔
(۲) تدریب الراوی، ص۵۷، طبع مصر ۱۳۰۷ھ۔

## مسند امام احمد

بلکہ امام احمدؒ کا تو یہ ارادہ تھا کہ اپنی مسند کو صحیح حدیثوں کا اتنا بڑا مجموعہ بنا دیا جائے کہ اگر کبھی علماء میں کسی حدیث کی بابت کوئی اختلاف رونما ہو تو یہ اس روایت کے استناد وعدم استناد میں دستاویز کا کام دے سکے، چنانچہ امام ممدوح کے صاحبزادے عبداللہ بن احمدؒ کا بیان ہے کہ

**قلت لأبي لم كرهت وضع الكتب وقد عملت المسند، فقال: عملت هذا الكتاب إماماً إذااختلف الناس في سنة عن رسول الله ﷺ رجع إليه(۱)**

''میں نے اپنے والد بزرگوار سے عرض کیا کہ آپ کتابوں کی تصنیف کو کیوں ناپسند فرماتے ہیں، حالانکہ آپ نے خود بھی مسند تالیف کی ہے؟ فرمانے لگے کہ میں نے تو اس کتاب کو امام بنایا ہے کہ جب لوگ رسول اللہ ﷺ کی کسی سنت میں اختلاف کریں تو اس کی طرف رجوع کیا جائے۔''

اور آپ کے برادرزادہ حنبل بن اسحٰقؒ کہتے ہیں کہ

**جمعنا عمي لي ولصالح ولعبد الله وقرأ علينا المسند وما سمعه منه تاماً غيرنا وقال لنا هذا كتاب قد جمعته و انتقيته من أكثر من سبعمائة ألف وخمسين ألفاً فما اختلف**

---

(۱) خصائص المسند، از حافظ ابوموسیٰ مدینی، ص ۸، طبع مصر ۱۳۴۷ھ۔

المسلمون فيه من حديث رسول الله ﷺ فارجعوا إليه فإن وجدتموه فيه وإلا فليس بحجة. (۱)

''عم محترم (امام احمد) نے مجھے اور (اپنے دونوں صاحبزادگان) صالح اور عبداللہ کو جمع کر کے ہمارے سامنے مسند کی قرأت کی، ہمارے سوا اور کسی نے آپ سے اس کتاب کو بہ تمام وکمال نہیں سنا ہے، اور پھر ہم سے فرمایا کہ اس کتاب کو میں نے ساڑھے سات لاکھ سے (۲) زائد روایتوں سے انتخاب کر کے جمع کیا ہے سو رسول اللہ ﷺ کی جس حدیث میں مسلمانوں کا اختلاف ہو، تم اس کتاب کی طرف رجوع کرو، اگر اس میں وہ روایت مل جائے تو فبہا ورنہ وہ حجت نہیں۔'' (۳)

(۱) مناقب احمد، از ابن جوزی ص ۱۹۱ و ۱۹۲ طبع مصر ۱۳۴۹ھ و خصائص المسند ص ۹۔

(۲) یاد رہے کہ یہ تعداد متون احادیث کی نہیں، بلکہ طرق واسانید کی ہے، چنانچہ شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی نے بستان المحدثین میں اس کی تصریح بھی کر دی ہے۔

(۳) امام ممدوح کے اس قول کی مختلف توجیہیں کی گئی ہیں، حافظ ذہبی فرماتے ہیں:

هذا القول منه على غالب الأمر وإلا فلنا أحاديث قوية في الصحيحين والسنن والأجزاء ماهي في المسند، وقدر الله تعالىٰ أن الإمام قطع الرواية قبل تهذيب المسند. وقبل وفاته بثلاث عشرة سنة فتجد في الكتاب أشياء مكررة، ودخول مسند في مسند وسند في سند، وهو نادر. (المصعد الأحمد في ختم المسند للإمام أحمد، ص ۲۱)

''امام موصوف کا یہ فرمانا غالب حال کے اعتبار سے ہے، ورنہ ہمارے پاس صحیحین، سنن اور اجزاء میں بہت سی قوی حدیثیں موجود ہیں کہ جو مسند میں نہیں ہیں نیز اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ امام نے مسند کی تہذیب سے پہلے اور اپنی (بقیہ اگلے صفحہ پر)

بلاشبہ یہ کتاب ایسی ہی ہوتی، لیکن کارکنان قضاء وقدر کو کچھ اور ہی منظور تھا، ابھی مسند تشنۂ تکمیل ہی تھی کہ امام ممدوح نے سفر آخرت اختیار کیا اور کتاب کا مسودہ متفرق اجزاء واوراق میں باقی رہ گیا، حافظ ابوالخیر شمس الدین جزری، المصعد الاحمد في ختم مسند الإمام أحمد میں لکھتے ہیں:

إن الإمام أحمد شرع في جمع هذاالمسند فكتبه في أوراق مفردة، وفرقه في أجزاء منفردة على ما تكون المسودة ثم جاء

---

(پچھلے صفحہ کا بقیہ) وفات سے تیرہ سال قبل ہی حدیث کا روایت کرنا ختم کردیا، یہی وجہ ہے کہ آپ اس کتاب میں بہت سی اشیاء کو مکرر اور ایک مسند کو دوسری مسند میں داخل پائیں گے اور یہ ایک سند کا دوسری سند میں مل جانا نادراً ہوا ہے۔"

اور حافظ شمس الدین محمد جزری لکھتے ہیں:

وأما قوله "فما اختلف فيه من الحديث رجع إليه وإلا فليس بحجة" يريد أصول الأحاديث وهو صحيح فإنه مامن حديث غالباً إلاوله أصل في هذا المسند، والله تعالىٰ أعلم (المصعد الأحمد ص ۲۱)

"اور امام احمد نے جو یہ فرمایا ہے کہ "جس حدیث میں اختلاف ہو اس کتاب کی طرف رجوع کیا جائے، اگر اس میں ہو تو فبہا ورنہ وہ حجت نہیں" اس سے مراد اس حدیث کی اصل ہے اور یہ صحیح ہے، کیونکہ کوئی حدیث غالباً ایسی نہیں کہ جس کی اصل اس مسند میں نہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم"

اور شاہ عبدالعزیز صاحب بستان المحدثین میں ارقام فرماتے ہیں کہ

راقم الحروف گوید، مراد ایشاں ہماں احادیث است کہ بدرجہ تواتر یا شہرت نرسیدہ اند والا احادیث صحیحہ مشہورہ بسیار است کہ در مسند ایشاں نیست۔ (ص ۳۰، طبع مجتبائی دہلی)

"امام موصوف کی مراد ان ہی احادیث سے ہے کہ جو شہرت یا تواتر کے درجہ تک نہیں پہنچی ہیں، ورنہ بہت سی مشہور صحیح حدیثیں ہیں کہ جو ان کی مسند میں نہیں ہیں۔"

حلول المنية قبل حصول الأمنية فبادر بأسماعه لأولاده وأهل بيته ومات قبل تنقيحه وتهذيبه فبقي على حاله.

''امام احمدؒ نے اس مسند کو جمع کرنا شروع کیا تو اس کو علیحدہ علیحدہ اوراق میں لکھا اور جدا جدا اجزا میں الگ الگ رکھا، جس طرح سے کہ مسودہ ہوا کرتا ہے، پھر حصول مقصد سے پہلے آپ کی وفات واقع ہوگئی، آپ نے اس کتاب کو اپنی اولاد اور اہل خاندان کو سنانے میں بڑی عجلت سے کام لیا اور اس کی تنقیح وتہذیب سے پہلے ہی آپ انتقال فرما گئے اور کتاب اسی حال میں رہ گئی۔''

یہی وجہ ہے کہ باوجود اس کتاب کے اس قدر ضخیم ہونے کے کہ اس میں چالیس ہزار حدیثیں آ گئی ہیں، پھر بھی احادیث صحیحہ کی بہت بڑی تعداد اس میں درج ہونے سے رہ گئی، حافظ ابن کثیرؒ ''اختصار علوم الحدیثؒ'' میں لکھتے ہیں:

إن الإمام أحمد قد فاته في كتابه هذا مع أنه لا يوازيه كتاب مسند في كثرته وحسن سياقه أحاديث كثيرة جداً بل قد قيل انه لم يقع له جماعة من الصحابة الذين في الصحيحين قريباً من مائتين. (ص ۷ طبع مکہ مکرمہ ۱۳۵۳ھ)

''امام احمد سے اپنی اس کتاب میں باوجود اس امر کے کہ کوئی اور مسند کثرتِ روایات اور حسنِ ادا میں اس کا مقابلہ نہیں کرتی، پھر بھی نہایت کثرت سے حدیثیں چھوٹ گئی ہیں، بلکہ بیان کیا گیا ہے کہ جماعت صحابہ میں دوسو کے قریب ایسے

حضرات کی روایتیں اس میں موجود نہیں ہیں کہ جن سے خود
صحیحین میں حدیثیں منقول ہیں۔''

اسی طرح بعض غیر صحیح حدیثیں بھی کتاب میں داخل ہوگئی تھیں، جن میں سے بعض کو خود امام ممدوحؒ نے بھی مسودہ میں قلم زد کر دیا تھا، چنانچہ حافظ ابوموسیٰ مدنیؒ نے خصائص المسند میں ان میں سے بعض روایات کی نشاندہی بھی کی ہے، اسی بنا پر علماء میں یہ امر زیر بحث ہے کہ آیا اب بھی مسند میں کوئی موضوع روایت موجود ہے یا نہیں، علامہ ابن تیمیہؒ نے اس بحث کا فیصلہ ان الفاظ میں کیا ہے:

وقد تنازع الناس هل في مسند أحمد حديث موضوع، فقال طائفة من حفاظ الحديث كأبي العلاء الهمداني ونحوه، ليس فيه موضوع، وقال بعضهم كأبي الفرج بن الجوزي فيه موضوع، ولا خلاف بين القولين عند التحقيق، فإن لفظ الموضوع قد يراد به المختلق المصنوع الذي يتعمد صاحبه الكذب، وهذا مما لا يعلم أن في المسند منه شيئاً، بل شرط المسند أقوى من شرط أبي داؤد في سننه، وقد روىٰ أبو داؤد في سننه عن رجال أعرض عنهم في المسند ولهذا كان الإمام أحمد في المسند لا يروي عمن يعرف أنه يكذب مثل محمد بن سعيد المصلوب ونحوه ولكن يروي عمن يضعف لسوء حفظه فإن هذا يكتب حديثه ويعتضد به ويعتبر به.

ويراد بالموضوع مايعلم انتفاء خبره وإن كان صاحبه لم

يتعمد الكذب، بل أخطأ فيه، وهذا الضرب في المسند منه بل وفي سنن أبي داؤد والنسائي وفي صحيح مسلم والبخاري أيضا ألفاظ في بعض الأحاديث من هذاالباب.(۱)

''لوگوں کا اس میں اختلاف ہے کہ آیا مسند احمد میں کوئی موضوع حدیث ہے یا نہیں، چنانچہ حفاظ حدیث کی ایک جماعت جیسے ابوالعلاء ہمدانی وغیرہ تو یہ کہتے ہیں کہ اس میں کوئی موضوع حدیث نہیں اور بعض حفاظ جیسے ابوالفرج بن الجوزی، یہ کہتے ہیں کہ اس میں موضوع روایت موجود ہے اور تحقیق کرنے پر ان دونوں قولوں میں کوئی اختلاف نہیں رہتا، کیونکہ لفظ موضوع سے کبھی تو ''جھوٹی اور گڑھی ہوئی روایت مراد ہوتی ہے کہ جس کا بیان کرنے والا قصداً دروغ بیانی سے کام لیتا ہے'' اور اس قسم کی کسی روایت کا مسند میں پتہ نہیں چلتا، بلکہ مسند کی شرط ابوداؤد کی شرط سے جو انھوں نے اپنی سنن میں ملحوظ رکھی ہے، زیادہ قوی ہے، چنانچہ ابوداؤد نے اپنی سنن میں بہت سے ایسے لوگوں سے روایتیں درج کی ہیں کہ جن سے مسند میں اعراض کیا گیا ہے اور اسی لئے امام احمد اپنی مسند میں ایسے شخص سے روایت نہیں کرتے کہ جس کے بارے میں وہ یہ جانتے ہوں کہ وہ جھوٹ بولتا ہے جیسے کہ محمد بن سعید مصلوب وغیرہ ہیں، لیکن اس شخص سے

(۱) المصعد الاحمد ص ۲۵و۲۶۔

روایتیں لے لیتے ہیں کہ جو حافظہ کی خرابی کی بنا پر ضعیف سمجھا جاتا ہو، کیونکہ ایسے شخص کی حدیث لکھی جاتی ہے اور دوسری روایت کی تائید اور اعتبار کے سلسلہ میں کام آتی ہے۔

اور کبھی موضوع سے مراد وہ روایت ہوتی ہے کہ ''جس کے ثبوت کی نفی معلوم ہو، اگرچہ اس کے بیان کرنے والے نے قصداً دروغ بیانی نہ کی ہو بلکہ روایت کرنے میں چوک گیا ہو'' اور ایسی روایات مسند میں موجود ہیں، بلکہ سنن ابی داؤد اور سنن نسائی میں بھی ہیں اور صحیح مسلم اور صحیح بخاری تک میں بعض احادیث میں اس قسم کے الفاظ آئے ہیں۔''

بہرحال مسند احمد کی اس خصوصیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ صحیح حدیثوں کا اس سے بڑا مجموعہ اور کوئی موجود نہیں، بلکہ حافظ نورالدین ہیثمی نے ''غاية المقصد في زوائد المسند'' (۱) میں تصریح کی ہے کہ

مسند أحمد أصح صحيحا من غيره. (۲)

''صحیح ہونے میں مسند احمد اوروں کی نسبت صحیح تر ہے۔''

## صحاح ستہ کی تدوین

مسانید کی تالیف سے جب تمام منتشر اور پراگندہ روایتیں یکجا ہوگئیں، تو پھر اس دور کے محدثین نے انتخاب واختصار کا طریقہ اختیار کیا اور صحاح ستہ کی تدوین عمل

(۱) اس کتاب میں حافظ ہیثمی نے مسند امام احمد سے ان تمام روایات کو جمع کیا ہے کہ جن کو ارباب صحاح ستہ میں کسی نے روایت نہیں کیا ہے۔ (۲) تدریب الراوی ص ۵۷۔

میں آئی، امام بخاری جن کا نام مصنفینِ صحاح ستہ میں سرفہرست ہے، بیان فرماتے ہیں کہ میں ایک روز امام اسحٰق بن راہویہ کی مجلس میں حاضر تھا، وہاں ہمارے اصحاب میں سے کسی کی زبان سے نکلا کہ "لو جمعتم كتاباً مختصراً لسنن النبي ﷺ".

"کاش تم رسول اللہ ﷺ کی سنن کے بارے میں کوئی مختصر سی کتاب جمع کر دیتے۔"

یہ خطاب تمام حاضرینِ مجلس سے تھا، مگر دل میں اسی کے اترا، جس کی قسمت میں روزِ اول سے یہ سعادت مقرر ہو چکی تھی، امام ممدوح فرماتے ہیں:

فوقع ذلك في قلبي وأخذت في جمع هذا الكتاب. (۱)

"یہ بات میرے دل میں اتر گئی اور میں نے اس کتاب کو جمع کرنا شروع کر دیا۔"

## صحیح بخاری

ادھر مسانید کی کثرت کا یہ عالم تھا، اُدھر گذشتہ دور میں ابواب پر مختلف عنوانات کے تحت بہت سی کتابیں لکھی جا چکی تھیں، امام بخاریؒ نے ان تمام تصنیفات سے خاطر خواہ فائدہ اٹھایا اور اپنے حسنِ ذوق سے احادیث صحیحہ کا ایک نہایت عمدہ اور مختصر مجموعہ مرتب کر کے امت کے سامنے پیش کر دیا، جس کا نام ہے، "الجامع المسند الصحيح المختصر من أمور رسول الله ﷺ وسننه وأيامه" (۲)

---

(۱) شروط الائمۃ الخمسہ از حافظ ابوبکر حازمی ص ۱۵ طبع مصر ۱۳۵۷ھ، وتہذیب التہذیب، ترجمہ امام بخاری۔

(۲) مقدمہ ابن صلاح وغیرہ۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں:

باید دانست کہ بخاری بعد مائتین ظاہر شد، وقبل از وے علماء درفنون چند از علوم دینیہ تصانیف ساختہ بودند، امام مالک وسفیان ثوری درفقہ تصنیف کردہ بودند، وابن جریج درتفسیر، وابوعبید درغریب قرآن ومحمد بن اسحٰق وموسیٰ بن عقبہ درسیر، وعبداللہ بن مبارک درزہد ومواعظ وکسائی دربدء الخلق وقصص انبیاء ویحییٰ بن معین وغیراو درمعرفت احوال صحابہ وتابعین وجمعے دیگر رسائل داشتند درروٗیا وادب وطب وشمائل واصول حدیث واصول فقہ ورد بر مبتدعین مثل جہمیہ، بخاری این ہمہ علوم مدونہ را تامل فرمودو جزئیات وکلیات را انتقادنمود، پس قدرے از علوم کہ باحادیث صحیحہ کہ برشرط بخاری است بطریقِ صراحت یادلالت یافت درکتاب خودآوردتابدست مسلمانان درامہات ایں علوم حجتے قاطعہ بودہ باشد کہ درآں تشکیک رامدخل نہ بود۔(۱)

”جاننا چاہئے کہ امام بخاری دوسوسال کے بعد نمودار ہوئے، ان سے پیشتر علماء علوم دینیہ میں مختلف فنون کے اندر تصنیفیں کر چکے تھے، چنانچہ امام مالک اور سفیان ثوری نے فقہ میں تصنیف کی تھی اور ابن جریج نے تفسیر میں اور ابوعبید نے غریب قرآن میں اور محمد بن اسحٰق اور موسی بن عقبہ نے سیر میں اور عبداللہ بن مبارک نے زہد ومواعظ میں اور کسائی نے بدء الخلق اور قصص انبیاء میں اور یحیی بن معین نے صحابہ وتابعین کے حالات میں

(۱) مکتوبات شاہ ولی اللہ، مندرجہ کلمات طیبات ص ۷۰ طبع مجتبائی دہلی۔

نیز متعدد علماء کے فن رؤیا، ادب، طب، شمائل، اصول حدیث، اصول فقہ اور رد مبتدعین مثلاً رد جہمیہ پر رسائل موجود تھے، امام بخاریؒ نے ان تمام مدونہ علوم پر غور کیا اور جزئیات وکلیات کی تنقید کی پھر ان علوم کا ایک حصہ کہ جس کو انھوں نے بصراحت یا بدلالت ان صحیح حدیثوں میں پایا کہ جو بخاریؒ کی شرط پر تھیں، اسے اپنی کتاب میں درج کیا، تا کہ ان علوم کی بنیادی چیزوں کے متعلق مسلمانوں کے ہاتھ میں ایسی حجتِ قاطع موجود رہے کہ جس میں تشکیک کا دخل نہ ہو۔"

امام بخاریؒ نے ان تمام مختلف فنون کو اپنی کتاب میں بالاختصار جمع کر کے جہاں اسے ایک مختصر جامع بنایا، وہاں ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس میں انھوں نے صرف صحیح حدیثوں کے درج کرنے کا اہتمام کیا۔

حافظ ابن عدیؒ بسند متصل امام بخاریؒ سے ناقل ہیں کہ

**ما أدخلت في كتابي الجامع إلاما صحّ وتركت من الصحيح حتى لا يطول.** (۱)

"میں نے اپنی کتاب "الجامع الصحیح" میں صرف وہی حدیثیں داخل کی ہیں، جو صحیح ہیں اور بہت سی صحیح احادیث کو اس لئے چھوڑ دیا کہ کتاب طویل نہ ہو جائے۔"

یہ کتاب حسب تصریح امام ممدوح چھ لاکھ احادیث کا انتخاب ہے، جو سولہ

(۱) مقدمہ فتح الباری ج۱ ص۵ طبع منیریہ۔

سال کی مدت میں پایۂ تکمیل کو پہنچا(۱) غایتِ احتیاط کا یہ عالم تھا کہ فرماتے ہیں ”میں نے کتاب الصحیح میں کوئی حدیث اس وقت تک درج نہیں کی، جب تک کہ لکھنے سے پہلے غسل کر کے دوگانہ ادا نہ کرلیا اوراس کی صحت کا یقین نہ ہوگیا“ کتاب کی تصنیف کا

(۱) اگرچہ کتاب سولہ سال کی مدت میں تمام ہوگئی مگر نظر ثانی اور اضافہ کا سلسلہ اخیر دم تک برابر جاری رہا، یہی وجہ ہے کہ فربری کے نسخہ میں جنہوں نے اس کو امام بخاری سے بعد میں سنا ہے، حماد بن شاکر کے نسخہ سے دوسو اور ابراہیم بن معقل کے نسخہ سے تین سو حدیثیں زیادہ مروی ہیں (تدریب الراوی، ص ۳۰)

صحیح بخاری کے موجودہ نسخہ میں جو حدیث اور ترجمۃ الباب میں بہت سے مقامات پر بے ربطی اور سوء ترتیب نظر آتی ہے اور جس کی شکایت شاہ ولی اللہ نے اپنے مکتوبات (ص ۱۷۱) میں بایں الفاظ کی ہے کہ ”درعقد تراجم سوء ترتیب وتقریر او درمیان می آید..............................اہل علم رامطمح نظر مطالب علمیہ می باشد نہ تراجم وترتیب، شعر

شیشۂ صاف ازنباشد گوسفال درو باش ‏ ‏ ‏ ‏ رندے آشام را با ایں تکلفہا چہ کار

اس کی اصل وجہ بھی یہی ہے کہ بعض مقامات پر امام ممدوح نے اضافہ کرنا چاہا تھا، مگر اس کا موقع نہ مل سکا، چنانچہ کہیں باب قائم کرلیا تھا، مگر اس کے تحت حدیث درج کرنے کی نوبت نہ آئی، کہیں حدیث لکھ لی تھی لیکن باب قائم نہ کر سکے تھے، بہر حال کتاب کے بہت سے مقامات اسی طرح تشنہ تکمیل ہی تھے کہ امام بخاری نے اس دار فانی سے عالم جاودانی کو رحلت فرمائی، بعد کو ناسخین نے اپنی صوابدید کے مطابق جن ابواب میں چاہا، ان حدیثوں کو نقل کر دیا، چنانچہ حافظ ابوالولید باجی، اپنی کتاب اسماء رجال البخاری کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ

> ”ہم سے حافظ ابوذر ہروی نے بیان کیا کہ ہمیں ابواسحٰق مستملی نے بتایا کہ میں صحیح بخاری کو اس کے اصل نسخہ سے جو فربری کے پاس موجود تھا نقل کیا، تو میں نے دیکھا کہ اس میں بعض چیزیں تو ناتمام ہیں اور بعض چیزوں کی تبییض ہوچکی ہے، چنانچہ بعض تراجم ابواب ایسے تھے کہ ان کے بعد کچھ درج نہ تھا اور بعض حدیثیں ایسی تھیں کہ ان پر ابواب نہ تھے، پھر ہم نے ان میں سے بعض کو بعض کے ساتھ ملا دیا۔“

باجی کہتے ہیں کہ اس بیان کی صحت کا پتہ اس بات سے بھی چلتا ہے کہ ابواسحٰق مستملی، ابومحمد سرخسی، ابوالہیثم کشمیہنی اور ابوزید مروزی نے جو صحیح بخاری کی روایتیں کی ہیں، ان سب کی روایتوں میں باہم تقدیم وتاخیر کا اختلاف ہے، حالانکہ اصل نسخہ جس سے سب نے نقل کیا ایک ہی ہے، یہ اختلاف اس لئے ہوا (بقیہ اگلے صفحہ پر)

آغاز بیت الحرامؒ میں ہوا، ابواب وتراجم مسجد نبویؐ میں منبر شریف اور روضۂ اقدس کے درمیان لکھے، (۱) اس محنت اور جانفشانی کے بعد کل حدیثیں جو درج کتاب ہیں، ان سب کی مجموعی تعداد بشمول مکررات ومعلقات ومتابعات نو ہزار بیاسی ہے (۲)، یہ تعداد اگرچہ امام بخاری کو جس قدر صحیح حدیثیں زبانی یاد تھیں (۳)، ان کے دسویں حصہ کے بھی برابر نہیں، لیکن امام موصوف کے حسنِ انتخاب کا بہترین نمونہ ہے، حافظ ابوجعفرؒ عقیلی نے تصریح کی ہے کہ امام بخاریؒ نے جب کتاب الصحیح تصنیف فرمائی، تو اسے علی ابن المدینیؒ، احمد بن حنبلؒ اور یحیی بن معینؒ (۴) وغیرہ کی خدمت میں پیش کیا، ان سب حضرات نے اس کتاب کی تحسین کی اور اس کے صحیح ہونے کی شہادت دی، البتہ چار احادیث کی بابت اختلاف کیا، لیکن عقیلیؒ کا بیان ہے کہ ان چار کے بارے میں بھی

---

(پچھلے صفحہ کا بقیہ) کہ ہر ایک نے جو کچھ کتاب کے حاشیہ پر یا اس کے ساتھ کسی پرچہ پر لکھا ہوا پایا، اس کو اپنے اندازے سے کہ یہ عبارت فلانی جگہ کی ہونی چاہئے، اسی جگہ نقل کر دیا، چنانچہ یہ چیز اس سے ظاہر ہوتی ہے کہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ دو دو اور دو سے زائد ترجمۃ الباب یکجا لکھے ہوئے ہیں، مگر ان میں حدیثیں نہیں ہیں.

باجی کا بیان ہے کہ یہ چیز میں نے یہاں اس لئے ذکر کی کہ ہمارے اہل وطن ایسے معنی کے دھن میں لگے رہتے ہیں کہ جس سے ترجمۃ الباب اور حدیث میں باہمی ربط قائم ہو سکے اور وہ اس سلسلہ میں بیجا تاویلات کی بلاوجہ تکلیف اٹھاتے ہیں۔" (مقدمہ فتح الباری، ج ۱ ص ۶ طبع میریہ مصر)

(۱) یہ سب تفصیل مقدمہ فتح الباری (ج ۲ ص ۴۹۰) میں مذکور ہے۔

(۲) اور بحذف مکررات کل تعداد دو ہزار سات سو اکسٹھ ہے (مقدمہ فتح الباری)

(۳) چنانچہ حافظ ابوبکر حازمی نے بسند متصل امام بخاریؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ **أحفظ مائة ألف حديث صحيح** (شروط الائمۃ الخمسہ ص ۴۸ طبع مصر) مجھے ایک لاکھ حدیثیں زبانی یاد ہیں، یہ بھی خیال رہے کہ یہ تعداد تمام صحیح حدیثوں کی نہیں بلکہ صرف امام بخاری کی محفوظات کا شمار ہے۔

(۴) یہ وہ حضرات ہیں جن کے بارے میں خود امام بخاری نے جزء رفع الیدین (ص ۵ طبع لاہور ۱۳۵۹ھ) میں تصریح کی ہے کہ **هؤلاء أهل العلم من أهل زمانهم** یہ لوگ اپنے زمانے کے علماء تھے۔

امام بخاریؒ ہی کا فیصلہ درست ہے اور وہ چاروں بھی صحیح ہیں (۱)

امام بخاریؒ سے اس کتاب کو اگرچہ ہزاروں آدمیوں نے سنا تھا، لیکن امام موصوف کے جن تلامذہ سے صحیح بخاریؒ کی روایت کا سلسلہ چلا، وہ یہ چار بزرگ ہیں:
(۱) ابراہیم بن معقلؒ بن الحجاج النسفی المتوفی ۲۹۴ھ، (۲) حماد بن شاکرؒ النسفی المتوفی ۳۱۱ھ (۲)، (۳) محمد بن یوسفؒ الفربری المتوفی ۳۲۰ھ، (۴) ابوطلحہ منصورؒ بن محمد بن علی بن قرینہ البز دوی المتوفی ۳۲۹ھ، ان میں اول الذکر دونوں بزرگ مشہور حنفی عالم ہیں اور ابراہیم بن معقلؒ ان سب میں اس حیثیت سے ممتاز ہیں کہ وہ حافظ الحدیث بھی تھے (۳)، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے فتح الباریؒ کے شروع میں اپنا سلسلۂ سند ان چاروں حضرات تک بیان کر دیا ہے، فربریؒ نے امام بخاریؒ سے کتاب الصحیح کا دوبار

(۱) مقدمہ فتح الباری۔ (۲) حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں النسفی کی بجائے حماد بن شاکر النسوی لکھا ہے، لیکن علامہ کوثری نے تصریح کی ہے کہ صحیح النسفی ہی ہے اسی طرح ان کی وفات کی بابت بھی حافظ صاحب یہ لکھتے ہیں کہ اظنه مات في حدود التسعين یعنی ''میرے خیال میں ان کی وفات ۲۹۰ھ کے لگ بھگ ہوئی ہے''، لیکن محدث کوثری نے حافظ ابن نقطہ کی التقييد کے حوالہ سے جزماً لکھا ہے کہ ان کا سنہ وفات (۳۱۱ھ) ہے، سید مرتضیٰ زبیدی نے تاج العروس شرح قاموس میں ان کا تعارف ان الفاظ میں کرایا ہے (وحماد بن شاكر بن سويه) أبو محمد الوراق الفسوي الحنفي (الراوي صحيح البخاري عنه) أي عن البخاري نفسه (فصل السين من باب الواو والياء) اس عبارت میں بھی الفسوی غلط طبع ہو گیا ہے۔

(۳) یہ بہت بڑے علامہ اور نہایت نامور مصنف گزرے ہیں، حافظ ہونے کے ساتھ فقیہ بھی تھے اور اختلاف مذاہب میں گہری بصیرت رکھتے تھے، محاسن علیہ کے ساتھ زہد و تقوی اور ورع و عفاف سے بھی متصف تھے، آپ کی تصنیفات میں المسند الكبير اور التفسير کا ذکر خاص طور پر کیا جاتا ہے، حافظ عبدالقادر قرشی نے الجواهر المضية في طبقات الحنفية میں ان کا تذکرہ لکھا ہے اور حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا ترجمہ ان لفظوں میں شروع کیا ہے: ابراهيم بن معقل بن الحجاج الحافظ العلامة أبو إسحاق النسفي قاضي نسف وعالمها ومصنف المسند الكبير والتفسير وغير ذلك (بقیہ اگلے صفحہ پر)

سماع کیا ہے، ایک بار ۲۴۸ھ میں اپنے وطن فربر میں جب امام ممدوح وہاں تشریف لائے ہوئے تھے اور دوسری بار ۲۵۲ھ میں خود بخارا میں جا کر۔

## صحیح مسلم

امام مسلم نے اپنی جامع صحیح کا انتخاب تین لاکھ ایسی روایات سے کیا ہے کہ جن کو انھوں نے خود براہ راست اپنے شیوخ سے سنا تھا، (۱) پھر جمع صحیح میں نہ صرف یہ کہ اپنی ذاتی تحقیق پر اکتفا نہ کی، یعنی یہ نہیں کیا کہ جن حدیثوں کو خود انھوں نے صحیح سمجھا تھا، نقل کر دیا بلکہ مزید احتیاط کے پیش نظر صرف وہی حدیثیں درج کیں کہ جن کی صحت پر اور مشائخِ وقت کا بھی اتفاق تھا، چنانچہ خود ان کا بیان ہے کہ

**ليس كل شيء عندي صحيح وضعته ههنا إنما وضعت ههنا ما أجمعوا عليه** (صحيح مسلم، باب التشهد في الصلوة)

''ہر وہ حدیث جو میرے نزدیک صحیح تھی، اس کو میں نے یہاں درج نہیں کیا، میں نے تو یہاں صرف ان حدیثوں کو درج کیا

---

(پچھلے صفحہ کا بقیہ) اور حافظ مستغفری کی ان کے بارے میں یہ الفاظ ہیں: **كان فقيهاً حافظاً بصيراً باختلاف العلماء عفيفاً صيناً**، حافظ خلیلی فرماتے ہیں **هو حافظ ثقة** اور حافظ ابن حجر، فتح الباری کے شروع میں لکھتے ہیں **و كان من الحفاظ و له تصانيف**.

(۱) محدث حاکم نیشاپوری نے اس کو بالاسناد خود امام مسلم سے نقل کیا ہے، درمیانی رواۃ صرف یہ دو ہیں: حافظ ابوعلی حسین بن محمد ماسرجسی اور ان کے والد (تذکرۃ الحفاظ ذہبی، ترجمہ ابوعلی ماسرجسی) یہ بھی واضح رہے کہ یہ امام مسلم کی کل معلومات حدیثیہ کا شمار نہیں، بلکہ صرف مسموعہ روایات کا بیان ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ علم حدیث کی سیکڑوں کتابیں جو ان کی نظر سے گزری ہوں گی اور جن کی روایات پر بطور وجادہ ان کو اطلاع ہوئی ہوگی، ان کی تعداد ان سے کئی گنی نہیں تو دوگنی کے قریب قریب ضرور ہوگی، یہ بھی یاد رہے کہ یہ تعداد طرق واسانید کی ہے، متون کی نہیں۔

ہے کہ جن کی صحت پر شیوخ وقت کا اجماع ہے۔"

شیخ ابن صلاحؒ وغیرہ نے اجماع سے اجماعِ عام سمجھا، اس لئے ان کو امام مسلم کے اس دعوے کی صحت کے متعلق سخت اشکال ہوا، (۱) لیکن امام مسلم کی مراد اجماع سے اجماع عام نہیں بلکہ اس دور کے بعض خاص مشہور شیوخِ وقت کا اجماع ہے (۲) چنانچہ علامہ بلقینیؒ نے اس سلسلہ میں امام احمد بن حنبلؒ، یحییٰ بن معینؒ، عثمان بن ابی شیبہؒ اور سعید بن منصورؒ خراسانی ان چار ائمہ حدیث کے نام گنا کر لکھا ہے کہ امام مسلم کی مراد اجماع سے ان حضرات کا اجماع ہے۔ (۳)

امام مسلم نے اس پر بھی بس نہیں کیا، بلکہ جب کتاب مکمل ہوگئی، تو حافظِ عصر ابوزرعہؒ کی خدمت میں لیجا کر پیش کی، جو اس دور میں علل حدیث اور فن جرح وتعدیل کے بہت بڑے امام مانے جاتے تھے اور جس روایت کے بارے میں انھوں نے کسی علت کی طرف اشارہ کیا، اسے کتاب سے خارج کر دیا، اس طرح پندرہ سال کی محنت

---

(۱) ملاحظہ ہو مقدمہ شرح صحیح مسلم از علامہ نووی۔

(۲) اسی قسم کا اجماع وہ ہے جس کا ذکر امام اسحاق بن راہویہ کرتے ہیں کہ میں جب عراق میں تھا تو احمد بن حنبل، یحیی بن معین اور دیگر اصحاب کے ساتھ نشست و برخاست رہتی، حدیثوں کا مذاکرہ چھڑتا اور ایک ایک روایت کی دو دو، تین تین سندیں پیش کرتے جاتے، پھر سب کے بیچ میں سے یحیی بن معین فرماتے کہ اور یہ سند بھی تو ہے، جب اسانید وطرق کا مرحلہ طے ہو چکتا، تو میں کہتا کہ الیس قد صحّ ھذا باجماع منا (کیا یہ حدیث ہم سب کے اجماع سے صحیح نہیں ہوئی) اور سب بالاتفاق کہتے کہ جی ہاں، اب میں پوچھتا کہ ما تفسیرہ، ما فقھہ (اس کا مطلب کیا ہے اور اس میں فقہ کیا ہے) اس پر سب لوگ بجز احمد بن حنبل کے رک جاتے تھے، اس واقعہ کو ابن ابی حاتم نے حافظ احمد بن سلمہ سے اور انھوں نے خود اسحٰق بن راہویہ سے سنا ہے۔ (ملاحظہ ہو، ترجمہ: الامام احمد من تاریخ الاسلام للذہبی، ص ۱۵، طبع دار المعارف، مصر ۱۳۶۵ھ)۔

(۳) تدریب الراوی ص ۲۸۔

شاقہ میں یہ بارہ ہزار(۱) احادیث صحیحہ کا ایسا منتخب مجموعہ تیار ہوا جس کے بارے میں خود مصنف نے جوش ادعا میں کہا تھا۔

**لو أن أهل الحديث يكتبون مائتي سنة الحديث فمدارهم على هذا المسند يعني صحيحه(۲)**

''محدثین اگر دوسو سال تک بھی حدیثیں لکھتے رہیں، جب بھی ان کا دارمدار اسی **المسند الصحیح** پر رہے گا''

مردانِ خدا کی بات بے اثر نہیں ہوتی، آج دوسو برس کیا! گیارہ سو برس سے زیادہ گذر گئے مگر کتاب کا حسن قبول اسی طرح پر ہے، سچ ہے ع

چراغ مقبلاں ہر گز نمیرد

حافظ مسلمہ بن قاسم قرطبی نے اپنی تاریخ میں صحیح مسلم کے متعلق لکھا ہے کہ

**لم يضع أحد في الإسلام مثله(۳)**

''اسلام میں کسی نے ایسی کتاب تصنیف نہیں کی۔''

اور محدث قاضی عیاض نے الالماع میں ابومروان طبنی سے نقل کیا ہے کہ ''میرے بعض شیوخ صحیح مسلم کو صحیح بخاری پر فضیلت دیتے تھے''(۴) شیخ ابومحمد تجیبی نے اپنی فہرست میں امام ابن حزم ظاہری کے متعلق بھی یہی لکھا ہے کہ وہ مسلم کی کتاب کو بخاری کی کتاب پر ترجیح دیا کرتے تھے،(۵) اور حافظ ابن مندہ فرماتے ہیں کہ

---

(۱) تذکرۃ الحفاظ، ترجمہ امام مسلم، یہ تعداد بشمول مکررات ہے، اگر مکررات کو شمار نہ کیا جائے تو کل حدیثوں کی تعداد چار ہزار کے قریب ہوتی ہے (تدریب الراوی، ص ۳۰)

(۲) مقدمہ شرح صحیح مسلم از نووی۔ (۳) و (۴) و (۵) مقدمہ فتح الباری، فصل ثانی۔

**سمعت أبا علي النيسابوري يقول ومارأيت أحفظ منه ماتحت أديم السمآء أصح من كتاب مسلم. (۱)**

''میں نے ابوعلی نیشاپوری کو جن سے بڑھ کر حافظِ حدیث میری نظر سے نہیں گزرا، یہ کہتے سنا ہے کہ آسمان کے تلے مسلم کی کتاب سے صحیح تر کوئی کتاب نہیں۔''

حافظ ابن مندہ نے جس انداز میں ابوعلی نیشاپوری کی یہ تصریح نقل کی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود ان کی بھی یہی رائے ہے، یہ ابوعلی فن حدیث میں حاکم

---

(۱) حافظ ذہبی نے اس کو ابن مندہ سے باسناد متصل نقل کیا ہے (ملاحظہ ہو تذکرۃ الحفاظ، ترجمہ حافظ ابوعلی حسین بن علی نیشاپوری) واضح رہے کہ صحیح مسلم کی اصحیت کے بارے میں جیسی تصریح حافظ ابوعلی نیشاپوری سے منقول ہے، ایسی صحیح بخاری کے متعلق قدماء محدثین میں کسی سے مروی نہیں، البتہ محدث نووی نے شرح صحیح مسلم کے مقدمہ میں امام نسائی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ **مافي هذه الكتب كلها أجود من كتاب البخاري**

''ان ساری کتابوں میں بخاری کی کتاب سے زیادہ خوب کوئی کتاب نہیں۔''

لیکن امام نسائی نے اجود (بہت خوب) کا لفظ استعمال کیا ہے، اصح کا نہیں، ہمارے خیال میں یہ صحیح بخاری کی جامعیت اور حسن اختصار کی خوبی کا بیان ہے، مگر حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ۔

**والنسائي لا يعني بالجودة إلا جودة الأسانيد** ''نسائی کی مراد جودت سے صرف جودت اسانید ہے۔''

بے شبہ جودت سے جودت اسانید اور جودت مضامین دونوں مراد لئے جاسکتے ہیں، اس لئے ناظرین کو اختیار کہ وہ ہماری رائے سے اتفاق کریں یا حافظ صاحب کی بات مانیں مگر اتنا خیال رہے کہ امام نسائی نے صحیح بخاری کے رواۃ میں سے ایک جماعت کو کتاب الضعفاء والمتروکین میں داخل کیا ہے اور حدیث ابن عمر **كيف بك إذا عمرت بين قوم يحبون رزق سنتهم** (الحدیث) کو جو حماد بن شاکر کے نسخہ میں مروی ہے، موضوع بھی کہا ہے (ملاحظہ ہو ''**التعقبات على الموضوعات**'' از سیوطی ص ۴۳ طبع علوی لکھنؤ ۱۳۰۳ھ)۔

نیشاپوری صاحب **المستدرک علی الصحیحین** کے استاذ ہیں، حاکم نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ" **وھو وأحد عصرہ فی الحفظ والإتقان والورع والمذاکرۃ والتصنیف**" (۱) (یہ حفظ حدیث، مہارت فن، اتقان اور مذاکرہ وتصنیف میں یگانۂ روزگار تھے۔)

صحیح مسلم کی شہرت اگرچہ مصنف سے تواتر کی حد تک پہنچی ہوئی ہے لیکن اس کی روایت کا سلسلہ جس بزرگ کے دم سے قائم رہا، وہ مشہور فقیہ حنفی شیخ ابواسحٰق ابراہیم بن محمد بن سفیان نیشاپوری (۲) المتوفی ۳۰۸ھ ہیں، چنانچہ علامہ نووی مقدمہ شرح مسلم میں لکھتے ہیں:

**وأمّامن حیث الروایة المتصلة بالإسناد المتصل فقد انحصرت طریقته في هذه البلدان والأزمان في روایة أبی إسحق إبراهیم بن محمد بن سفین عن مسلم.**

"اور اسناد متصل کے ساتھ امام مسلم سے اس کی مسلسل روایت

---

(۱) تذکرۃ الحفاظ ذہبی، ترجمہ ابوعلی نیشاپوری۔

(۲) یہ مشہور زاہد، فقیہ ایوب بن الحسن نیشاپوری حنفی کے خواص اصحاب میں سے ہیں، جنہوں نے فقہ کی تحصیل امام محمد سے کی تھی، بڑے عابد زاہد اور مستجاب الدعوات تھے فن حدیث کی تحصیل حجاز، نیشاپور، رے اور عراق میں کی تھی۔ محدث حاکم نیشاپوری لکھتے ہیں: **کان إبراهیم بن سفیان من العباد المجتهدین، ومن الملازمین لمسلم بن الحجاج وکان من أصحاب أیوب بن الحسن الزاهد صاحب الرأي یعني الفقیه الحنفي، سمع إبراهیم بن سفیان بالحجاز ونیسابور والري والعراق**، محدث نووی نے مقدمہ شرح مسلم میں ان کا ذکر ان الفاظ سے شروع کیا ہے: **السید الجلیل أبو إسحق إبراهیم بن محمد بن سفیان الفقیه الزاهد المجتهد العابد**، حاکم نے اپنے شیخ محمد بن یزید العدل سے نقل کیا ہے کہ یہ مستجاب الدعوات تھے، ابوعمرو بن نجید کہتے ہیں: **کان من الصالحین**، حافظ قرشی نے بھی الجواہر المضیہ میں ان کا ترجمہ لکھا ہے۔

کا سلسلہ ان بلاد میں اور ان زمانوں میں صرف ابو اسحٰق ابراہیم بن محمد بن سفیان کی روایت میں منحصر ہے۔"

ابراہیم بن سفیانؒ کو امام مسلمؒ سے خاص ربط تھا، اکثر حاضر خدمت رہتے، ان کا بیان ہے کہ امام مسلمؒ نے اس کتاب کی قرأت سے جو انھوں نے ہمارے لئے شروع کی تھی، رمضان ۲۵۷ھ میں فراغت پائی، یوں بلادِ مغربؒ میں امام ممدوح کے ایک اور شاگرد ابو محمد احمدؒ بن علی قلانسی سے بھی صحیح مسلم کی روایت کی جاتی تھی لیکن اس کا سلسلہ مغرب کی حدود سے آگے نہ بڑھ سکا اور جو قبول عام ابراہیم نیشاپوریؒ کی روایت کو نصیب ہوا وہ قلانسی کی روایت کو نہ ہوسکا، علاوہ ازیں صحیح مسلم کا آخری حصہ جو تین جزء کے قریب قریب ہے، ابو محمدؒ قلانسی نے امام مسلمؒ سے براہ راست نہیں سنا، بلکہ وہ اس کو ابراہیمؒ کے شاگرد ابو احمد جلودیؒ سے روایت کرتے ہیں۔(۱)

## سنن نسائی

امام نسائیؒ نے بھی اپنی سنن میں امام بخاریؒ و امام مسلمؒ کی طرح صرف صحیح الاسناد روایات ہی کو لیا ہے، ان کی تصنیف بخاریؒ و مسلمؒ دونوں کے طریقوں کی جامع سمجھی جاتی ہے اور علل حدیث کا بیان اس پر مستزاد ہے، اس کے ساتھ حسنِ ترتیب اور جودتِ تالیف میں بھی ممتاز ہے، چنانچہ حافظ ابو عبداللہ بن رشید المتوفی ۷۲۱ھ فرماتے ہیں کہ

إنه أبدع الكتب المصنفة في السنن تصنيفاً وأحسنها

(۱) مقدمہ شرح مسلم از نووی۔

ترصيفاً وهو جامع بين طريقتي البخاري ومسلم مع حظ كثير من بيان العلل. (۱)

''یہ کتاب علم سنن میں جس قدر کتابیں تالیف ہوئیں ہیں، ان سب میں تصنیف کے لحاظ سے انوکھی اور ترتیب کے اعتبار سے بہترین ہے اور یہ بخاری ومسلم دونوں کے طریقوں کی جامع ہے، نیز علل حدیث کے بھی ایک خاصے حصہ کا اس میں بیان آگیا ہے۔''

صحت کے بارے میں خود امام نسائی کا بیان ہے کہ

كتاب سنن صحيح كله (۲) ''کتاب سنن تمام تر صحیح ہے''

اس کے رجال کی جب محدثین نے جانچ پرتال کی تو معلوم ہوا کہ تنقید رجال اور صحت اسناد کے بارے میں امام نسائی کے شرائط امام بخاری وامام مسلم سے بھی زیادہ سخت ہیں، چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

فكم من رجل أخرج له أبو داؤد والترمذي تجنب النسائي إخراج حديثه بل تجنب النسائي إخراج حديث جماعة من رجال الصحيحين (۳)

''بہت سے ایسے اشخاص ہیں کہ جن سے ابو داؤد اور ترمذی نے روایتیں لی ہیں، مگر امام نسائی نے ان کی روایتوں سے احتراز

(۱) مقدمہ زہر الربی علی المجتبی، از سیوطی، وفتح المغیث از سخاوی۔

(۲) و (۳) مقدمہ زہر الربی۔

فرمایا ہے بلکہ امام نسائی نے تو صحیحین تک کے راویوں کی ایک جماعت سے حدیث کی تخریج میں اجتناب کیا ہے۔"

اور حافظ ابوالفضل بن طاہر مقدسی، شروط الائمۃ الستہ میں لکھتے ہیں کہ میں نے امام ابوالقاسم سعد بن علی زنجانی سے مکہ معظمہ میں ایک راوی کا حال دریافت کیا، انھوں نے اس کی توثیق کی، میں نے عرض کیا کہ امام عبدالرحمٰن نسائی نے اس کی تضعیف کی ہے، اس پر امام موصوف نے فرمایا کہ

**يا بُنيَّ إن لأبي عبدالرحمن في الرجال شرطاً أشد من شرط البخاري ومسلم (۱)**

"بیٹا رجال کے بارے میں ابوعبدالرحمٰن (امام نسائی) کی شرط بخاری ومسلم کی شرط سے بھی زیادہ سخت ہے۔"

اسی بنا پر حافظ محدث امام ابوالحسن معافری المتوفی ۴۰۳ھ جو محدث دارقطنی اور حاکم کے معاصر ہیں، فرماتے ہیں کہ

**إذا نظرت إلى مايخرجه أهل الحديث فما خرجه النسائي أقرب إلى الصحة مما خرجه غيره. (۲)**

"جب تم محدثین کی روایت کردہ حدیثوں پر نظر ڈالو گے، تو جس حدیث کی امام نسائی نے تخریج کی ہوگی، وہ دوسروں کی روایت کردہ حدیث کی بہ نسبت صحت کے زیادہ قریب ہوگی۔"

---

(۱) شروط الائمۃ الستہ ص ۱۸ طبع مصر۔

(۲) مقدمہ زہر الربی، از علامہ سیوطی۔

اور اسی لئے مغرب کے بعض محدثین صحیح بخاری پر اس کی ترجیح کے قائل ہیں، چنانچہ حافظ شمس الدین سخاوی، فتح المغیث میں لکھتے ہیں:

صرّح بعض المغاربة بتفضيل كتاب النسائي على صحيح البخاري (۱)

''بعض مغاربہ نے تصریح کی ہے کہ امام نسائی کی کتاب کو صحیح بخاری پر فضیلت حاصل ہے''

بلکہ محدث ابن الاحمر نے تو اپنے بعض مکی شیوخ سے یہاں تک نقل کر دیا ہے کہ

إنه أشرف المصنفات كلها وما وضع في الإسلام مثله. (۲)

''یہ (اس فن کی) تمام تصنیفات سے بڑھ چڑھ کر ہے اور اسلام میں اس کے مثل کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔''

ناقدین فن کے نزدیک جلالتِ علمی کے اعتبار سے امام نسائی کا پایہ امام مسلم سے بھی بڑھا ہوا ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی، مقدمہ فتح الباری میں رقمطراز ہیں:

قدمه قوم من الحذاق في معرفة ذلك على مسلم بن الحجاج، وقدمه الدار قطني وغيره في ذلك، وغيره على إمام الأئمة أبي بكر خزيمة صاحب الصحيح (۳)

''فن رجال میں ماہرین فن کی ایک جماعت نے ان کو امام

(۱) ص ۱۲ طبع انوار محمدی لکھنؤ۔ (۲) فتح المغیث ص ۳۳۔
(۳) ہدی الساری مقدمہ فتح الباری، ج ۱ ص ۸ طبع میریہ مصر۔

مسلم بن الحجاج پر بھی فوقیت دی ہے اور دار قطنی وغیرہ نے ان کو
اس فن میں اور دیگر علوم حدیث میں امام الائمہ ابو بکر بن خزیمہ
صاحب الصحیح پر بھی مقدم رکھا ہے۔''

اور حافظ شمس الدین ذہبی، سیر أعلام النبلاء میں امام نسائی کے ترجمہ میں فرماتے ہیں کہ

**هو أحذق بالحديث وعلله ورجاله من مسلم والترمذي وأبي داؤد، وهو جارفي مضمار البخاري وأبي زرعة (۱)**

''یہ مسلم، ترمذی، اور ابو داؤد سے حدیث، عللِ حدیث اور علم الرجال میں زیادہ ماہر ہیں اور بخاری وابوزرعہ کے ہمسر ہیں۔''

اور علامہ تاج الدین سبکی، طبقات الشافعية الكبرى میں لکھتے ہیں:

''میں نے اپنے شیخ حافظ ابوعبداللہ ذہبی سے سوال کیا کہ آیا امام مسلم بن الحجاج حدیث کے زیادہ حافظ ہیں یا امام نسائی؟ فرمایا، امام نسائی، پھر شیخ امام والد (حافظ تقی الدین سبکی) سے، (اللہ تعالیٰ ان پر رحمتیں نازل فرمائے) اس کا ذکر کیا، تو انھوں نے اس موافقت کی۔'' (۲)

امام نسائی سے ان کی کتاب السنن کو جن حضرات نے روایت کیا ہے، ان

---

(۱) توضیح الافکار از محدث امیر یمانی، ج ۱ ص ۲۲۰ طبع مصر۔

(۲) کتاب مذکور میں امام نسائی کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔

کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں:

(۱) امام ممدوح کے صاحبزادے عبدالکریمؒ (۲) حافظ ابوبکر احمد بن محمد بن اسحٰق الدینوریؒ المعروف بابن السنی المتوفی ۳۶۴ھ (۳) ابوعلی الحسنؒ بن خضر الاسیوطی (۴) الحسن بن رشیقؒ العسکری (۵) حافظ ابو القاسمؒ حمزہ بن محمد بن علی الکنانی المتوفی ۳۵۷ھ (۶) ابوالحسن محمدؒ بن عبداللہ بن زکریا بن حبویہ (۷) محمد بن معاویہؒ بن الاحمر (۸) حافظ ابوعبداللہ محمد بن قاسمؒ بن محمد بن قاسم البنانی الاموی القرطبی المتوفی ۳۲۸ھ (۹) امام ابوالحسن علیؒ بن احمد طحاوی المتوفی ۳۵۱ھ (۱۰) احمد بن محمد بن المہندس۔

ان رواۃ مذکورین میں امام ابوالحسنؒ علی طحاوی المتوفی ۳۵۱ھ اکابر فقہاء حنفیہ میں سے ہیں اور بڑے پایہ کے محدث گزرے ہیں، یہ مشہور امام وقت ابوجعفرؒ طحاوی کے صاحبزادے ہیں، جن کی "شرح معاني الآثار" علمِ حدیث میں ایک بے مثل کتاب ہے اور نہایت مشہور و متداول ہے۔(۱)

یہ بھی واضح رہے کہ بالفعل جو کتاب "سنن نسائي" کے نام سے ہمارے

---

(۱) امام ابوالحسن طحاوی کو فقہ، حدیث، لغت، نحو وغیرہ مختلف علوم میں امامت کا درجہ حاصل تھا، نہایت متقی اور زاہد تھے، علامہ ابوالمحاسن ابن تغری بردی نے النجوم الزاهره میں ان کا ذکر ان لفظوں میں کیا ہے:

كان إمام عصره بلا مدافعة في الحديث والفقه واختلاف العلماء والأحكام واللغة والنحو وصنف المصنفات الحسان، وكان من كبار فقهاء الحنفية.

"یہ حدیث، فقہ، اختلاف علماء، علم احکام، لغت اور نحو میں بلا مقابلہ اپنے وقت کے امام تھے، انھوں نے نہایت عمدہ کتابیں تصنیف فرمائی ہیں اور یہ کبار فقہاء حنفیہ میں سے ہیں"

حافظ عبدالقادر قرشی نے الجواہر المضیہ فی طبقات الحنفیہ میں اور فاضل لکھنوی مولانا محمد عبدالحی فرنگی محلی نے التعليقات السنية على الفوائد البهية میں ان کا ترجمہ لکھا ہے۔

یہاں داخل درس ہے وہ دراصل امام موصوف کی تصنیف نہیں، بلکہ ان کی کتاب کا اختصار ہے، جوان کے نامور شاگرد حافظ ابوبکرؒ بن السنی کے قلم کا مرہون منت ہے، اس مختصر کا نام المجتبیٰ ہے اور اس کو سنن صغریٰ بھی کہا جاتا ہے۔(۱)

امام نسائیؒ نے اپنی سنن میں امام ابوحنیفہؒ سے حسب ذیل روایت کی ہے.

"حدثنا علي ابن حجر ثنا عيسى هو ابن يونس عن النعمان يعني أباحنيفة عن عاصم عن أبي رزين عن ابن عباس قال ليس على من أتى بهيمة حد" یہ روایت ابن السنیؒ کے اختصار میں نہیں ہے لیکن ابن الاحمرؒ، ابوعلی سیوطیؒ اور مغاربہؒ کے نسخوں میں موجود ہے۔(۲)

## سنن ابی داؤد

امام ابوداؤد سجستانیؒ نے اپنی کتاب السننؒ کا انتخاب پانچ لاکھ احادیث کو سامنے رکھ کر کیا ہے، چنانچہ خودان کا بیان ہے کہ:

(۱) بعض لوگوں کا خیال ہے کہ سنن صغریٰ خود امام نسائی کی تالیف ہے، اس خیال کی تائید میں اس واقعہ کو پیش کیا جاتا ہے کہ امام نسائی نے جب سنن کبریٰ تصنیف فرمائی تو اس کو امیر رملہ کی خدمت میں لیجا کر پیش کیا امیر موصوف نے امام ممدوح سے دریافت کیا کہ اس میں جو کچھ ہے سب صحیح ہے، امام نے جواب دیا نہیں، اس پر امیر نے فرمائش کی کہ میرے لئے صرف صحیح روایات کو جمع کر دیجئے، تب امام نسائی نے اس کے لئے سنن صغریٰ تصنیف فرمائی، اس واقعہ کا ذکر علامہ ابن الاثیر نے جامع الاصول میں کیا ہے لیکن یہ واقعہ سرے سے غلط ہے، چنانچہ حافظ ذہبی نے سیر أعلام النبلاء میں امام نسائی کے ترجمہ میں تصریح کی ہے کہ ان هذه الرواية لم تصح بل المجتبى اختصار ابن السني تلميذ النسائي (توضیح الافکار، ج۱ص۲۲۱)

"بے شبہ یہ روایت صحیح نہیں بلکہ مجتبیٰ، ابن السنی کا اختصار ہے جو نسائی کے شاگرد ہیں۔"

(۲) ملاحظہ ہو، تہذیب التہذیب، از حافظ ابن حجر عسقلانی، ترجمہ امام ابوحنیفہؒ۔

**کتبت عن رسول اللہ ﷺ خمس مائة ألف حديث انتخبت منها ماضمنته هذا الكتاب (۱)**

''میں نے رسول اللہ ﷺ کی پانچ لاکھ حدیثیں لکھی ہیں، جن سے ان روایات کا انتخاب کیا ہے، جو اس کتاب میں درج کی ہیں۔''

یہ واضح رہے کہ دیگر مصنفین صحاح کی نسبت امام ابوداؤدؒ پر فقہی ذوق زیادہ غالب تھا، چنانچہ تمام ارباب صحاح ستہ میں صرف یہی ایک بزرگ ہیں کہ جن کو علامہ شیخ ابواسحٰق شیرازیؒ نے طبقات الفقہاءؒ میں جگہ دی ہے، اور امام ممدوح کے اسی فقہی ذوق کا یہ نتیجہ ہے کہ انھوں نے اپنی کتاب کو صرف احادیثِ احکام کے لئے مختص فرمایا، یہی وجہ ہے کہ اس کتاب میں آپ کو دیگر کتب صحاح کی طرح زہد اور فضائل اعمال وغیرہ کی حدیثیں نہیں ملیں گی اور گو اس بنا پر احادیث کے بہت سے ابواب سے یہ کتاب خالی ہے، لیکن فقہی احادیث کا جتنا بڑا ذخیرہ اس کتاب میں موجود ہے، صحاح ستہ میں سے کسی کتاب میں آپ کو نہیں ملے گا، چنانچہ امام حافظ ابوجعفر بن زبیرؒ غرناطی المتوفی ۷۰۸ھ صحاح ستہ کی خصوصیات پر تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

**ولأبي داؤد في حصر أحاديث الأحكام واستيعابها ما ليس لغيره (۲)**

---

(۱) مقدمہ تلخیص سنن ابی داؤد، از حافظ منذری، یہ کتاب مطبع انصاری دہلی میں غایۃ المقصود فی حل سنن أبی داؤد کے حاشیہ پر طبع ہوئی ہے اور چونکہ غایۃ المقصود کی صرف ایک جلد طبع ہو کر رہ گئی، اس لئے اس نادر کتاب کا صرف ابتدائی حصہ طبع ہوا ہے جو چند ابواب سے زائد نہیں ہے۔

(۲) تدریب الراوی ص ۵۶، مقدمہ زهر الربى على المجتبى، اور مقدمہ قوت المغتذي شرح جامع الترمذي ۱۲

''اور احادیث فقہیہ کے حصر و استیعاب کے سلسلہ میں ابوداؤد کو
جو بات حاصل ہے وہ دوسرے مصنفین صحاح ستہ کو نہیں۔''

خوش قسمتی سے چند سال ہونے آئے کہ محدث کوثری کے تحشیہ اور تعلیق کے ساتھ امام ابوداؤد کا وہ نادر رسالہ چھپ گیا کہ جس میں انھوں نے اپنی کتاب سنن کا تفصیلی تعارف کرایا ہے، یہ اہل مکہ وغیرہ کے ایک خط کا جواب ہے، جس میں انھوں نے کتاب السنن کی احادیث کے بارے میں امام موصوف سے استصواب رائے کیا تھا، ظاہر ہے کہ اس سلسلہ میں امام موصوف کے بیان کی جو اہمیت ہے وہ کسی اور چیز کی نہیں ہوسکتی کہ ع تصنیف را مصنف نیکو کند بیاں

چنانچہ اس رسالہ کا اقتباس ہدیہ ناظرین ہے، امام ممدوح فرماتے ہیں:

''آپ لوگوں نے مجھ سے یہ دریافت کیا ہے کہ آپ کو میں یہ بتاؤں کہ کتاب السنن میں جو حدیثیں ہیں، آیا یہ میرے علم کے مطابق صحیح ترین حدیثیں ہیں؟ سو آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ یہ سب ایسی ہی ہیں، الّا یہ کہ وہ حدیث دو صحیح طریقوں سے مروی ہو اور ان میں سے ایک کا راوی اسناد میں مقدم ہو، (یعنی اس کی سند عالی ہو اور اس میں واسطے کم ہوں) اور دوسرے کا حفظ میں بڑھا ہوا ہو، تو ایسی صورت میں کبھی اول الذکر طریقہ ہی کو لکھ دیتا ہوں، حالانکہ میرے خیال میں مجھے ایسی دس حدیثیں بھی اپنی کتاب میں معلوم نہیں ہوتیں اور میں نے باب میں صرف ایک یا دو حدیثیں ہی نقل کی ہیں، گو اس باب کی اور صحیح حدیثیں بھی

موجود تھیں، کیونکہ اس صورت میں بہت کثرت ہو جاتی اور میرا مقصد یہ تھا کہ نفع جلد ہو، اور جب کسی باب میں میں نے کسی حدیث کو دو یا تین طریقوں سے دہرایا ہے، تو اس سبب سے کہ اس میں کوئی بات زیادہ تھی اور کبھی اس میں دوسری احادیث کی بہ نسبت صرف ایک ہی لفظ زیادہ تھا اور بعض دفعہ میں نے ایک طویل حدیث کو مختصراً ذکر کیا ہے، کیونکہ اگر اس کو پوری نقل کرتا تو بعض سامعین کو پتہ بھی نہ چلتا اور اس میں جو فقہ کا مسئلہ تھا، وہ سمجھ ہی میں نہ آتا، لہٰذا اس کا اختصار کرنا پڑا۔

رہیں مرسل احادیث، سو ان سے گذشتہ عہد کے علماء جیسے سفیان ثوریؒ، مالک بن انسؒ، اور اوزاعیؒ حجت پکڑتے تھے، یہاں تک شافعی آئے اور انھوں نے ان پر کلام کرنا شروع کیا، اور احمد بن حنبلؒ وغیرہ نے اس باب میں ان ہی کی اتباع کی، اللہ ان سب کو اپنی رضا نصیب کرے، سو جب کوئی مسند روایت، مرسل روایت کے خلاف موجود نہ ہو اور مسند روایت نہ پائی جائے تو ایسی صورت میں مرسل روایت کو بھی مانا جائے گا، لیکن وہ قوت میں متصل روایت کے برابر نہیں ہے۔

اور کتاب السننؒ جس کو میں نے تصنیف کیا ہے، اس میں کسی متروک الحدیث شخص سے کوئی روایت نہیں ہے، اور اگر اس میں کوئی منکر روایت آ گئی ہے، تو میں نے اس کا منکر ہونا

بیان کردیا ہے اور ایسا اس صورت میں ہوا ہے جبکہ اس باب میں اس کے علاوہ اور کوئی روایت نہ تھی۔

اور یہ وہ حدیثیں ہیں کہ ابن مبارکؒ اور وکیعؒ کی کتاب میں ان میں سے بہت تھوڑی روایات ہیں، ان کی کتابوں میں زیادہ مراسیل درج ہیں اور مالک بن انسؒ کی کتاب السنن موؑطا میں اور اسی طرح حماد بن سلمہؒ اور عبدالرزاقؒ کی مصنفات میں ان میں سے اچھی خاصی روایتیں آ گئی ہیں، تاہم جیسا کہ میرا خیال ہے ان سب حضرات کی مجموعی کتابوں میں بھی یعنی مالک بن انسؒ، حمادؒ بن سلمہ اور عبدالرزاقؒ کی تصنیفات کو ملا کر بھی اس کتاب کی تہائی روایتیں نہیں ہیں۔(۱)

اور میری کتاب میں جو حدیث ایسی تھی کہ اس میں ذرا زیادہ کمزوری تھی، تو میں نے اس کو بیان کردیا ہے اور اسی میں وہ روایت بھی آ گئی کہ جس کی سند صحیح نہیں اور جس روایت کے بارے میں میں نے کچھ نہیں کہا، تو وہ ٹھیک ہے اور ان میں بعض

---

(۱) لیکن اس کے باوجود علامہ محمد بن ابراہیم وزیر یمانی، العواصم والقواصم في الذب عن سنة أبي القاسم میں (جس کا قلمی نسخہ میرے پاس موجود ہے) امام نووی سے ناقل ہیں کہ

إن أبا داؤد لم يستوعب الصحيح من أحاديث الأحكام ولا معظمه، وذلك ظاهر بل معرفة ضرورية لمن له أدنى اطلاع، انتهى.

''امام ابوداؤد سب احادیث احکام بلکہ بیشتر کو بھی نہیں لائے اور یہ ایک ظاہر چیز ہے، بلکہ اس کا علم تو اسے بھی ضرور ہو جاتا ہے جسے اس فن کی ذرا سی بھی خبر ہے۔''

بعض سے صحت میں بڑھی ہوئی ہیں، اور جو یہ کتاب میرے سوا
کسی اور کی لکھی ہوتی، تو پھر میں اس کے بارے میں اس سے
زیادہ کہتا، اور یہ ایسی کتاب ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی جو سنت
بھی ٹھیک اسناد سے تمہیں ملے گی وہ اس میں موجود ہوگی الا یہ کہ
وہ کوئی ایسی بات ہو کہ جو حدیث سے استنباط کی گئی ہو۔

میرے علم میں قرآن کے بعد جتنا اس کتاب کا سیکھنا
لوگوں پر لازم ہے، اتنا کسی اور چیز کا نہیں، اور اس کتاب کے لکھ
لینے کے بعد اگر کوئی شخص علم کی کوئی اور چیز نہ لکھے، تو کچھ نقصان
نہیں، جب کوئی شخص اس کتاب کو دیکھے گا اور اس میں غور کرے
گا اور اس کو سمجھے گا، تب اس کو اس کی قدر معلوم ہوگی۔

اور یہ مسائل (یعنی ثوریؒ، مالکؒ اور شافعیؒ کے مسائل)
سو ان کی بنا ان ہی احادیث پر ہے، تاہم مجھے یہ پسند ہے کہ اس
کتاب کے ساتھ ساتھ صحابہ کے فتاوے کو بھی قلمبند کیا جائے،
نیز کوئی ایسی کتاب بھی نقل کر لی جائے جیسی کہ سفیان ثوریؒ کی
جامع ہے کہ وہ ان سب جوامع میں جو لوگوں نے تصنیف کی
ہیں، سب سے اچھی ہے۔

اور جو حدیثیں کہ میں نے کتاب السننؒ میں درج کی
ہیں، ان میں اکثر مشہور روایات ہیں جو ہر اس شخص کے پاس
موجود ہیں کہ جس نے تھوڑا بہت بھی احادیث کو لکھا ہے لیکن اس

کو تمیز کرنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں۔
اور میں نے کتاب السنن میں صرف احکام ہی کو تصنیف کیا ہے،
زہد اور فضائلِ اعمال وغیرہ کو تصنیف نہیں کیا، سو یہ چار ہزار آٹھ
سو احادیث ہیں، جو سب کی سب احکام پر مشتمل ہیں۔" (۱)

سنن ابی داؤد کی افادیت کے پیش نظر امام غزالی نے تصریح کی ہے کہ علمِ حدیث میں صرف یہی ایک کتاب مجتہد کے لئے کافی ہے، (۲) محدث زکریا ساجی کے الفاظ ہیں:

**كتاب الله عز وجل أصل الإسلام، و كتاب السنن لأبي داؤد عهد الإسلام (۳)**

"اصلِ اسلام کتاب اللہ ہے، اور فرمانِ اسلام سنن ابی داؤد۔"

علامہ ابن حزم کا بیان ہے کہ ایک بار حافظ سعید بن سکن صاحب الصحیح المتوفی ۳۵۳ھ کی خدمت میں اصحاب حدیث کی ایک جماعت حاضر ہوئی اور انھوں نے کہا کہ ہمارے سامنے حدیث کی بہت سی کتابیں آ گئی ہیں، اگر شیخ اس سلسلہ میں کچھ ایسی کتابوں کی طرف ہم لوگوں کی رہنمائی کریں کہ جن پر ہم اکتفا کرسکیں، تو بہتر ہے، حافظ ابن سکن نے یہ سن کر کچھ جواب نہیں دیا بلکہ اٹھ کر سیدھے اندر گھر میں تشریف

---

(۱) ملاحظہ ہو، رسالہ مذکورہ از ص ۲ تا ص ۸ طبع قاہرہ ۱۳۶۹ھ۔ (۲) فتح المغیث از سخاوی ص ۲۸۔

(۳) شروط الائمۃ الستۃ از ابن طاہر ص ۱۷، طبقات ابن السبکی، تذکرہ الحفاظ ذہبی، ان تینوں کتابوں میں عھد الاسلام مرقوم ہے لیکن شاہ عبدالعزیز صاحب نے بستان المحدثین میں اس کا ترجمہ "ستون اسلام" کیا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب نے اس کو عمد الاسلام پڑھا ہے۔

لے گئے اور کتابوں کے چار بستہ لاکر اوپر تلے رکھدیئے، پھر فرمانے لگے:

**هذه قواعد الإسلام، كتاب مسلم و كتاب البخاري و كتاب أبي داؤد و كتاب النسائي (۱)**

''یہ اسلام کی بنیادیں ہیں، کتاب مسلمؒ، کتاب بخاریؒ، کتاب ابی داؤدؒ اور کتاب نسائیؒ۔''

اور حافظ ابوعبداللہ بن مندہؒ اپنی صحیح میں لکھتے ہیں:

**الأئمة الأربعة الذين أخرجوا الصحيح وميّزوا ثابته من سقيمه، وخطأه من صوابه، هم البخاري ومسلم وأبو داؤد والنسائي. (۲)**

''وہ چار ائمہ کہ جنہوں نے صحیح حدیث کی تخریج کی اور ثابت کو سقیم سے اور خطا کو صواب سے جدا کیا، یہ چار ہیں، بخاریؒ، مسلمؒ، ابوداؤدؒ، نسائیؒ۔''

محدث حاکم نیشاپوریؒ نے بھی سنن ابی داؤدؒ کو صحیح بتایا ہے (۳) اور حافظ ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں کہ:

**كل ما سكت عليه أبو داؤد فهو صحيح عنده. (۴)**

''جس حدیث پر امام ابوداؤدؒ کچھ کلام نہ کریں، وہ ان کے نزدیک صحیح ہے۔''

امام ابوداؤدؒ نے کتاب السنن کی تکمیل بہت پہلے اپنے عہد شباب ہی میں

(۱) شروط الائمۃ الستہ ص ۱۶۔ (۲) تہذیب التہذیب میں عکرمہ مولی ابن عباس کا ترجمہ دیکھو۔
(۳) فتح المغیث ص ۳۳۔ (۴) ایضاً ص ۲۹، وتوضیح الافکار، ج ۲ ص ۱۹۷۔

کرلی تھی، یہ وہ زمانہ ہے کہ جب ان کے شیخ امام احمد بن حنبلؒ زندہ تھے، امام ابوداؤد نے جب یہ کتاب امام ممدوح کی خدمت میں لے جاکر پیش کی، تو امام ممدوح نے اس کو پسند فرمایا اور اس کی تحسین کی، (۱) تصنیف ہونے کے ساتھ ہی حق تعالی نے اس کتاب کو جو قبول عام بخشا، وہ صحاح ستہ میں سے کسی کتاب کو نصیب نہ ہوسکا، چنانچہ امام موصوف کے شاگرد حافظ محمد بن مخلد دوری (۲) المتوفی ۳۳۱ھ کا بیان ہے کہ:

**لما صنّف السنن وقرأهٔ على الناس صار كتابه لأهل الحديث كالمصحف يتبعونه**(تهذيب التهذيب ترجمه إمام ممدوح).

"جب انھوں نے کتاب السنن تصنیف کی اور اس کو لوگوں کے سامنے پڑھا تو محدثین کے لئے ان کی کتاب قرآن کی طرح قابل اتباع بن گئی۔"

اور امام احمد بن محمد ابوسلیمان خطابیؒ المتوفی ۳۸۸ھ اپنی مشہور کتاب معالم السنن شرح سنن ابی داؤد میں فرماتے ہیں:

**إن كتاب السنن لأبي داؤد كتاب شريف لم يصنف في علم الدين كتاب مثلهٔ وقد رزق القبول من الناس كافة، فصار حكما بين فرق العلماء وطبقات الفقهاء على اختلاف**

(۱) مقدمہ تلخیص منذری ص۵ تذکرۃ الحفاظ ترجمہ امام ابی داؤد۔

(۲) یہ بڑے پایہ کے حافظ حدیث گزرے ہیں، محدث خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں ان کا نہایت مبسوط ترجمہ لکھا ہے اور حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا ترجمہ ان لفظوں سے شروع کیا ہے **الإمام المفيد الثقة محدث بغداد**، حدیث میں امام ابوحنیفہ کی مسند سب سے پہلے انہیں نے تصنیف کی ہے، جس کا نام **جمع حديث أبي حنيفه** ہے، خطیب بغدادی نے اس کتاب کا ذکر تاریخ بغداد (ج ۲ ص ۱۸۸ طبع مصر) میں کیا ہے۔

مـذاهبهم فلكل فيه ورد،ومنه شرب وعليه معول أهل العراق وأهل مصر وبلاد المغرب وكثير من مدن أقطار الأرض، فأما أهـل خـراسـان فـقد أولع أكثرهم بكتاب محمد بن إسمٰعيل ومسـلـم بـن الـحـجـاج ومن نحا نحوهما في جمع الصحيح عـلـى شـرطهما فى السبک والإنتقاد،إلا أن كتاب أبي داؤد أحسن رصفا وأكثرفقها (۱)

”امام ابوداؤدؒ کی کتاب السنن بلاشبہ ایسی عمدہ کتاب ہے کہ علم دین میں ایسی کوئی کتاب تصنیف نہیں ہوئی، اوراس نے سب لوگوں کی طرف سے سندِ قبولیت حاصل کی، چنانچہ یہ کتاب علماء کے تمام فرقوں اور فقہاء کے سب طبقوں میں باوجود اختلاف مذاہب کے حکم مانی جاتی ہے، سب لوگ اسی کے گھاٹ پر آتے اور یہیں سے سیراب ہوتے ہیں، اسی پر اہل عراقؔ، اہل مصرؔ، بلادِ مغربؔ اور روئے زمین کے بہت سے شہروں کے رہنے والوں کو اعتماد ہے، البتہ اہل خراسانؔ میں بیشتر لوگ محمدؔ بن اسمٰعیل، مسلم بن حجاج اور ان لوگوں کی کتابوں کے دلدادہ ہیں کہ جو جمع صحیح میں ان دونوں حضرات کے قدم بقدم چلے ہیں، اور جنہوں نے جانچ پڑتال میں انہی شروط کو ملحوظ رکھا ہے، لیکن ابوداؤدؒ کی کتاب ترتیب کے اعتبار سے بہت اچھی اور فقہ کے لحاظ سے بہت بڑھی ہوئی ہے۔“

---

(۱) معالم السنن ج۱ص۶ طبع حلب۔

امام ابوداؤد سے ان کی کتاب السنن کو حسب ذیل حضرات نے روایت کیا ہے، (۱) ابوعلی محمد بن احمد بن عمرو لؤلؤی (۲) ابوطیب احمد بن ابراھیم بن عبدالرحمٰن اشنانی (۳) حافظ ابوسعید احمد بن محمد بن زیاد المعروف بابن الاعرابی المتوفی ۳۴۰ھ (۴) ابوبکر محمد بن عبدالرزاق بن داسہ المتوفی بعد ۳۴۵ھ، امام ابوبکر جصاص حنفی صاحب احکام القرآن، سنن ابی داؤد کو ان ہی سے روایت کرتے ہیں۔(۱) (۵) ابوعمرو

(۱) امام جصاص مشہور اکابر حنفیہ میں سے ہیں، بہت بڑے محدث اور امام تھے، فن حدیث میں ان کو امام ابوالحسن کرخی، ابوالعباس اصم، حافظ عبدالباقی بن قانع، اور ابوعمر غلام ثعلب سے تلمذ حاصل ہے، ۳۰۵ھ میں پیدا ہوئے، طلب حدیث میں مختلف ممالک کا سفر کیا، ۳۲۵ھ میں بغداد آئے اور امام کرخی سے فقہ وحدیث کی تعلیم حاصل کی پھر اسی سلسلہ میں اہواز گئے اور وہاں سے بغداد آئے، یہاں آکر امام کرخی کے مشورہ سے محدث حاکم نیشاپوری کے ساتھ اس فن کی تکمیل کے لئے نیشاپور گئے، یہ ابھی نیشاپور ہی میں تھے، کہ امام کرخی کا انتقال ہوگیا، نیشاپور سے ۳۴۴ھ میں بغداد کو واپسی ہوئی اور پھر یہیں کے ہورہے، بغداد میں ان کی درسگاہ تمام عالم اسلامی کا مرجع تھی، نہایت زاہد، پاکباز تھے، بارگاہ خلافت سے ان کو بارہا عہدۂ قضا پیش کیا گیا لیکن انھوں نے کبھی قبول نہیں فرمایا، امام صمیری فرماتے ہیں:

**استقر التدريس ببغداد لأبي بكر الرازي وانتهت الرحلة اليه، وكان على طريق من تقدمه في الورع والزهد والصيانة.**

"بغداد میں ابوبکر رازی کے درس کا سلسلہ قائم ہوا اور علمی رحلت کی انتہا ان کے آستانہ پر ہوئی، یہ زہد وورع اور احتیاط میں متقدمین کے طرز پر تھے۔"

خطیب بغدادی کے ان کے بارے میں یہ الفاظ ہیں، **كان امام أصحاب أبي حنيفة في وقته وكان مشهورا بالزهد**، حافظ عبدالقادر قرشی نے الجواہر المضیۃ میں ان کا ترجمہ ان لفظوں میں کیا ہے: **أحمد بن علي الرازي الإمام الكبير الشان**، ان کے حلقۂ درس سے بڑے بڑے اکابر ائمہ پیدا ہوئے، جن میں امام ابوبکر محمد بن موسی خوارزمی، امام ابوجعفر محمد بن احمد نسفی، امام ابوعبداللہ محمد بن یحیی بن مہدی فقیہ جرجانی، استاذ امام قدوری، امام ابوالفرج احمد بن محمد بن عمر المعروف بابن المسلمہ، امام ابوالحسین محمد بن احمد زعفرانی، امام ابوالحسین محمد بن احمد بن الطیب کماری خاص طور پر قابل ذکر ہیں، امام جصاص کی متعدد تصانیف یادگار ہیں، جن میں سے عرصہ ہوا کہ احکام القرآن جو اپنے موضوع پر ایک بے نظیر کتاب ہے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

احمد بن علی بن الحسن بصری (٦) ابوالحسن علی بن الحسن بن عبد انصاری، (٧) ابوعیسیٰ اسحاق بن موسیٰ بن سعید رملی المتوفی ۳۲۰ھ جو امام ممدوح کے وراق رہ چکے ہیں (٨) ابواسامہ محمد بن عبدالملک بن یزید الرواس (٩) ابوسالم محمد بن سعید الجلودی، (١) ان میں حافظ ابن الاعرابی کے نسخہ میں کچھ حدیثیں کم ہیں اس میں کتاب الفتن والملاحم اور بعض اور ابواب بھی ساقط ہیں، ابن داسہ رملی اور لولوی کے نسخوں میں گو ترتیب کے اعتبار سے کچھ تقدیم و تاخیر ہوگئی ہے لیکن تعداد احادیث کے لحاظ سے یہ نسخے قریب قریب ہیں، البتہ احادیث پر امام ابوداؤد نے جو کلام فرمایا ہے وہ بعض نسخوں میں زیادہ اور بعض میں کم ہے، ہاں ابوعلی لولوی کے نسخہ کو اس اعتبار سے ترجیح حاصل ہے کہ انھوں نے کتاب السنن کا سماع محرم ۲۷۵ھ میں کیا، جبکہ امام ابوداؤد نے اس کی آخری املاء کرائی تھی، کیونکہ اسی سال بروز جمعہ ۱۶ر شوال کو امام ممدوح نے آخرت کا سفر اختیار کیا ہے۔ (٢)

یہاں یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ امام ابوداؤد سجستانی اپنے دور کے بعض تنگ نظر ارباب روایات کی طرح ائمہ اہل الرائے کے مخالف نہ تھے، بلکہ فقہاء کرام کی مساعی جمیلہ کو نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھتے اور بڑے ادب و احترام

(پچھلے صفحہ کا بقیہ) طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے اور شرح مختصر الطحاوی کا عکسی فوٹو حضرت مولانا ابوالوفاء افغانی صدر مجلس احیاء المعارف النعمانیہ کی خدمت میں میری نظر سے گزری ہے، امام ممدوح کی تمام تصنیفات آپ کے محدث اور حافظ حدیث ہونے پر شاہد عدل ہیں، مولانا شہید اسمٰعیل دہلوی نے تنویر العینین میں ان کو مجتہدین میں شمار کیا ہے، حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں حسن بن رشیق کے ترجمہ میں ان کا سنہ وفات ۳۷۰ھ تحریر کیا ہے۔

(١) تہذیب التہذیب، ترجمہ امام ابوداؤد۔

(٢) مقدمہ غایۃ المقصود شرح سنن ابی داؤد، واختصار علوم الحدیث از حافظ ابن کثیر ۱۲۔

سے ان کا ذکر خیر کرتے تھے، چنانچہ حافظ مغربؒ علامہ ابن عبد البرؒ قرطبی بسند متصل ان سے ناقل ہیں کہ:

حدثنا عبدالله بن محمد بن عبدالمؤمن بن يحى رحمه الله قال أخبرنا أبوبكر محمد بن بكر بن عبدالرزاق التمار المعروف بابن داسة قال سمعت أبا داؤد سليمان بن الأشعث بن إسحاق السجستاني رحمه الله يقول: رحم الله مالكاً كان إماماً، رحم الله الشافعي كان إماماً، رحم الله أباحنيفة كان إماماً. (۱)

"اللہ تعالی مالکؒ پر رحمت نازل فرمائے، وہ امام تھے، اللہ تعالی شافعیؒ پر رحمت نازل فرمائے وہ امام تھے، اللہ تعالی ابوحنیفہؒ پر رحمت نازل فرمائے وہ امام تھے۔"

## جامع ترمذی

امام ترمذیؒ کی کتاب، امام ابوداؤدؒ سجستانی اور امام بخاریؒ دونوں کے طریقوں کی جامع ہے، ایک طرف انھوں نے اپنی کتاب میں احادیث احکام میں سے صرف ان احادیث کو لیا ہے کہ جن پر فقہاء کا عمل رہا ہے، دوسری طرف اس کو صرف احکام کے لئے مختص نہیں کیا، بلکہ امام بخاریؒ کی طرح سب ابواب کی احادیث

(۱) الإنتقاء في فضائل الثلاثة الأئمة الفقهاء ص۳۲، اور جامع بيان العلم ج ۲ ص ۱۶۳، محدث کوثریؒ نے الانتقاء کے حواشی صفحہ ۹ میں یہ بھی تصریح کی ہے کہ امام ابوداؤد نے ان حضرات ائمہ ثلاثہ کے ذکر میں جو ترتیب ملحوظ رکھی ہے، وہ ان کے طبقات کے اعتبار سے نہیں، بلکہ اوطان کے اعتبار سے ہے، کیونکہ امام مالک مدنی ہیں، امام شافعی مکی اور امام ابوحنیفہ کوفی۔

کو لے کر اپنی کتاب کو جامع بنا دیا ہے اور پھر اس پر مستزاد یہ کہ علوم حدیث کی مختلف انواع کو اپنی کتاب میں اس طرح سمویا ہے کہ وہ علم حدیث کا بوقلموں زار بن گئی ہے، چنانچہ حافظ ابوجعفر بن الزبیر المتوفی ۷۰۸ھ صحاح ستہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

وللترمذي في فنون الصناعة الحديثية مالم يشاركه غيره. (۱)

"امام ترمذی کو علم حدیث کے مختلف فنون کو جمع کرنے کے لحاظ سے جو امتیاز حاصل ہے، اس میں کوئی اوران کا شریک نہیں۔"

حافظ ابن رشید المتوفی ۷۲۲ھ نے ان فنون کی حسب ذیل تفصیل دی ہے،

(۱) تبویب (۲) بیانِ فقہ (۳) علل احادیث و بیان صحیح وضعیف (۴) بیان اسماء و کنیٰ (۵) جرح وتعدیل (۶) جن سے احادیث نقل کی ہے ان کے متعلق یہ بتلانا کہ ان میں سے کس نے آنحضرت ﷺ کو پایا ہے اور کس نے نہیں (۷) راویانِ حدیث کا شمار، اس تفصیل کے بعد حافظ موصوف لکھتے ہیں کہ "یہ تو اس کتاب کے علوم کا اجمالی بیان ہے اور تفصیل میں جایا جائے تو اور بھی متعدد علوم ہیں۔" (۲)

حافظ ابوالفتح بن سید الناسؒ فرماتے ہیں کہ منجملہ ان علوم کے جو ترمذی کی کتاب میں موجود ہیں اور جن کو ابن رُشید نے ذکر نہیں کیا ہے، یہ ہیں (۸) بیان شذوذ (۹) بیان موقوف (۱۰) بیان مدرج۔ (۳)

اور حافظ ابوبکر بن العربیؒ المتوفی ۵۴۳ھ عارضۃ الاحوذیؒ شرح ترمذی میں رقمطراز ہیں:

"اس کتاب میں حسب ذیل چودہ علوم ہیں، احادیث کی اس

(۱) و (۲) و (۳) مقدمہ قوت علی جامع الترمذی از حافظ سیوطی۔

طرح تدوین کہ جو عمل سے قریب تر کر دیتی ہے، بیان اسناد، تصحیح
وتضعیف، تعداد طرق، جرح وتعدیل، بیان اسم وکنیت رواۃ،
بیان وصل وانقطاع، معمول بہ اور متروک العمل روایات کی
توضیح، احادیث کتاب کے ردوقبول کے بارے میں علماء کا جو
اختلاف ہے اس کا بیان، حدیثوں کی توجیہ وتاویل کے سلسلہ
میں علماء کے اختلاف آراء کا ذکر، اور یہ وہ علوم ہیں کہ ان میں
سے ہر ایک علم اپنی جگہ مستقل حیثیت رکھتا ہے۔"(۱)

محدث حاکم نیشاپوریؒ اور خطیب بغدادیؒ نے جامع ترمذی کو صحیح کہا ہے (۲) اور حافظ ابوبکر بن نقطہ بغدادی المتوفی ۶۲۹ھ اپنی مشہور کتاب التقیید فی رواۃ الکتب والمسانید میں خود امام ترمذیؒ کی زبانی ناقل ہیں کہ:

"صنّفت هذا المسند الصحيح وعرضته على علماء الحجاز فرضوا به وعرضته على علماء العراق فرضوا به وعرضته على علماء خراسان فرضوا به ومن كان في بيته هذا الكتاب فكأنما في بيته نبي ينطق وفي رواية يتكلم."(۳)

"میں نے اس المسند الصحیح (یعنی کتاب الجامع) کو تصنیف کر کے
علماء حجازؒ کے سامنے پیش کیا تو انھوں نے اس کو پسند کیا، اور علماء

(۱) عارضۃ الاحوذی ص۲۴و۲۵ طبع نظامی کانپور، یہ کتاب مجموعہ شروح اربعہ ترمذی کے ساتھ اس کے حاشیہ پر طبع ہوئی ہے۔ (۲) مقدمہ ابن صلاح، ص۴۶ طبع حلب ۱۳۵۰ھ۔

(۳) البدایہ والنہایہ از حافظ ابن کثیر ج۱۱ ص۶۷ طبع مصر۔

عراق کے سامنے پیش کیا تو انھوں نے اس کو پسند کیا، اور علماء
خراسان کے سامنے پیش کیا تو انھوں نے اس کو پسند کیا، اور جس
کے گھر میں یہ کتاب موجود ہے، اس کے گھر میں گویا کہ پیغمبر
موجود ہے کہ جو خود بتا رہا ہے۔"

اور حافظ ابوالفتح بن سید الناس المتوفی ۷۳۴ھ شرح ترمذی کے مقدمہ میں حافظ یوسف بن احمد سے نقل کرتے ہیں:

لأبي عيسىٰ فضائل تجمع وتروى وتسمع، وكتابه من الكتب الخمسة التي اتفق أهل الحل والعقد والفضل والفقه من العلماء والفقهاء وأهل الحديث النبهاء على قبولها والحكم بصحة أصولها (۱)

"امام ابوعیسیٰ (ترمذی) ایسے فضائل کے حامل ہیں کہ جن کو لکھا
جاتا ہے اور بیان کیا جاتا ہے اور سنا جاتا ہے اور ان کی کتاب ان
پانچ کتابوں میں داخل ہے کہ جن کی قبولیت اور ان کے اصول کی
صحت کے فیصلہ پر علماء، فقہاء اور اکابر محدثین میں سے اہل حل
وعقد اور ارباب فضل ودانش نے اتفاق کیا ہے۔"

اور حافظ ابوالفضل محمد بن طاہر مقدسی لکھتے ہیں کہ ایک بار ہرات میں امام ابواسمٰعیل عبداللہ بن محمد انصاری (۲) سے امام ترمذی اور ان کی جامع کا ذکر

(۱) اس کتاب کا قلمی نسخہ کتب خانہ پیر جھنڈو ضلع حیدرآباد سندھ میں میری نظر سے گزرا ہے۔
(۲) شیخ الاسلام عبداللہ انصاری مشہور محدث اور صوفی ہیں، امام ترمذی سے ان (بقیہ اگلے صفحہ)

آیا تو فرمانے لگے کہ

**كتابه عندي أنفع من كتاب البخاري ومسلم لأن كتابي البخاري ومسلم لايقف على الفائدة منهما إلا المتبحر العالم وكتاب أبي عيسى يصل إلى فائدته كل أحد من الناس (١)**

''ان کی کتاب میرے نزدیک بخاریؔ و مسلمؔ کی کتاب سے زیادہ نافع ہے، کیونکہ بخاریؔ و مسلمؔ کی کتابوں سے تو صرف عالم متبحر ہی فائدہ اٹھا سکتا ہے، لیکن ابوعیسیٰ کی کتاب سے ہر شخص مستفید ہوسکتا ہے۔''

یہ واضح رہے کہ اگر چہ امام ترمذیؔ امام بخاریؔ کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں، تاہم یہ شرف ان کو بھی حاصل ہے کہ خود استاد نے ان سے حدیث کا سماع کیا ہے، چنانچہ ''أبواب التفسير'' سورۃ الحشر میں حسب ذیل روایات کو لکھ کر ''**حدثنا عبدالله بن عبدالرحمن عن هارون بن معاوية عن حفص بن غياث عن حبيب بن أبي عمرة عن سعيد بن جبير عن النبي ﷺ مرسلاً**'' فرماتے ہیں:

---

(پچھلے صفحہ کا بقیہ) کو بہ دو واسطہ تلمذ حاصل ہے، سال ولادت ۳۹۶ھ اور سال وفات ۴۸۱ھ ہے، حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ان کا نہایت مبسوط ترجمہ لکھا ہے، جو ان لفظوں سے شروع ہوتا ہے شیخ الاسلام الحافظ الامام الزاهد یہ ترجمہ سات صفحات پر پھیلا ہوا ہے، انھوں نے امام ابوحنیفہ کی ایک مسند بھی لکھی ہے، جس کا نام ہے جمع حدیث ابی حنیفہ، اس مسند کو حافظ سمعانی ان سے بدو واسطہ روایت کرتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو الجواہر المضیہ ترجمہ نصر بن سیار)

(١) شروط الائمۃ الستۃ ص ١٦۔

سمع مني محمد بن إسماعيل هذا الحديث.

''مجھ سے محمد بن اسماعیل نے یہ حدیث سنی ہے۔''

اسی طرح ''أبواب المناقب'' میں حدیث ''یاعلي لا یحل لأحد أن یجنب في هذا المسجد غیري وغیرک'' کے متعلق لکھا ہے کہ ''وقد سمع محمد بن اسمٰعیل مني هذا الحدیث'' اور امام بخاریؒ نے خود ان کے سامنے اس امر کا اعتراف کیا تھا کہ: ما انتفعت بک أکثر مما انتفعت بي (۱)

''میں نے تم سے اس سے زیادہ نفع اٹھایا، جتنا تم نے مجھ سے اٹھایا۔''

بعض مواقع پر امام ترمذیؒ نے اپنی جامعؒ میں احادیث کی تصحیح کے سلسلہ میں امام بخاریؒ و مسلمؒ سے اختلاف بھی کیا ہے، چنانچہ ''باب الإستنجاء بالحجرین'' میں حدیث عبداللہ بن مسعودؓ ''قال خرج النبي ﷺ لحاجته فقال التمس لي ثلاثة أحجار ..........الخ'' کو نقل کرکے اور اس کے مختلف طرق بیان کرکے لکھتے ہیں کہ:

هذا حديث فيه اضطراب، قال أبو عيسى سألت عبدالله بن عبد الرحمٰن، أي الروايات في هذا عن أبي إسحاق أصح فلم يقض فيه بشئي، وسألت محمداً عن هذا فلم يقض فيه بشئي، كأنه رأى حديث أبي إسحاق عن عبدالرحمٰن بن الأسود عن أبيه عن عبدالله أشبه، ووضعه في كتابه الجامع، وأصح شئي في هذا عندي حديث إسرائيل وقيس عن أبي

(۱) تہذیب التہذیب، ترجمہ امام ترمذی۔

إسحاق عن أبي عبيدة عن عبدالله لأن إسرائيل أثبت وأحفظ لحديث أبي إسحاق من هؤلاء، وتابعه علی ذلک قيس بن الربيع، وسمعت محمد بن المثنیٰ يقول: سمعت عبدالرحمن بن مهدي يقول: ما فاتني الذي فاتني من حديث سفيان الثوري عن أبي إسحاق إلا لما اتكلت به علی إسرائيل لأنه كان يأتي به أتم، قال أبوعيسی، وزهير في أبي إسحاق ليس بذاک لأن سماعه منه بآخره، سمعت أحمد بن الحسن يقول: سمعت أحمد بن حنبل يقول: إذا سمعت الحديث من زائدة وزهير فلا تبال أن لا تسمعه من غيرهما إلاحديث أبي إسحاق.

''اس حدیث میں اضطراب ہے، میں نے عبداللہ بن عبدالرحمٰن، (امام دارمی) سے پوچھا تھا کہ اس بارے میں ابواسحاق سے کونسی روایت زیادہ صحیح ہے؟ تو وہ کچھ فیصلہ نہ کر سکے،اور محمد (امام بخاری) سے پوچھا تو انھوں نے بھی کوئی فیصلہ نہیں کیااور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے ''أبو اسحاق عن عبدالرحمٰن بن الأسود عن أبيه عن عبدالله'' والے طریق کوزیادہ مناسب سمجھا، اس لئے اپنی کتاب الجامع میں اسی کوجگہ دی اور میرے نزدیک اس باب میں ''إسرائيل وقيس عن أبي إسحاق عن أبي عبيدة عن عبدالله'' والی سند

زیادہ صحیح ہے کیونکہ اسرائیل ابواسحاقؔ کی حدیث میں ان سب
سے زیادہ پکے اور سب سے زیادہ حافظ ہیں اور اس روایت میں
قیس بن الربیعؔ نے ان کی متابعت بھی کی ہے، میں نے محمد بن
المثنیٰؔ کو یہ بیان کرتے سنا کہ عبدالرحمٰن بن مہدیؔ کہتے تھے کہ
ابواسحاقؔ سے سفیان ثوریؔ کی روایت کردہ حدیثیں جو مجھ سے
چھوٹیں وہ صرف اس سبب سے کہ میں نے ان روایات کے
سلسلہ میں اسرائیل پر اعتماد کیا کیونکہ وہ ان کو مکمل طور پر بیان کیا
کرتے تھے اور زہیرؔ، ابواسحاقؔ کی روایت میں کچھ اچھے نہیں ہیں
کیونکہ ان کا سماع ابواسحاقؔ سے ان کی اخیر عمر میں تھا (جبکہ
بڑھاپے کے سبب ابواسحاقؔ کے حواس میں انتشار ہو چکا تھا)
میں نے احمد بن حسنؔ کو بیان کرتے سنا کہ امام احمد بن حنبلؔ
فرماتے تھے کہ تم ابواسحاقؔ کی حدیث کو چھوڑ کر پھر زائدہ اور زہیرؔ
سے جو حدیث بھی سن لو اس کو دوسرے سے سننے کی فکر نہ کرو۔"

اسی طرح "باب مایقال بعد الوضوء" میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث نقل کر کے کہ **قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم من توضأ فأحسن الوضوء ثم قال أشهد أن لا إلٰه إلا اللّٰه وحده لا شريک له وأشهد أن محمداً عبده ورسوله**...... الخ اور اس کے طرق کی تفصیل بیان کر کے فرماتے ہیں:

**هذا حديث في إسناده اضطراب، ولا يصح عن النبي صلی اللہ علیہ وسلم في هذا الباب كثير شيء.**

''اس حدیث کی اسناد میں اضطراب ہے اور آنحضرت ﷺ
سے اس باب میں کچھ زیادہ صحت کو نہیں پہنچا۔''

حالانکہ حضرت عمرؓ کی یہ حدیث صحیح مسلم میں مذکور ہے، اسی طرح تحقیق رجال میں بھی بعض مقامات پر امام بخاریؒ کے مقابلہ میں امام دارمیؒ کے قول کو ترجیح دی ہے۔(۱)

حافظ ابو جعفرؒ بن الزبیر نے اپنے برنامجؒ میں تصریح کی ہے کہ اس کتاب کو امام ترمذیؒ سے حسب ذیل چھ حضرات نے روایت کیا ہے (۱) ابوالعباس محمدؒ بن احمد بن محبوب (۲) حافظ ابوسعید ہیثم بن کلیبؒ شاشی المتوفی ۳۳۵ھ صاحب ہدایہ نے جامع ترمذی کو ان ہی کے طریق سے روایت کیا ہے۔(۲) (۳) ابوذر محمد بن ابراہیمؒ (۴) ابو محمد حسن بن ابراہیم قطان (۵) ابوحامد احمد بن عبداللہ تاجرؒ (۶) ابوالحسن واذریؒ۔(۳)

امام ترمذیؒ نے اپنی جامع میں کتاب العللؒ کے اندر امام ابوحنیفہؒ سے حسب ذیل روایت نقل کی ہے۔

حدثنا محمود بن غيلان حدثنا أبويحى الحماني قال سمعت أباحنيفة يقول مارأيت أحداً أكذب من جابر الجعفي ولا أفضل من عطاء بن أبي رباح.(۴)

''میں نے جابر جعفیؒ سے زیادہ جھوٹا اور عطاء بن ابی رباح سے
افضل کسی کو نہیں دیکھا۔''

(۱) ملاحظہ ہو ''باب ماذکر فی الشرب بنفستین''۔ (۲) الجواہر المضیۃ۔
(۳) مقدمہ قوت المغتذی۔ (۴) جامع ترمذی ج ۲ ص ۳۳۳ طبع مصر ۱۲۹۲ھ۔

اس روایت کا تعلق رجال کی جرح وتعدیل سے ہے اور امام ترمذیؒ نے اس کو سند کے طور پر نقل کیا ہے، جس سے صاف ظاہر ہے کہ امام ممدوح کے نزدیک امام ابوحنیفہؒ کا شمار ان ائمہ میں ہے کہ جن کے قول سے جرح وتعدیل کے باب میں سند پکڑی جاتی ہے۔(۱)

(۱) جرح وتعدیل کے باب میں امام ابوحنیفہ کے فیصلے اس قدر جچے تلے ہوتے تھے کہ محققین فن کو ہمیشہ ان کے آگے سر تسلیم خم کرنا پڑا، چنانچہ اسی جابر جعفی کو لے لیجئے ایک طرف امام ابوحنیفہ کا اس کے بارے میں یہ فیصلہ ہے، دوسری طرف اس کی نسبت ائمہ جرح وتعدیل کی یہ رائیں ہیں، سفیان ثوری کا بیان ہے کہ **مارأيت أورع في الحديث منه** (میں نے ان سے زیادہ حدیث میں محتاط نہیں دیکھا۔) شعبہ کہتے ہیں **كان جابر إذا قال حدثنا و سمعت فهو من أوثق الناس** (جابر جب حدثنا اور سمعت کہدے تو اس کا شمار اوثق الناس میں ہے) ایک دفعہ سفیان ثوری نے شعبہ سے صاف کہہ دیا کہ اگر تم نے جابر جعفی کے بارے میں کچھ کہا تو میں تمہارے بارے میں کہنے لگوں گا) وکیع کا قول ہے کہ تم لوگ اور چاہے کسی چیز میں شک کرو مگر اس بارے میں بالکل شک نہ کرو کہ جابر ثقہ ہے، اس سے تو ہم مسعر، سفیان ثوری، شعبہ اور حسن بن صالح نے حدیثیں بیان کی ہیں (ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب ترجمہ جابر جعفی) ارباب نظر غور کریں کہ جابر جعفی کی توثیق کرنے والے کس شان کے اکابر ہیں، تاہم تحقیق کے بعد اخیر فیصلہ جو ائمہ رجال نے صادر کیا وہ یہی ہے کہ جابر جعفی کی روایت قابل اعتبار نہیں، اسی طرح زید بن عیاش کے بارے میں امام ابوحنیفہ اور امام مالک میں اختلاف رائے ہے، امام ابوحنیفہ اس کو مجہول بتاتے ہیں، لیکن امام مالک نے اپنی موطا میں اس کی سند سے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی وہ روایت نقل کی ہے، جس میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے کھجور اور چھوارہ کو باہم بیچنے سے منع فرمایا ہے (مؤطا "باب مايكره من بيع التمر") بعد کو اگرچہ بعض محدثین نے امام مالک کی تقلید میں اس روایت کو صحیح قرار دیا لیکن خود امام بخاری و مسلم نے اس بارے میں امام ابوحنیفہ کے فیصلے سے موافقت کی ہے، چنانچہ محدث حاکم نیشاپوری، المستدرک علی الصحیحین میں لکھتے ہیں کہ

**هذا حديث صحيح لا جماع أئمة أهل النقل على إمامة مالك بن أنس أنه محكم في كل ما يرويه من الحديث إذا لم يوجد في رواياته إلا الصحيح خصوصا في حديث أهل المدينة ............ والشيخان لم يخرجاه لما** (بقیہ اگلے صفحہ پر)

صحیحین، سنن نسائی، سنن ابی داؤد، جامع ترمذی یہ پانچ کتابیں وہ ہیں کہ جن کے بارے میں حافظ ابوطاہر سلفی المتوفی ۵۷۶ھ نے تصریح کی ہے کہ:

قد أتفق علی صحتها علماء الشرق و الغرب.

"ان کی صحت پر مشرق ومغرب کے علماء کا اتفاق ہے۔"

حافظ ابن سید الناس، شرح ترمذی میں ابوطاہر کے اس قول کو نقل کر کے فرماتے ہیں:

وهذا محمول منه علی مالم يصرح بضعفه فيها مخرجه أو غيره.

"ان کی یہ تصریح ان روایات سے متعلق ہے کہ جن کے بارے میں ان کے مخرج نے یا کسی اور نے ضعف کی صراحت نہ کی ہو۔"

## سنن ابنِ ماجہ

یہ کتاب دو حیثیتوں کے اعتبار سے تمام صحاح ستہ میں ممتاز ہے، ایک حسن ترتیب یعنی جس خوبی اور عمدگی کے ساتھ احادیث کو باب وار، بغیر کسی تکرار کے اس کتاب میں بیان کیا گیا ہے، دوسری کتابوں میں نہیں بیان کیا گیا، اور یہی اس کی وہ خوبی ہے کہ جس کو دیکھ کر ان کے شیخ حافظ ابوزرعہ رازی کی زبان سے

---

(پچھلے صفحہ کا بقیہ) خشيا من جهالة زيد بن عياش. (تہذیب التہذیب، ترجمہ زید بن عیاش)

"یہ حدیث صحیح ہے کیونکہ ائمہ اہل نقل کا امام مالک کی امامت پر اتفاق ہے کہ وہ جو حدیث بھی نقل کردیں اس میں پکے ہیں، اس لئے کہ ان کی روایات میں بالخصوص اہل مدینہ سے جو حدیث وہ نقل کرتے ہیں اس میں سوائے صحیح روایت کے اور کوئی روایت نہیں پائی گئی ............ اور امام بخاری ومسلم نے اس روایت کی تخریج زید بن عیاش کی جہالت کے خوف سے نہیں کی۔

بے ساختہ یہ الفاظ نکل گئے تھے کہ:

"اگر یہ کتاب لوگوں کے ہاتھوں میں پہنچ گئی، تو فن حدیث کی اکثر جوامع اور مصنفات بیکار اور معطل ہو کر رہ جائیں گی۔"

حافظ ابوزرعہؒ کی یہ پیشن گوئی حرف بحرف صادق ہوئی اور آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ حدیث کی بہت سی کتابیں جو صحت اسناد اور جودت روایات کے اعتبار سے کہیں بڑھ چڑھ کر تھیں، وہ قبول عام حاصل نہ کرسکیں جو سنن ابن ماجہ کو حاصل ہے، جیسے صحیح ابن حبان، جس کے متعلق مورخ ابن العمادؒ حنبلی نے تصریح کی ہے کہ:

**وأكثر النقاد على أن صحيحه أصح من سنن ابن ماجه.(۱)**

"اکثر ناقدینِ فن اس رائے پر ہیں کہ ان کی صحیح، سنن ابن ماجہؒ سے صحیح تر ہے۔"

لیکن اس اصحیت کے باوجود اس کتاب کو وہ فروغ نصیب نہ ہوسکا جو سنن ابن ماجہؒ کو ہوا، خود صحاح ستہؒ میں سنن نسائیؒ پر جو اس سے صحت میں کہیں فائق ہے، اتنا کام نہیں ہوا اور اس کے اتنے شروح وحواشی نہیں لکھے گئے، جتنے سنن ابن ماجہ کے لکھے گئے ہیں، شاہ عبدالعزیزؒ محدث دہلوی بستان المحدثینؒ میں حافظ ابوزرعہؒ کے مذکورہ بالا بیان کو نقل کرکے فرماتے ہیں:

وفی الواقع از حسن ترتیب وسرد احادیث بے تکرار واختصار آنچہ ایں کتاب دارد ہیچ یک از کتب ندارد۔ (۲)

(۱) شذرات الذہب فی اخبار من ذہب از ابن العماد، ترجمہ ابن حبان۔

(۲) بستان المحدثین، ص ۱۱۲ طبع گلزار محمدی لاہور۔

''اور فی الواقع ترتیب کی خوبی اور بغیر کسی تکرار کے احادیث کا لے آنا اور اختصار جو یہ کتاب رکھتی ہے کوئی کتاب نہیں رکھتی۔''

اور حافظ ابن کثیرؒ، الباعث الحثیث إلی معرفة علوم الحدیث میں رقمطراز ہیں:

**وهو كتاب مفيد قوي التبويب في الفقه(۱)**

''یہ مفید کتاب ہے اور مسائل فقہ کے لحاظ سے اس کی نہایت عمدہ تبویب ہے۔''

اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ، تہذیب التہذیب میں لکھتے ہیں:

**وكتابه في السنن جامع جيد.** ''ان کی کتاب سنن (احکام) میں نہایت عمدہ جامع ہے۔''

دوسری نمایاں خصوصیت اس کتاب کی یہ ہے کہ یہ بہت سی ان حدیثوں پر مشتمل ہے کہ جن سے صحاح ستہ کی دوسری کتابیں یکسر خالی ہیں اور اس بنا پر اس کی افادیت ان کتابوں سے کہیں زیادہ بڑھ گئی ہے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا یہ معمول تھا کہ وہ عام طور پر ایسی حدیثیں بیان کیا کرتے تھے، جو اوروں کو معلوم نہ ہوتی تھیں، چنانچہ سنن ابن ماجہ میں ابو سعید حمیریؒ کی زبانی منقول ہے کہ:

**كان معاذ بن جبل رضي الله عنه يتحدث بمالم يسمع أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم ويسكت عما سمعوا** (باب النهي عن الخلاء على قارعة الطريق)

''حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ وہ حدیثیں بیان کرتے جو دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے سنی نہ تھیں اور جو دوسروں نے بھی سنی ہوتیں تو ان

---

(۱) کتاب مذکور ص ۹۰ طبع مکہ مکرمہ ۱۳۵۳ھ۔

کے ذکر سے خاموش رہتے۔'' (۱)

علامہ ابوالحسن سندی کی رائے میں امام ابن ماجہ کا یہ طرز عمل حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی اتباع پر مبنی ہے، چنانچہ وہ اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

لتكثير الفائدة، وكأن المصنف رحمه الله تعالىٰ تبع معاذاً في ذلك حيث أخرج من المتون في كثير من الأبواب ماليس في الكتب الخمسة المشهورة وإن كانت ضعيفة وفي الباب أحاديث صحيحة أخرجتها أصحاب تلك الكتب في كتبهم.

''حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا یہ طرز عمل کثرت افادہ کے لئے تھا اور گویا مصنف نے بھی اس سلسلہ میں ان ہی کا اتباع کیا ہے کہ بہت سے ابواب میں ان حدیثوں کو نقل کیا جو کتب خمسہ مشہورہ میں نہیں ہیں، اگرچہ وہ ضعیف بھی ہیں اور اسی مضمون کی اور صحیح حدیثیں بھی موجود ہیں، جن کو ان کتابوں کے مصنفین نے نقل کیا ہے۔''

سنن ابن ماجہ میں بہت سی زائد حدیثوں کا پایا جانا ہی اس کا وہ امتیاز خاص ہے کہ جس کو دیکھ کر بہت سے حفاظِ وقت نے صحاح کی تعداد پانچ سے بڑھا کر چھ کردی، چنانچہ آپ سابق میں پڑھ چکے ہیں کہ حافظ ابن السکن نے اسلام کی بنیادی

(۱) یہ اصل میں حضرت کی انتہائی احتیاط تھی، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس امر کا بڑا خیال رہتا تھا کہ روایت حدیث میں بھول چوک نہ ہونے پائے کیونکہ غلط روایت کے بیان کرنے پر وہ آنحضرت ﷺ سے دوزخ کی وعید سن چکے تھے اور اسی لئے بہت سے صحابہ حتی الوسع بلا ضرورت حدیث بیان کرنے سے بچا کرتے تھے، یہی حال حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا تھا چنانچہ جو حدیثیں دوسرے صحابہ بھی جانتے تھے یہ ان کو بیان نہیں کرتے تھے۔

کتابیں چار بتائی تھیں، اسی طرح حافظ ابن مندہ نے بھی مخرجین صحاح میں امام بخاری، امام مسلم، ابوداؤد، اور امام نسائی ہی کے ذکر پر اکتفا کی ہے، بعد کو حافظ ابوطاہر سلفی نے جامع ترمذی کو بھی مذکورہ بالا چاروں کتابوں کے ساتھ شمار کر کے تصریح کی کہ ان پانچ کتابوں کی صحت پر علماء شرق وغرب کا اتفاق ہے، حتی کہ شیخ ابن صلاح المتوفی ۶۴۲ھ اور علامہ نووی المتوفی ۶۷۶ھ تک نے معتمد علیہ کتابوں کے سلسلہ میں ان ہی پانچ کتابوں کے مصنفین کی وفیات ذکر کی ہیں (۱) اور امام ابن ماجہ کو سرے سے نظر انداز کر دیا ہے۔ (۲) لیکن متاخرین نے ان کی رائے سے موافقت نہیں کی، چنانچہ حافظ جلال الدین سیوطی، تدریب الراوی شرح تقریب النواوی میں علامہ نووی پر استدراک کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لم يدخل المصنف سنن ابن ماجة في الأصول وقد اشتهر في عصر المصنف وبعده جعل الأصول ستة بإدخاله فيها. (ص۳۰)

"مصنف (علامہ نووی) نے سنن ابن ماجہ کو بنیادی کتابوں میں داخل نہیں کیا، حالانکہ خود مصنف کے عہد میں اور ان کے بعد

(۱) ملاحظہ ہو مقدمہ ابن صلاح، ص ۳۸۷ طبع حلب، اور علامہ نووی کی التقریب والتیسیر کی "النوع الستون" نیز خاتمۃ الاشارات الی بیان اسماء المبہمات از علامہ موصوف طبع لاہور۔

(۲) سخاوی نے فتح المغیث میں شیخ ابن صلاح کی طرف سے ابن ماجہ کو نظر انداز کرنے کہ یہ وجہ بیان کی ہے۔

هو كونه ساذجاً عما حرص عليه أصحاب الكتب الخمسة من المقاصد التى بتدبرها يتمرن المحدث خصوصاً وفيه أحاديث ضعيفة جداً بل منكرة (ص۴۷۶)

"یہ ان مقاصد سے خالی ہے جن پر مصنفین کتب خمسہ نے بڑی توجہ دی ہے اور جن پر غور وتدبر سے محدث کو مشق ہوتی ہے خاص طور پر جبکہ اس میں نہایت ضعیف بلکہ منکر حدیثیں تک ہیں"۔

سنن ابن ماجہ کو داخل کر کے چھ کتابوں کا بنیادی قرار دیا جانا
شہرت پذیر ہو چکا ہے۔"

تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ سب سے پہلے جس شخص نے سنن ابن ماجہ کو کتب خمسہ کے بالمقابل جگہ دی، وہ حافظ ابو الفضل محمد بن طاہر مقدسی المتوفی ۵۰۷ھ ہیں، جنہوں نے شروط الأئمة الستة اور أطراف الکتب الستة دو مشہور کتابیں تصنیف کی ہیں، پہلی کتاب عرصہ ہوا کہ مصر اور ہندوستان میں طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے، اس کتاب میں حافظ موصوف نے ائمہ خمسہ کے ساتھ امام ابن ماجہ کی شرط پر بھی بحث کی ہے اور دوسری کتاب میں ان چھوں کتابوں کے اطراف (۱) احادیث کو جمع کیا ہے، بعد کو تمام مصنفین اطراف و رجال نے ان کی رائے سے اتفاق کیا، چنانچہ حافظ سیوطی لکھتے ہیں کہ:

فتابعه أصحاب الأطراف و الرجال (۲)

"پھر مصنفین اطراف و رجال نے ان ہی کی متابعت کی۔"

ارباب رجال میں سب سے پہلے حافظ عبد الغنی مقدسی المتوفی ۶۰۰ھ نے الکمال فی أسماء الرجال میں ان چھ کتابوں کے رجال کو یکجا مدوّن کیا ہے۔

حافظ شمس الدین ذہبی لکھتے ہیں:

---

(۱) "اطراف" کا مطلب یہ ہے کہ حدیث کے شروع سرے کو اتنا بیان کرے کہ جس سے بقیہ حدیث کی یاد دہانی ہو جائے یا اس کی تمام اسانید کو بالاستیعاب بیان کر دیا جائے یا ان کتابوں کا پتہ دیدیا جائے کہ جن میں یہ حدیث مروی ہے، چنانچہ اطراف الکتب الستہ میں صحاح ستہ کی احادیث کو اسی طرح بقید حوالہ کتب جمع کر دیا گیا ہے۔ اس کتاب کو صحاح ستہ کا انڈیکس سمجھنا چاہئے، حافظ ابن طاہر نے اسی طرح کا ایک انڈیکس امام ابو حنیفہ کی احادیث کا بھی تیار کیا ہے، جس کا نام "اطراف احادیث ابی حنیفہ" ہے، خیال ہے کہ اس کتاب میں حافظ موصوف نے امام ابو حنیفہ کی احادیث کی جملہ اسانید کو ذکر کیا ہوگا۔ (۲) تدریب الراوی ص ۳۰۔

سنن أبي عبد الله كتاب حسن لولا ما كدره أحاديث واهية ليست بالكثيرة (۱)

''سنن ابوعبداللہ (ابن ماجہ) اچھی کتاب ہے، کاش اس کو چند واہی حدیثیں جو تعداد میں زیادہ نہیں، خراب نہ کرتیں۔''

یہ چند روایات کہ جنہوں نے سنن ابن ماجہ جیسی صاف کتاب کو گدلا اور مکدّر بنا دیا، ان کی تعداد کیا ہے، اس کے بارے میں حافظ محمد بن طاہر مقدسی لکھتے ہیں کہ میں نے شہر رَے میں ایک قدیم جزء کی پشت پر حافظ ابوحاتم المعروف بخاموش کے قلم سے یہ لکھا دیکھا ہے:

قال أبوزرعة الرازي طالعت كتاب أبي عبدالله ابن ماجة فلم أجد فيه إلا قدراً يسيراً ممّا فيه شيئ وذكر قريب بضعة عشر. (۲)

''ابوزرعہ رازی کا بیان ہے کہ میں نے ابوعبداللہ بن ماجہ کی کتاب کا مطالعہ کیا تو اس میں بجز تھوڑی سی مقدار کے کہ جن میں کچھ خرابی موجود ہے اور کوئی بات نہ دیکھی، چنانچہ انھوں نے کچھ اوپر دس روایات ایسی ذکر کیں۔''

اور حافظ ذہبی، تذکرہ الحفاظ میں خود امام ابن ماجہ کی زبانی یہ ناقل ہیں:

عرّضت هذه السنن على أبي زرعة فنظر فيه وقال أظن آن وقع هذا في أيدي الناس تعطلت هذه الجوامع أو أكثرها، ثم قال: لعل لا يكون فيه تمام ثلاثين حديثا مما في إسناده ضعف. (۳)

---

(۱) و (۳) تذکرة الحفاظ ترجمہ ابن ماجہ۔ (۲) شروط الائمة الستہ ص ۱۶۔

''میں نے اس سنن کو حافظ ابوزرعہ کی خدمت میں لے جا کر پیش
کیا تو فرمانے لگے کہ میرے خیال میں یہ کتاب اگر لوگوں کے
ہاتھوں میں پڑ گئی تو یہ جوامع یا ان میں سے اکثر تصنیفات بیکار
ہوکر رہ جائیں گی، پھر فرمایا کہ شاید اس میں پوری تیس حدیثیں
بھی ایسی نہ ہوں کہ جن کی اسناد میں ضعف ہو۔''

اور حافظ سیوطیؒ، زهر الربى على المجتبىٰ کے مقدمہ میں رقمطراز ہیں:

وأما ماحكاه ابن طاهر عن أبي زرعة الرازي أنه نظر فيه فقال لعله لايكون فيه تمام ثلاثين حديثا مما فيه ضعف فهي حكاية لاتصح لانقطاع سندها، وان كانت محفوظة فلعله أراد مافيه من الأحاديث الساقطة الى الغاية أو كان ما رأى من الكتاب الا جزءاً منه فيه هذا القدر، وقد حكم أبوزرعة على أحاديث كثيرة منه بكونها باطلة أوساقطة أومنكرة وذلك محكي في كتاب العلل لابن أبي حاتم.

''ابن طاہر نے (۱) ابوزرعہ رازی سے جو یہ نقل کیا ہے کہ انھوں
نے اس کتاب کو دیکھ کر یہ ارشاد فرمایا کہ شاید اس میں پوری تیس
حدیثیں بھی ایسی نہ نکلیں کہ جن میں ضعف ہو، سو یہ حکایت صحیح
نہیں ہے، کیونکہ اس کی سند میں انقطاع ہے اور اگر یہ روایت
محفوظ ہے تو شاید انھوں نے انتہائی ساقط روایات کو مراد لیا ہے یا

(۱) ابوزرعہ کا یہ بیان جیسا کہ ابھی آپ کی نظر سے گزرا، ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں نقل کیا ہے اور ابن طاہر نے تو شروط الائمۃ میں ان سے کچھ اوپر دس کی تعداد نقل کی ہے۔

پھر دیکھا ہی کتاب کا ایک حصہ تھا کہ جس میں ان کو اسی قدر مل سکا، اور یہ واقعہ ہے کہ ابوزرعہؓ نے اس کی بہت سی حدیثوں کے متعلق باطل یا ساقط یا منکر ہونے کا فیصلہ کیا ہے، جو ابن ابی حاتم کی کتاب العلل میں منقول ہے۔"

اور حافظ ذہبیؒ، سیر النبلاء میں لکھتے ہیں کہ:

**وقول أبي زرعة لعل لايكون فيه تمام ثلاثين حديثا ممّا في سنده ضعف أو نحو ذلک إن صح كأنما عني بثلاثين حديثاً الأحاديث المطرحة الساقطة، وأما الأحاديث التي لا تقوم بها حجة فكثيرة لعلّها نحو الألف.** (۱)

"اور ابوزرعہؓ کا یہ بیان کہ شاید اس میں پوری تیس حدیثیں بھی ایسی نہ ہوں کہ جن کی سند میں ضعف ہے اگر صحیح ہے تو ان کی مراد ان تیس حدیثوں سے نہایت گری ہوئی اور ساقط روایتیں ہیں، ورنہ جن روایتوں سے کہ حجت نہیں قائم ہوتی، وہ تو بہت ہیں شاید ایک ہزار کے قریب ہوں۔"

غالباً یہ تیس کے قریب قریب وہی روایتیں ہیں کہ جن کو حافظ ابن جوزیؒ نے موضوعات میں داخل کیا ہے، یا دیگر محدثین نے ان میں سے بعض روایات کے موضوع ہونے کی تصریح کی ہے ان روایات پر فنی نقطۂ نظر سے ہم اپنی عربی تصنیف

(۱) توضیح الأفکار، ج۱ص۲۳۳۔

"ماتمس إليه الحاجة لمن يطالع سنن ابن ماجة" میں تفصیل سے بحث کر چکے ہیں، رہی عام ضعیف روایات سو واقعی اس کتاب میں بکثرت ہیں اور اگر چہ حافظ ابوالحجاج مزیؒ نے اس بارے میں ایک عام حکم لگا دیا ہے کہ:

**كل ما انفرد به ابن ماجة فهو ضعيف.**

"ہر وہ روایت جو صرف سنن ابن ماجہؒ میں ہو اور صحاح ستہؒ کی کسی دوسری کتاب میں نہ ہو وہ ضعیف ہے۔"

لیکن یہ صحیح نہیں، چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ، تہذیب التہذیبؒ میں لکھتے ہیں کہ:

**وليس الأمر في ذلك على إطلاقه باستقرائي وفي الجملة ففيه أحاديث كثيرة منكرة.**

"میرے تتبع کے مطابق علی الاطلاق ایسا نہیں ہے اگر چہ فی الجملہ اس میں بہت سی منکر حدیثیں ہیں۔"

حافظ ابن حجرؒ کی رائے میں احادیث کی بہ نسبت رجال کے بارے میں ایسا کہنا زیادہ مناسب ہے، فرماتے ہیں:

**لكن حمله على الرجال أولٰى وأما حمله على أحاديث فلا يصح، كما قدمت ذكره من وجود الأحاديث الصحيحة والحسان مما انفرد به عن الخمسة.**

"لیکن حافظ مزیؒ کی تصریح کو رجال پر محمول کرنا اولی اور

حدیثوں پر محمول کرنا صحیح نہیں جیسا کہ میں نے سابق میں بتایا
کہ جن روایات میں وہ ائمہ خمسہ سے منفرد ہیں ان میں صحیح
حدیثیں بھی ہیں اور حسن بھی۔"

لیکن ہمارے استقراء اور تتبع کے اعتبار سے احادیث ایک طرف، رجال کے بارے میں بھی کلی طور پر یہ حکم لگادینا صحیح نہیں ہے۔

## ہماری مطبوعات

| | |
|---|---|
| سیرت رسول اکرم ﷺ | حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ |
| اذا ھبت ریح الایمان ﴿عربی﴾ | حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ |
| الہند فی العہد الاسلامی ﴿عربی﴾ | مولانا حکیم سید عبدالحیؒ حسنیؒ |
| اصلاح | مولانا حکیم سید عبدالحیؒ حسنیؒ |
| قرآن آپ سے مخاطب ہے | مولانا سید محمد الحسنیؒ |
| تاریخ تدوین حدیث | محدث کبیر مولانا عبدالرشید نعمانیؒ |
| حدیث کی روشنی | بلال عبدالحیؒ حسنی ندوی |
| مکتوبات مفکر اسلام ﴿حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ﴾ | مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی |
| سوانح مفکر اسلام ﴿حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ﴾ | بلال عبدالحیؒ حسنی ندوی |
| تجہیز و تکفین کتاب و سنت کی روشنی میں | مفتی راشد حسین ندوی |

سید احمد شہید اکیڈمی
دار عرفات، رائے بریلی